خطباتِ فقیر

29

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾

محبت الٰہی بڑھانے کے اسباب

از افادات

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

خصوصی مجالس: بعد نماز مغرب سالانہ اجتماع جھنگ

محبت الٰہی بڑھانے کے اسباب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

دل کا کام:

اللہ رب العزت نے ہر انسان کو دھڑکتا ہوا دل اور پھڑکتا ہوا دماغ عطا فرمایا ہے۔ یہ دھڑکتا ہوا دل عشق الٰہی کا برتن ہے اور پھڑکتا ہوا دماغ علم الٰہی کا برتن ہے۔

جسم کے ہر عضو کا کوئی نہ کوئی کام ہے۔ آنکھ سے ہم دیکھتے ہیں، کان سے سنتے ہیں، زبان سے بولتے ہیں، ناک سے سونگھتے ہیں۔ اسی طرح ہاتھ پاؤں کے بھی اپنے اپنے کام ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دل کا کیا کام ہے؟ دل کا کام ہے، محبت کرنا۔ ہر انسان کا

دل کسی نہ کسی سے محبت ضرور کرتا ہے۔

دل بحرِ محبت ہے محبت یہ کرے گا
لاکھ اس کو بچا تو یہ کسی پر تو مرے گا
پتھر سے ہو، خدا سے ہو یا پھر کسی سے ہو
آتا نہیں ہے چین محبت کیے بغیر

دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں جو یہ کہے کہ مجھے کسی سے محبت نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ رب العزت سے محبت ہے، یا مخلوق کے ساتھ محبت ہے۔

محبت کسے کہتے ہیں؟

''محبت'' دل کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ یہ کیا ہوتی ہے؟ کہ بندے کو کوئی چیز پسند آ جائے ......کوئی بندہ پسند آ جائے، یا اللہ رب العزت کے ساتھ تعلق جڑ جائے...... پھر ہر وقت بندے کا دھیان اسی کی طرف رہتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ بس اسی کو دیکھتے رہیں۔

بچپن کے زمانے میں ہم پنجابی زبان میں ایک نعت سنا کرتے تھے:

ایسا نقش پکے تیرا محبوبا! جدوں ویکھا تے سامنے توں ہوویں
اکھاں میٹاں تے تیری شکل دسے، اکھاں کھولاں تے سامنے توں ہوویں

دل کی اس کیفیت کا نام محبت ہے۔

لفظ ''حُب'' میں علمی نکات:

محبت کا لفظ ''حُب'' سے بنا ہے۔ اس میں دو حرف ہیں۔ طالب علم کے لیے اس میں کچھ نکات ہیں۔

پہلی بات......اس میں دو حروف ''حا'' اور ''با'' استعمال ہوئے ہیں۔ اگر آپ ان کے مخارج پر غور کریں تو ''حا'' کا مخرج اقصی حلق بنتا ہے۔ یہ حروف حلقی میں سے ہے۔

کیونکہ یہ حلق سے نکلتا ہے۔ اور پھر حلق کے بھی آخری کنارے سے نکلتا ہے، اور ''با'' حروف شفویہ میں سے ہے، کیونکہ یہ ہونٹوں سے نکلتا ہے۔ اور یہ مخرج کا سب سے قریب کا کنارہ ہے۔ گویا ایک حرف آخری مخرج سے اور ایک حرف پہلے مخرج سے...... گویا یہ لفظ بتاتا ہے کہ یہ وہ کیفیت ہے کہ:

اِبْتَدَاءُ هَامِنْهُ وَاِنْتِهَاءُ هَااِلَيْهِ

''یعنی اس کی ابتدا محبوب سے ہوتی ہے اور اس کی انتہا بھی محبوب پر ہوتی ہے'' محبت جو ہوئی۔

دوسری بات: اس میں ایک حرکت ہے، پیش والی' اس کو ضمہ کہتے ہیں۔ قراء حضرات جانتے ہیں کہ

''حَرَكَةُ الضَّمِ هِيَ اَشَدُّ الْحَرَكَاتِ''

جتنی بھی حرکتیں ہیں، کسرہ، فتحہ اور ضمہ ان میں سے ضمہ (یعنی پیش) میں شدت ہے۔ اور جیسے اس کی حرکت میں شدت ہے اسی طرح محبت کی کیفیت میں بھی وہی شدت ہوتی ہے۔

محبت محبت تو کہتے ہیں لیکن
محبت نہیں جس میں شدت نہیں ہے
محبت کے انداز ہیں سب پرانے
خبردار ہو! اس میں جدت نہیں ہے

محبت چیز ہی ایسی ہے جس میں ہمیشہ شدت ہوتی ہے۔

تیسری بات: جب ''حب'' کا لفظ ادا کیا جاتا ہے تو دو ہونٹ آپس میں ملتے ہیں۔ گویا یہ حب کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ یہ واقعی دو دلوں کو ملا دیتا ہے۔ اگر شرعی تعلق ہو تو یہ دو

بندوں کے دلوں کو ملاتا ہے اور اگر اللہ سے محبت ہو تو بندے کو اپنے رب سے واصل کر دیتا ہے۔

محبت کے بارے میں علما کے اقوال:

اس محبت کے بارے میں علما نے بہت سے اقوال کہے ہیں۔ان میں سے چند ایک اقوال نمونے کے طور پر سن لیجیے:

☆......بعض نے فرمایا:

''اَلْمَحَبَّةُ هِيَ الْمَيْلُ الدَّائِمُ بِالْقَلْبِ الْهَائِمِ''

''محبت یہ ہے کہ دل کی توجہ ہمیشہ محبوب کی طرف رہے، پیاسے دل کے ساتھ''

ھائم کا لفظ ھیم سے بنا ہے۔جیسے قرآن مجید میں فَشَارِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ اس ھیم کا معنی ہے، پیاسا۔تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پیاسے دل کا کسی کی طرف متوجہ رہنا، محبت کہلاتا ہے۔جیسے پیاسے کو ہر وقت پانی کا خیال رہتا ہے اسی طرح جب دل محبت کرتا ہے تو محبوب کی طرف میں ہر وقت دھیان رہتا ہے۔

☆......بعض بزرگوں نے فرمایا:

''اِيْثَارُ الْمَحْبُوْبِ عَلٰى جَمِيْعِ الْمَصْحُوْبِ''

''محبت یہ ہوتی ہے کہ انسان محبوب کی صحبت کو ہر کسی کی صحبت پر فوقیت دیتا ہے''

وہ چاہتا ہے کہ بس محبوب میرے ساتھ ہو مجھے دنیا میں کسی اور کی کوئی ضرورت نہیں۔

☆......بعض حضرات نے فرمایا:

''اَلْمَحَبَّةُ هِيَ مُوَافَقَةُ الْحَبِيْبِ فِي الْمَشْهَدِ وَالْمَغِيْبِ''

”محبت یہ ہے کہ وہ محبوب کی موافقت کرتا ہے، چاہے وہ سامنے ہو یا غائب ہو“
یعنی وہ ہر بات میں محبوب کے ساتھ موافقت رکھتا ہو۔

☆......ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: ہم اللہ رب العزت کی محبت کی تعریف کیسے کر سکتے ہیں؟ انہوں نے جواب میں عجیب بات ارشاد فرمائی۔ فرمانے لگے:

”اَلْمُحِبُّ هُوَ عَبْدٌ ذَاهِبٌ عَنْ نَفْسِهٖ“
”محب وہ بندہ ہوتا ہے جو اپنے آپ کا بھی نہیں رہتا“

”مُتَّصِلٌ بِذِكْرِ رَبِّهٖ“
”وہ ہر وقت اللہ کے ذکر کے ساتھ جڑا ہوا ہوتا ہے“

”قَائِمٌ بِاَدَاءِ حُقُوْقِهٖ“
”وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا کرنے کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہتا ہے“

”نَاظِرًا اِلَيْهِ بِقَلْبِهٖ“
”وہ دل سے اللہ رب العزت کی طرف متوجہ رہتا ہے“
یعنی دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے چاہتے کیا ہیں۔

”اَحْرَقَتْ قَلْبَهٗ اَنْوَارَ هَيْبَتِهٖ“
”اس کا دل اللہ تعالیٰ کے انوار کی ہیبت سے جل چکا ہوتا ہے“

”فَاِنْ تَكَلَّمَ بِاللّٰهِ“
”وہ بات کرتا ہے تو اللہ کے بارے میں کرتا ہے“

”فَاِنْ نَطَقَ فَعَنِ اللّٰهِ“
”وہ اللہ ہی کے بارے میں بات کرتا ہے“

''وَاِنْ تَحَرَّكَ فَبِاَمْرِ اللّٰهِ''

''وہ حرکت دیتا ہے تو اللہ کے امر کے ساتھ دیتا ہے''

''فَاِنْ سَكَتَ فَمَعَ اللّٰهِ''

''اور اگر کبھی خاموش رہتا ہے تو وہ اللہ کے ساتھ وقت گزار رہا ہوتا ہے''

ایسے بندے کو محب کہتے ہیں۔

محبت الٰہی بڑھانے کے اسباب

دس ایسے نکات ہیں کہ اگر ہم ان کو اپنالیں تو ہمارے دل میں بھی اللہ رب العزت کی محبت بڑھ جائے گی۔ ان کو کہتے ہیں:

اَلْاَسْبَابُ الْجَالِبَةُ لِلْمَحَبَّةِ

وہ اسباب جن کی وجہ سے انسان کے دل میں اللہ کی محبت بڑھ جاتی ہے۔ چونکہ آپ کے یہاں تشریف لانے کا مقصد ہی یہی ہے کہ دل سے مخلوق کی محبت نکل جائے اور اللہ رب العزت کی محبت دل میں بھر جائے، اس لیے امید ہے کہ آپ ان دس باتوں کو دل کے کانوں سے سنیں گے اور ابھی سے ہر ایک کو اپنی زندگی میں اپنانے کا دل میں ارادہ کر کے بیٹھیں گے۔

(۱)...... کثرت سے ذکر کرنا:

ان میں سے پہلی چیز جس سے اللہ کی محبت بڑھتی ہے، وہ یہ ہے:

''دَوَامُ ذِكْرِهٖ عَلٰى كُلِّ حَالٍ بِاللِّسَانِ وَالْقَلْبِ وَالْعَمَلِ وَالْحَالِ''

''انسان ہر وقت اللہ رب العزت کا ذکر کرے، زبان سے بھی، دل سے بھی،

عمل سے بھی اور حال سے بھی“

اس میں نکتے کی ایک عجیب بات یہ ہے:

فَنَصِيْبُهٗ مِنَ الْمَحَبَّةِ عَلٰى قَدْرِ نَصِيْبِهٖ مِنَ الذِّكْرِ

”محبت سے اس کو اتنا ہی حصہ ملے گا جتنا کہ اس کا ذکر میں حصہ ہوگا“

جیسے کہتے ہیں: جتنا گڑ اتنا میٹھا۔ اسی طرح جتنا ذکر اتنا اللہ کی محبت۔

اب ہمیں یہاں سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ اللہ رب العزت نے ایک طرف تو ارشاد فرمایا: ایمان والے وہ ہیں جو اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں، اور دوسری طرف ایمان والوں کو فرمایا:

﴿اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾

ایک آیت میں شدت کی بات کی اور دوسری آیت میں کثرت کی بات کی۔ یہ ذہن میں رکھیں کہ جب تک اللہ رب العزت کے ذکر میں کثرت نہیں ہوگی اس وقت تک محبت میں شدت نصیب نہیں ہوگی۔

بھئی! آپ گرمی کے موسم میں پینے کے پانی کو ٹونٹی سے بھریں تو آپ کہتے ہیں کہ یہ گرم ہے۔ یہاں پانی کے لیے گرم کا لفظ استعمال ہوا۔ اور اگر وضو کے لیے پانی منگائیں اور وہ اسی ٹونٹی کے پانی کو بھر کے لائے تو آپ کہیں گے: یار! ٹھنڈا پانی لائے۔ اب گرمی زیادہ چاہیے۔ نہانا ہے تو پانی اور گرم چاہیے۔ چائے کے لیے ابلتا ہوا پانی چاہیے۔ آپ ذرا غور کریں کہ تمام پانیوں کے لیے لفظ تو ”گرم“ کا استعمال ہوا۔ مگر پینے کے پانی کی گرمی کا معیار اور، نہانے کے پانی کے لیے گرمی کا معیار اور، اور چائے پینے کے لیے پانی کی گرمی کا معیار اور ہے۔

جس نے بھی کلمہ پڑھا، اس کے دل میں تو اللہ کی محبت لازماً ہے۔ یہ اس بات کی

دلیل ہے کہ اس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت موجود ہے۔ لیکن اس محبت کی شدت میں فرق ہوتا ہے۔ ہم لوگوں کے دلوں میں یہ شدت کم ہے اور اللہ والوں کے دلوں میں یہ محبت بہت زیادہ ہوا کرتی ہے۔ آج ہم اسی لیے اکٹھے ہوئے ہیں کہ کسی طرح یہ محبت ہماری تمام محبتوں پر غالب آ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾

گویا اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے! تم نے کلمہ پڑھا، اب تمہارے دل میں سب سے زیادہ میری محبت غالب ہونی چاہیے۔ جو باقی شرعی محبتیں ہیں، وہ اپنی جگہ، اگر وہ بھی راستے میں رکاوٹ بنیں تو تم قدم بڑھا کر آگے بڑھو، منزل تمہاری کچھ اور ہے۔

ایک اصولی بات سمجھ لیجیے کہ ذکر سے ذات کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر: آپ مجلس میں بیٹھے ہیں، کوئی بندہ آئسکریم کا تذکرہ کر دے تو آپ کا جی چاہے گا کہ کھانے کو بھی مل جاتی تو کیا ہی اچھا ہوتا! تو دیکھو ایک چیز کے ذکر سے اس کو پانے کی تمنا پیدا ہوتی ہے۔

کھٹاس کا نام لے لو یا مٹھاس کا نام لے لو تو تذکرے سے ہی منہ میں پانی آ جاتا ہے۔ گویا کہ تذکرہ انسان کو اس چیز کے حصول کے لیے متوجہ کرتا ہے۔

اب شریعت کا حسن دیکھیے کہ شریعت نے حکم دیا کہ کوئی عورت اپنے خاوند کے سامنے کسی غیر عورت کے حسن کا تذکرہ نہ کرے کیوں؟ اس لیے کہ ممکن ہے کہ جب اس کا خاوند سنے تو اس کا ذہن ادھر اٹک جائے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کسی چیز کے تذکرے سے

انسان کے دل میں اس چیز کے حصول کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔

جتنا زیادہ ذکر کریں گے اتنا زیادہ اللہ رب العزت کی محبت دل میں اترے گی۔ آج ذکر تو کرتے ہیں مگر کم کرتے ہیں:

﴿وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ﴾

یہی حالت ہوتی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ زمین میں ایک سوفٹ پر پانی ملتا ہے، اور آپ پچاس پچاس فٹ کے ایک لاکھ بور کروالیں، تو کسی سے پانی نکلے گا؟ اور اگر ایک بور ہی سوفٹ کا کردیں تو پانی نکل آئے گا۔ کیوں کہ پانی نکلنے کا ایک معیار تھا۔ اسی طرح ذکر کا بھی ایک معیار ہے۔ جب انسان اس معیار کو پورا کرتا ہے تو پھر اسے فنائے قلبی نصیب ہوتی ہے۔

یہ جو دومنٹ کا مراقبہ اور پانچ منٹ کا مراقبہ اور دس منٹ کا مراقبہ ہے یہ تو اسٹارٹر ہے۔ شروع میں بندے کو یہ مقدار بتاتے ہیں تاکہ وہ اسے بوجھ نہ سمجھے۔ دس منٹ کے مراقبے سے محبت کی شدت حاصل نہیں ہوتی۔ آپ اس کی مثال یوں سمجھیں: بخار ہوگیا، ڈاکٹر نے کہا: جناب! آپ کو انٹی بائیوٹک دوائیوں کا کورس کرنا پڑے گا۔ جی ڈاکٹر صاحب! کتنی گولیاں؟ بھئی ایک ہزار ملی گرام (1000mg) کی دو گولیاں صبح و شام کھاؤ اور پانچ دن تک مسلسل کھاؤ، تب جا کر تمہارا بخار ٹھیک ہوجائے گا۔ اب وہ بندہ دس گولیاں لے کر گھر آ گیا۔ اس نے سوچا کہ دس گولیاں ہی کھانی ہیں نا، چلو ایک گولی روزانہ کھالیتا ہوں۔ اس طرح اگر وہ ایک گولی روزانہ کھاتا رہے تو کیا ان دس گولیوں سے اس کا بخار اتر جائے گا؟ کبھی نہیں اترے گا...... جی ڈاکٹر صاحب! آپ نے جو گولی بتائی میں نے وہی کھائی۔ ڈاکٹر صاحب کہیں گے: جناب! اس میں مقدار کا بڑا دخل ہے۔

ٹی بی کے جو مریض ہوتے ہیں، فرض کریں کہ ان کو کہا جاتا ہے کہ آپ 80 ٹیکے

لگوائیں اور اگر درمیان میں ایک دن بھی ناغہ ہو گیا تو پھر نئے سرے سے کورس شروع کرنا پڑے گا۔

بھئی! جسمانی بیماریوں کے علاج کے لیے دوائیوں کا تسلسل جب اتنا ضروری ہے تو دل کی بیماریوں کے لیے ذکر کا تسلسل کتنا ضروری ہوگا! آج کل کے سالک کی کیا حالت ہوتی ہے؟ کہتے ہیں: جی! آج بھی مراقبہ نہیں ہوا، کل بھی نہیں ہوا۔ نہ ناشتہ قضا ہوتا ہے، نہ دوپہر کا کھانا، نہ رات کا کھانا...... کیا چیز قضا ہوتی ہے جی؟ مراقبہ نہیں ہوتا۔ یہ تو ایسی بات ہوئی کہ مجنوں سے پوچھیں: کیا حال ہے؟ اور وہ کہے: جی کیا کروں، لیلیٰ کو یاد کرنے کا وقت نہیں ملتا...... تو ذکر کی کثرت ضروری ہے۔

مرا زپیر طریقت نصیحتے یاد است
کہ غیر یاد خدا ہر چہ ہست برباد ہست

اس لیے ہمیں کثرت سے ذکر کرنا چاہیے تاکہ ہمیں فنائے قلب کی کیفیت حاصل ہو جائے۔ ایک اصول ہے:

"مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ"

"جو جس چیز سے محبت کرتا ہے، اس کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتا ہے"

دیکھیں! ماں کو بیٹے سے محبت ہوتی ہے اس لیے وہ ہر وقت اسی کی باتیں کرتی رہتی ہے۔ بیوی خاوند سے خوش ہوتی ہے اور وہ ہر وقت اسی کا تذکرہ کرتی ہے۔ اسی طرح جو بندہ اپنے رب سے محبت کرتا ہے تو بندے کی زبان پر ہر وقت اپنے رب کا تذکرہ رہتا ہے۔ وہ اللہ ہی کی بات کرتا ہے ع

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں

وہ جہاں بیٹھے گا، وہاں اللہ کی بات چھیڑ دے گا۔ اسے اللہ تعالیٰ کے تذکرے میں ہی

مزہ آئے گا۔ کہنے والے نے کہا۔

یا تیرا تذکرہ کرے ہر شخص
ورنہ پھر ہم سے گفتگو نہ کرے
دیکھ لے جلوہ تیرا جو اک بار
غیر کی پھر وہ آرزو نہ کرے
تیری چوکھٹ کا مانگنے والا
شکوے دنیا کے روبرو نہ کرے

جب دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہوتی ہے تو دل چاہتا ہے کہ یا تو اللہ کا کوئی تذکرہ کرے اور اگر نہیں تو وہ مجھ سے بات ہی نہ کرے۔

اکابرینِ امت اور کثرتِ ذکر:

ذکر، اللہ تعالیٰ کی محبت کو دل میں پیدا کر دیتا ہے۔ اس لیے ہمارے اکابر کثرت سے ذکر کرتے تھے۔ مثال کے طور پر:

حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے۔ فرمانے لگے: ایک دن میں نے اپنے دل پر اسم ذات کی ضربیں لگائیں، ان ضربوں کی گنتی کی تو ایک دن کی تعداد اسی ہزار (80000) نکلی۔ ایک دن میں اسی ہزار مرتبہ اللہ کے نام کی ضرب لگائی۔ اللہ اکبر!!

حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ واں بھچراں والے:

ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ گزرے ہیں، حضرت مولانا حسین علی واں بھچراں والے۔ وہ لمبا مراقبہ کرتے تھے، حتیٰ کہ ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں کہ ان کے ہاں عشا کے بعد مراقبہ ہوتا تھا، جس کی اختتامی دعا بھی نہیں ہوا کرتی تھی۔ ہم نے حیران ہو کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھا۔ تو حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ مسکرائے اور فرمایا: دراصل حضرت حسین علی رحمۃ اللہ علیہ مراقبے میں بیٹھ جاتے تھے، لوگ بھی ان کے ہمراہ مراقب ہو جاتے تھے، اور ہر بندے کو اجازت ہوتی تھی کہ اگر وہ تھک جائے تو اٹھ کے چلا جائے۔ اس طرح ایک چلا جاتا، پھر دوسرا چلا جاتا، پھر تیسرا چلا جاتا۔ پھر ایسا وقت آتا کہ سارے چلے جاتے تھے اور جب حضرت مراقبے سے سر اٹھاتے تو پتہ چلتا کہ سب اپنے گھروں کو جا چکے ہیں۔ پھر وہ اٹھتے تھے اور تہجد کی نیت باندھ لیتے تھے۔ عشاء کے بعد اس مراقبے کی اختتامی دعا بھی نہیں ہوتی تھی۔

حضرت کے ایک خلیفہ کا واقعہ:

ہمارے پیرو مرشد حضرت سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ، جن سے اس عاجز کی پہلی بیعت تھی، انہوں نے اپنا واقعہ سنایا۔ فرمانے لگے:

ایک مرتبہ ہم حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ کے پاس ملنے کے لیے چلے گئے، حضرت اس زمانے میں ایک سکول میں ٹیچر تھے...... وہ اس نیت سے گئے تھے کہ تھوڑی دیر بیٹھیں گے اور آ جائیں گے۔ جب ان سے ملے تو انہوں نے فرمایا: جی! تھوڑی دیر اللہ کو یاد کر لیں، مراقبہ کر لیں۔ چنانچہ سب مراقب ہو گئے۔

کتنا لمبا مراقبہ کیا؟ آدھا گھنٹا گزر گیا، ایک گھنٹہ بھی گزر گیا، ڈیڑھ گھنٹہ دو گھنٹے، اڑھائی گھنٹے بھی گزر گئے۔ حتی کہ تین گھنٹے گزر گئے۔

حضرت فرماتے ہیں: ہم نے پیچھے ڈیوٹی پر جانا تھا، ہماری طبیعتیں پریشان کہ اب حضرت دعا نہیں کر رہے اور بغیر دعا کے اٹھ کے چلے جانا، ادب کے خلاف نظر آتا تھا، چنانچہ طبیعت بہت پریشان ہو گئی کہ اب کریں تو کیا کریں؟ اتنے میں انہوں نے دعا

کروائی اور دعا کروانے کے بعد فرمانے لگے:

''بھئی! آیا کرو تو ذکر کے لیے کچھ وقت تو لے کر آیا کرو''

تین گھنٹے کا مراقبہ کروایا اور ساتھ یہ فرمایا کہ آیا کرو تو کچھ وقت لے کے آیا کرو۔ ہمارے اکابر ایسا ذکر کرتے تھے۔

سید احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ:

مصر میں ایک بزرگ ہیں، سید احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ۔ مجھے ان کا مقبرہ دیکھنے کا موقع ملا۔ ان کے حالات عجیب تھے۔ مگر مختصر یہ کہ وہ مراقبہ کرتے تھے تو گھنٹوں کا نہیں، بلکہ دنوں کے حساب سے کرتے تھے۔ مثلاً: ایک ہفتے کا مراقبہ۔ مراقبے سے اٹھتے، نماز پڑھتے اور واپس آ کر پھر مراقبہ کرتے۔ پھر اگلی نماز کے لیے اٹھتے اور نماز پڑھ کے پھر مراقبہ کرتے۔ ایک ایک ہفتہ مراقبے میں ہی گزارا کرتے تھے۔ ان کے حالاتِ زندگی میں یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے چالیس دن مراقبے میں گزارے۔ اور ایک مرتبہ انہوں نے چھ مہینے بھی مراقبے میں گزارے۔ ضروریات سے فارغ ہونا اور پھر مراقبہ...... کھانے سے فارغ ہوتے اور پھر مراقبہ...... نماز سے فارغ ہوئے اور پھر مراقبہ۔

اس کثرتِ مراقبہ کی وجہ سے ان کے چہرے پر اتنا نور آ گیا تھا کہ عام آدمی ان کے چہرے کا نور برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ عمر کے آخری حصے میں وہ اپنے چہرے پر اس طرح پردہ کرتے تھے، جیسے عورتیں چہرے کو چھپاتی ہیں۔

مشہور واقعہ ہے کہ ان کا ایک خادم تھا جس نے کئی سال ان کی خدمت کی اس نے کہا: حضرت! اتنے سال خدمت کی، آپ کا چہرہ دیکھنے کی بڑی تڑپ ہے، ایک مرتبہ تو دکھا دیجیے۔ چنانچہ جب انہوں نے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو ان کا وہ خادم برداشت ہی نہ کر سکا، وہ وہیں گرا اور اس کو موت آ گئی۔

ہمارے اکابر اتنی کثرت سے مراقبہ کرتے تھے اور آج ہم منٹوں مراقبہ کرتے ہیں۔ جی! میں پانچ منٹ مراقبہ کرتا ہوں۔ بھئی! پانچ منٹ مراقبہ کرنے سے کیا ملے گا؟

نفسانی محبت نکالنے کا نسخہ:

یہ اللہ کا ذکر انسان کے دل سے نفسانی، شیطانی اور شہوانی محبتوں کو نکال دیتا ہے۔ اب اس کی دلیل سنیے، قرآن عظیم الشان سے۔

جب ملکہ بلقیس کے پاس سیدنا سلیمان علیہ السلام کا خط گیا تو اس نے اپنے امراء سے مشورہ کیا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ انہوں نے جواب دیا: آپ جو قدم بھی اٹھائیں گی، ہم آپ کے ساتھ ہوں گے۔ وہ سمجھ دار تھی، چنانچہ کہنے لگی نہیں:

﴿إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا﴾

''جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو وہ اس میں فساد مچا دیتے ہیں''

﴿وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً﴾

''اور جو وہاں عزت والے ہوتے ہیں ان کو ذلیل کر کے اس بستی سے نکال دیتے ہیں''

یہ تو اس آیت مبارکہ کا ظاہری ترجمہ ہوا۔ البتہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ''بیان القرآن'' تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ایک بہترین استعارہ ہے۔ وہ یہ کہ اگر قلب کو ایک قریہ سمجھ لیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے نام کو مالک الملک یعنی بادشاہ سمجھ لیا جائے تو پھر اس کا مفہوم یہ بنے گا:

﴿إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا﴾

''جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو وہ اس میں فساد مچا دیتے ہیں''

﴿وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً﴾

''اور جو وہاں عزت والے ہوتے ہیں ان کو ذلیل کر کے اس بستی سے نکال دیتے ہیں''

ایک شہزادی کے عاشق کا واقعہ:

کتابوں میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ ایک بادشاہ کی جوان العمر بیٹی تھی۔ اس کے کپڑے دھوبی سے دھل کے آتے تھے۔ اس نے یہ محسوس کیا کہ سب سے جیسے اچھے کپڑے اسی کے دھلے ہوتے ہیں، اس کی مثل گھر کی دوسری عورتوں کے تو نہیں دھلے ہوتے۔ چنانچہ اس نے کام کرنے والی عورت سے پوچھا کہ یہ دھونے والا کون ہے؟ حقیقت حال کھلی کہ دھوبی کا ایک جوان بیٹا تھا۔ اس نے کہیں اس شہزادی کے حسن و جمال کا تذکرہ سنا تھا اور جب اس کو یہ پتہ چلا کہ اس کے کپڑے میرے پاس آتے ہیں تو پھر وہ اس کو بہت ہی اچھے طریقے سے دھوتا، ان کو تہ کرتا اور بھجواتا تھا۔ کپڑوں کے ذریعے اس عورت کو پتہ چلا کہ یہ تو بڑا دیوانہ ہے۔

اب جب بات کھلی تو اس نوجوان نے کہا: میں تو اس کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ جس طرح عشاق گانے گاتے ہیں اسی طرح اس نے بھی گانے شروع کر دیے۔ اس نے میسج بھیجنا شروع کر دیے:

''میں تمہیں یاد کرتا ہوں'' I Miss You

''میں تم سے محبت کرتا ہوں'' I Love you.

اب جب شہزادی نے دیکھا کہ یہ تو بے قابو ہوتا جا رہا ہے تو اس نے کہلوایا کہ میرے اور تیرے ملنے کا کوئی چانس نہیں ہو سکتا۔ اس نے بڑی منت سماجت کی اور کہلوا بھیجا کہ ملاقات کا کوئی طریقہ تلاش کرو۔ میں تجھے زندگی میں ایک بار ہی دیکھ لوں، ایک دفعہ بات کر لوں۔

شہزادی نے کہلوا بھیجا۔ ہاں! اس کا ایک طریقہ ہوسکتا ہے، میرے والد کو علما سے بہت محبت کا تعلق ہے۔ اگر کوئی مسئلہ ہوتو یہ ان سے دعا کروانے کے لیے کبھی کبھی چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ اگر آپ بھی اسی قسم کا کوئی سلسلہ شروع کر دیں تو ہوسکتا ہے کہ کبھی دعا کروانے میں بھی آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔

یہ پیغام سنتے ہی اس نوجوان نے شہر سے باہر خیمہ لگایا۔ اور پھر کیا تھا؟ تسبیح پہ تسبیح۔ دو تین سال تک وہ ذکر کرتا رہا۔ حتیٰ کہ جب لوگ اس کو ہدیہ دینے کے لیے جاتے تو وہ ہدیہ بھی قبول نہ کرتا۔ اس سے لوگوں کو پکا یقین ہوگیا کہ اس کو تو دنیا سے کوئی غرض ہی نہیں۔ یہ تو کسی سے پیسہ بھی نہیں لیتا۔ ہر وقت ہی تسبیح پڑھتا رہتا ہے۔

ایک وہ دن بھی آیا جب کسی نے بادشاہ کو آ کر بتایا کہ ایسا ذاکر آدمی فلاں جگہ پر بھی ہے۔ چنانچہ بادشاہ بھی اس کو ملنے کے لیے گیا۔ بادشاہ نے دعا کروائی اور اس نے کر دی۔ اس کے بعد بادشاہ نے گھر میں آ کر تذکرہ کیا کہ اس طرح کا ایک نیک نوجوان ہے اور میں نے اس معاملے میں اس سے دعا کروائی ہے۔ اب شہزادی کو موقع مل گیا چنانچہ اس نے بادشاہ سے پوچھا: اگر کبھی اجازت ہو تو میں بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ دعا کروانے چلی جاؤں؟ بادشاہ نے اجازت دے دی۔

لو جی! ایک دن ایسا بھی آیا کہ وہ شہزادی بھی دعا کروانے پہنچ گئی۔ جب وہاں پہنچی تو اس نے اس کو بتایا، جی! میں وہی شہزادی ہوں جس کی محبت میں تم آج تک یہ ذکر اذکار کرتے رہے ہو، اب میں تمہارے پاس آئی ہوں۔ اس نے اس کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ شہزادی بڑی حیران ہوئی۔ چنانچہ اس شہزادی نے نوجوان سے کہا:

"اَنَا مَطْلُوْبُكَ" "میں تمہارا مطلوب ہوں"

"اَنَا بُغْيَتُكَ" "میں تمہاری چاہت ہوں"

اَنَا مَحْبُوْبُكَ "میں تمہاری محبوبہ ہوں"

اَنَا قُرَّةُ عَيْنِكَ "میں تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں"

وہ شہزادی کے بارے میں جو الفاظ استعمال کرتا تھا، شہزادی نے وہ سارے الفاظ استعمال کر کے اس کو بتائے کہ میں وہی ہوں اور تمہارے پاس ملاقات کے لیے آئی ہوں۔ پھر کیا ہوا؟

فَالْتَفَتَ اِلَيْهَا وَقَالَ اِلَيْكَ عَنِّىْ فَاِنَّ ذِكْرَ اللّٰهِ شَغَلَنِىْ عَنْكِ

"پھر اس نوجوان نے اس کی طرف توجہ کی تو کہنے لگا: پیچھے ہٹ، یہاں سے دور چلی جا، اللہ کے ذکر نے میرے دل سے تیری محبت کو نکال دیا ہے"

وہ ایک وقت تھا جب میں تیری محبت میں روتا تھا۔ میں نے بناوٹ میں اللہ کا ذکر کیا، اس ذکر نے بھی میرے دل سے غیر کی محبت کو نکال دیا ہے۔ تو اگر اخلاص کے ساتھ انسان اللہ کا ذکر کرے تو پھر دل میں اللہ کی محبت کیسے نہیں آئے گی؟

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت:

کسی نے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو کہا: حضرت! بعض لوگ تو دین کے لیے اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور بعض لوگ دنیا کے لیے کرتے ہیں۔ تو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

بہر دین بہر دنیا بہر نام

اللہ اللہ کردہ باید والسلام

"ذکر دین کے لیے کرو، دنیا کے لیے کرو، یا نام کے لیے کرو، تم اللہ اللہ تو کرو، نا بھئی۔

اس میں نکتہ یہ ہے کہ وہ دنیا کے لیے ذکر کی ابتدا کرے گا، اس کے باوجود اللہ کے نام میں ایسی برکت ہے کہ اس کی انتہا اخلاص کے اوپر ہوگی۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشادِ گرامی:

اللہ رب العزت کا نام محبت سے لینا بھی عجیب نعمت ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جس شخص نے اپنی پوری زندگی میں ایک مرتبہ اللہ کا نام محبت سے لیا ہوگا، تو یہ محبت سے ایک مرتبہ کا لیا ہوا نام کبھی نہ کبھی اس بندے کے لیے جہنم سے نکلنے کا سبب بنا لیا جائے گا۔“ اللہ اکبر!!!

یہ کیسے ممکن ہے؟

ہمارے اکابر نے لکھا ہے: جو شخص اس دنیا میں اللہ رب العزت سے دوستی کرنے کی کوشش کرے گا...... کہ میرے دل میں اللہ کی محبت آ جائے، میں اللہ کا دوست بن جاؤں، اللہ تعالیٰ اس بندے کو قیامت کے دن کبھی دشمنوں کی قطار میں کھڑا نہیں فرمائیں گے۔

یہ اس کی رحمت سے بعید ہے کہ یہ تو اس کی محبت کے حصول کے لیے مجاہدے کرتا رہا ہو اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو دشمنوں کی قطار میں کھڑا کر دیں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟

۲...... قرآن مجید کی تلاوت کرنا:

اب محبت الٰہی کو بڑھانے والی دوسری بات کیا ہے؟ فرماتے ہیں:

قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ بِالتَّدَبُّرِ وَالتَّفَهُّمِ

”قرآن مجید کو تدبر سے اور معانی کا اعتبار کرتے ہوئے پڑھنا“

دنیا میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ اگر دوست کا خط آ جائے تو ایک دفعہ پڑھنے سے تسلی نہیں ہوتی، کئی دفعہ پڑھتے ہیں۔ بلکہ اگر دوست کا میسج آ جائے تو اس کو بھی ایک دفعہ نہیں، کئی دفعہ پڑھتے ہیں۔ یہ قرآن مجید اللہ رب العزت کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے

ایک خط اور میسج کی مانند ہے۔ لہٰذا مومن اس قرآن مجید کو ذوق وشوق کے ساتھ پڑھے اور پھر دیکھے کہ دل میں محبت کیسے پیدا ہوتی ہے۔

آج اگر محبت ہوتو فون پہ لمبی لمبی باتیں کرتے ہیں۔ آدھا گھنٹہ، ایک گھنٹہ، بلکہ گھنٹوں باتیں کرتے ہیں۔ مومن کی بھی یہی پہچان ہے کہ اس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت ہوتی ہے لہٰذا وہ بھی قرآن مجید کے ذریعے اللہ رب العزت سے ہمکلامی کرتا ہے۔ ایک گھنٹہ اور دو گھنٹے تلاوت۔ تلاوت کرنے سے اس کا جی ہی نہیں بھرتا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''لَوْطَهرَتْ قُلُوْبُنَالَمَاشَبِعَتْ مِنْ كَلَامِ اللّٰهِ''

''اگر ہمارے دل گناہوں کی ظلمت سے پاک ہوتے تو ہمارا دل قرآن مجید پڑھنے سے کبھی بھی نہ بھرتا''

بھئی! اگر قرآن مجید پڑھنے کو دل نہیں کرتا تو یہ گناہوں کا وبال ہے۔ دل جلدی اکتا جاتا ہے تو یہ گناہوں کا وبال ہے۔ ہمیں تلاوت سے لذت ملتی کیوں نہیں؟ گناہوں کی وجہ سے۔ نزلے زکام کا مریض ہوتو نہ اس کو کستوری کا پتا چلتا ہے اور نہ شمامۃ العنبر کا پتا چلتا ہے۔ اس کو خوشبو کا کیا پتا، وہ تو نزلے کا مریض ہوتا ہے۔ اسی طرح جو بندہ گناہوں کا مریض ہوتا ہے اس کو قرآن مجید کی لذت اور حلاوت کا پتہ نہیں چلتا۔ اور جو گناہوں سے بچتے ہیں ان کا دل چاہتا ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے ہی وقت گزرتا رہے۔ ان کو تلاوتِ قرآن کے بغیر چین ہی نہیں آتا۔ حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ تیر تو کھاتے رہتے ہیں لیکن انہوں نے سورۃ کہف مکمل کیے بغیر نماز کو مکمل نہیں کیا۔

جو بندہ آج قرآن مجید پڑھے گا، قرآن مجید قیامت کے دن اس کی شفاعت کرے گا۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اِقْرَاءُ وْالْقُرْاٰنَ فَاِنَّہٗ یَاتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ شَفِیْعًالِاَصْحَابِہٖ

عبداللہ بن امام احمد نے ''کتاب السنہ'' میں ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے۔

کَانَ النَّاسُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لَمْ یَسْمَعُوْ الْقُرْاٰنَ مِنَ الرَّحْمٰنِ فَاِذَا سَمِعُوْہُ مِنَ الرَّحْمٰنِ فَکَاَنَّھُمْ لَمْ یَسْمَعُوْہُ قَبْلَ ذٰلِکَ

''قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ قرآن سنائیں گے تو قرآن پڑھنے والوں کو اتنا مزہ آئے گا کہ وہ یہ محسوس کریں گے کہ کبھی سنا ہی نہیں تھا، آج ہی قرآن سن رہے ہیں''

فاسق لوگوں کو اگر کوئی گانا پسند ہوتا ہے تو وہ ایک دفعہ ہی نہیں سنتے، بلکہ وہ گاڑیوں میں لگا لیتے ہیں، گھروں میں بھی لگا لیتے ہیں۔ درجنوں دفعہ نہیں بلکہ سینکڑوں دفعہ سنتے ہیں، ایک ہی گانا ہوتا ہے اور سینکڑوں دفعہ سنتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس سے دل ہی نہیں بھرتا۔ مومن کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت ہوتی ہے، چنانچہ وہ قرآن روز پڑھتے ہیں۔ مگر ہر مرتبہ پڑھنے کا لطف جدا ہوا کرتا ہے۔

۳......نوافل پڑھنا:

تیسری چیز جس سے اللہ رب العزت کی محبت بڑھتی ہے وہ ہے:

''اَلتَّقَرُّبُ اِلَی اللّٰہِ بِالنَّوَافِلِ بَعْدَ الْفَرَائِضْ''

''فرائض کے بعد نوافل پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت آتی ہے''

نوافل پڑھنے والے ایسے بندے سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتے ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت فرماتے ہیں تو اس بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت خود بخود آجاتی ہے۔

ایک حدیث پاک میں ہے:

''وَمَایَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبَ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ''

بھئی! نوافل پڑھنے والے بندے سے محبت کیوں؟ اب اس کی وجہ بھی سن لیجیے۔ آپ کا نوکر آٹھ گھنٹے ڈیوٹی دیتا ہے، مگر آپ کے دل میں اس کی کوئی محبت نہیں آتی۔ لیکن اگر کوئی بندہ آٹھ گھنٹے سے زیادہ آپ کا کام کر رہا ہے تو آپ محسوس کرتے ہیں کہ یہ اپنے ذاتی وقت میں میرا کام کر رہا ہے۔ نوکر آئے اور کہے: جناب! یہ اچھا شہد مل رہا تھا میں نے سوچا کہ میں اپنے صاحب کے لیے لے جاتا ہوں۔ آپ اس کو پیمنٹ بھی کریں گے اور آپ کے دل میں اس نوکر کے بارے میں ایک تعلق بھی پیدا ہوگا۔ کیوں؟ اس نے اپنے ذاتی وقت میں سے آپ کے لیے وقت نکالا۔ یہ جو نفل پڑھنے والا بندہ ہوتا ہے، یہ اپنے وقت میں سے اپنے اللہ کے لیے وقت نکال رہا ہوتا ہے، اس لیے یہ اللہ کو پیارا لگتا ہے۔

اسلاف کا معمولِ نوافل:

ہمارے اکابر دن رات کی دس نمازیں پکی پڑھتے تھے۔ پانچ فرض نمازیں، چھٹی اشراق، ساتویں چاشت، آٹھویں اوابین، نویں تہجد اور دسویں صلاۃ التسبیح بھی پڑھتے تھے۔ بلکہ بعض اکابر تو تہجد میں روزانہ صلاۃ التسبیح پڑھتے تھے۔ ہم نے ایسے بزرگوں کے پیچھے بھی نماز پڑھی جو نماز میں ہر سجدے کے اندر کم از کم چالیس مرتبہ یا اکیس مرتبہ سبحان ربی الاعلی پڑھا کرتے تھے۔ ہم تین مرتبہ سے اوپر نہیں پڑھ پاتے۔ بھئی! محبت تو کوئی اور چیز ہے نا۔ ہم نماز اس لیے پڑھتے ہیں کہ دو رکعت پڑھنے پر ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ملے گا۔ اللہ والے ثوابوں کو نہیں دیکھتے۔ وہ تو محبت کی بنا پر پڑھ رہے ہوتے ہیں اور اللہ رب العزت کے حضور سجدہ ریز ہو رہے ہوتے ہیں۔

بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے
ہم ثواب و عذاب کیا جانیں!؟

کس میں کتنا ثواب ملتا ہے
عشق والے حساب کیا جانیں!؟

شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے یہ تذکرہ کیا کہ جنت میں نماز نہیں ہوگی تو ان کی آنکھوں میں سے آنسو آ گئے۔ کسی نے پوچھا: حضرت! آپ رو کیوں رہے ہیں؟ فرمانے لگے: اگر جنت میں نماز نہیں ہوگی تو پھر جنت میں مزہ ہی کیا آئے گا!

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک نوجوان نے جنت کے تذکرے کیے تو حور و قصور کی باتیں شروع کر دیں۔ حضرت خاموش رہے۔ جب اس نے بات مکمل کر لی تو حضرت فرمانے لگے: بھئی! اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے ہم پر مہربانی فرمائی تو میں تو صرف اتنی درخواست کروں گا اللہ! اپنے عرش کے نیچے مصلے کی جگہ عطا کر دیجیے۔

مولانا یحییٰ لمبا سجدہ کیا کرتے تھے۔ کسی نے پوچھا حضرت! اتنا لمبا سجدہ؟ فرمانے لگے: ہاں! جب سجدہ کرتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں نے اللہ کے قدموں پر سر رکھ دیا، میرا سر اٹھانے کو جی ہی نہیں چاہتا۔ سبحان اللہ! وہ کیا سجدہ ہوگا!

آج کل سالکین نمازیں کم پڑھتے ہیں۔ زیادہ پڑھنی چاہییں۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہم نہیں جانتے کہ اس جگہ کا کیا ہوا کون سا سجدہ میرے اللہ کو پسند آ جائے۔ کس سجدے پر مغفرت کا فیصلہ کر دیا جائے۔ اس لیے مصلے پر بیٹھنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ آپ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ جس بندے کو اللہ سے محبت ہوگی اس کو مصلے پہ بیٹھنے کے ساتھ محبت ہوگی۔ یہ جو مصلے سے وحشت ہوتی ہے یا مسجد میں داخل ہونے سے وحشت ہوتی ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے خالی ہوتا جا رہا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی محبت ہوتی ہے تو سبحان اللہ!

ایک صاحب نے کافی ساری مچھلی خریدی۔ ان کو گھر لے جانے کے لیے مزدور

چاہیے تھا۔ مزدور نے کہا: میں لے تو جاؤں گا، لیکن اگر درمیان میں نماز کا وقت آ گیا تو پھر میں تسلی سے نماز پڑھ کے پھر آگے جاؤں گا، اس نے کہا: ٹھیک ہے۔ راستہ لمبا تھا۔ نماز کا وقت ہو گیا تو وہ نماز پڑھنے چلا گیا۔ جو مالک تھا اس نے تو فرض پڑھے اور باہر آ گیا۔ اور یہ اوابین کی نفلیں بھی پڑھ رہے ہیں۔ تو مالک نے غصے میں آ کر باہر ہی سے کہا: ارے! کون تجھے باہر نہیں آنے دیتا؟ اس بچے نے جواب دیا: جناب! جو آپ کو اندر نہیں آنے دیتا، وہ مجھے باہر نہیں جانے دیتا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کو اس حالت میں پسند فرماتے ہیں کہ وہ مصلے پر بیٹھا نظر آئے۔ اگر تہجد کی نماز نہیں ملتی اور فجر کی نماز قضا ہوتی ہے تو یہ نہ سوچنا کہ میں نہ اٹھا، بلکہ یہ سوچنا کہ اس برکت والے وقت میں میرے اللہ نے مصلے پر میری شکل کو دیکھنا بھی پسند نہیں کیا۔ تہجد کا وقت اللہ کے مقبول بندوں کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت میں اللہ تعالیٰ اس کی شکل کو دیکھنا پسند ہی نہیں کرتا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیج دیتے ہیں کہ جاؤ اور اس کو تھپکیاں دے کر سلا دو۔ حتیٰ کہ اگر کوئی جگائے بھی سہی تو نہیں جاگتے۔ تہجد ہی نہیں، فرض نماز بھی قضا کر بیٹھتے ہیں۔ اب سوچیے کہ سالک بھی ہو اور کوئی فجر کے لیے بھی جگا رہا ہو اور وہ فجر بھی قضا کر دے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے!! اس کا مطلب یہ ہے:

Something is seriously wrong some where.

''کہیں نہ کہیں گڑبڑ ضرور ہے''

۴...... اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر فوقیت دینا:

چوتھی چیز جس کی وجہ سے انسان کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت بڑھتی ہے وہ ہے:

''اِیْثَارُ مَایُحِبُّہُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ سِوَاہُ''

''ہر چیز پر اللہ رب العزت کو فوقیت دینا''

جو چیز راستے کی رکاوٹ بن رہی ہو اس کو چھوڑ کر اللہ رب العزت کو پانا۔ چنانچہ جو بندہ دنیا میں اللہ رب العزت سے محبت کرے گا، جنت میں اللہ تعالیٰ ان کو اپنا دیدار عطا فرمائیں گے۔

نبی علیہ السلام دعا مانگتے تھے:

''اَسْئَلُکَ لَذَّۃَ النَّظْرِاِلٰی وَجْہِکَ الْکَرِیْمِ''

''اے اللہ! میں آپ کے چہرے پر ایک نظر ڈالنے کا سوال کرتا ہوں'' مجھے یہ نعمت عطا فرما دیجیے

حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے قسم کھا کر فرمایا:

فَوَاللّٰہِ مَااَعْطَاھُمْ شَیْئًااَحَبَّ اِلَیْھِمْ مِنَ النَّظْرِ اِلَیْہِ

''اللہ کی قسم! جنت کی جتنی نعمتیں ہوں گی، سب کی سب نعمتیں چھوٹی ہوں گی، جنتیوں کو اللہ کے دیدار سے بڑی کوئی نعمت عطا نہیں ہوگی''

''اے اللہ! تیرے چہرے کے اس نور کے طفیل جس سے سب ظلمتیں روشن ہو گئیں۔ نبی علیہ السلام میں تجھ سے فریاد کرتا ہوں کہ تو مجھے بھی اپنا دیدار عطا فرما دے۔

ایک حدیث میں ہے:

''اِنَّہٗ اِذَاتَجَلّٰی لَھُمْ وَرَاَوْہُ نَسُوْامَاھُمْ فِیْہِ مِنَ النَّعِیْمِ''

''جب جنت میں جنتیوں پر اللہ کی تجلی ہوگی اور وہ اس کو دیکھیں گے تو وہ بھول ہی جائیں گے کہ ہمیں اس سے پہلے جنت کی کوئی نعمت ملی تھی یا نہیں ملی تھی''

اللہ رب العزت کے دیدار کا مزہ ہی ایسا ہوگا۔ اس لیے ہمارے بزرگوں نے ایک

فقرہ بنایا اس کو ''بازگشت'' کہتے ہیں۔ اور فرمایا کہ اس کو اکثر پڑھتے رہنا چاہیے۔ وہ فقرہ کیا ہے؟

''خداوندا! مقصود من توئی و رضائے تو، مرا محبت و معرفت ذوق شوق خود بدہ''

کیا مٹھاس ہے ان الفاظ میں، کیا شیرینی ہے ان الفاظ میں! سالکین کو چاہیے کہ وہ اس بازگشت کا اکثر اپنی زبان پر ورد رکھیں۔ پڑھتے رہیں۔ اس کے پڑھنے سے دل کے اندر نور آتا ہے۔

۵......اللہ تعالیٰ کے اسما اور صفات میں غور کرنا:

پانچویں چیز جس سے اللہ رب العزت کی محبت بڑھتی ہے۔ وہ ہے:

''مَطَالَعَة الْقَلْبِ لِاَسْمَاءِ اللّٰه وَ صِفَاتِهٖ''

''انسان اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کے اسما اور اس کی صفات میں غور کرے''

اسما اور صفات میں غور کرنے سے پتہ چلے گا کہ واقعی محبت کے قابل تو اللہ ہی ہے۔ وہی ذات ہے کہ جس سے انسان کو محبت کرنی چاہیے۔

ایک عام دستور:

ایک عام دستور ہے کہ انسان اس سے محبت کرتا ہے جو محسن ہو، اللہ رب العزت کے ہم پر کتنے احسانات ہیں؟ غور کریں تو دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی۔ یہ بھی سوچیں کہ اللہ رب العزت ستار ہیں۔ اس نے ہمارے گناہوں کو چھپایا ہوا ہے۔ اگر اس کی ستر پوشی نہ ہوتی اور گناہوں کے اندر بو ہوتی تو شاید آج کوئی ہمارے ساتھ بیٹھنا بھی پسند نہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ نیک اعمال کی توفیق دینے والے ہیں۔ اب ہم جو یہاں اکٹھے بیٹھے ہیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے بیٹھے ہیں۔ بچہ بیمار ہو جاتا ہم رہ جاتے، خود بیمار ہو جاتے اور رہ جاتے، کوئی قریبی عزیز فوت ہو جاتا اور ہم رہ جاتے، کوئی چوٹ لگ جاتی

اور ہم رہ جاتے۔ کتنے ایسے عوارض ہو سکتے تھے۔ مگر اللہ رب العزت نے سارے حالات کو بالکل ٹھیک رکھا اور آج ہم یہاں پر اللہ کی حکم سے مسجد میں بیٹھے ہیں۔ یہ میرے اللہ کی دی ہوئی توفیق نہیں تو اور کیا ہے؟ اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

تین عجیب باتیں:

تین باتیں ذرا توجہ سے سنیے گا:

پہلی بات...... اللہ تعالیٰ ''ودود'' ہیں۔ محبت کرنے والے ہیں۔ اپنے بندوں سے محبت فرماتے ہیں۔ ماں جتنی اولاد سے محبت کرتی ہے اس سے بھی زیادہ اللہ رب العزت اپنے بندوں سے محبت فرماتے ہیں۔ اگر ساری دنیا کی ماؤں کی محبتوں کو بھی جمع کیا جائے تو اس سے بھی ستر گناہ زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے محبت فرماتے ہیں۔

تورات میں اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل کو پیغام دیا۔ فرمایا:

''يَاابْنَ اٰدَمَ اِنِّیْ وَحَقِّیْ لَكَ مُحِبٌّ فَبِحَقِّیْ عَلَيْكَ كُنْ لِّیْ مُحِبًّا''

''اے آدم کی اولاد! تجھے اس کی قسم کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں، اب اس محبت کرنے کی وجہ سے جو تیرے اوپر میرا حق آتا ہے اس حق کی وجہ سے تو بھی مجھ سے محبت کر لے''

اللہ اکبر! قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ میرے بندے! میں تجھ سے محبت کرتا ہوں، اب میں رب ہوں اور تو بندہ ہے، تیرے اوپر جو میرا حق آ رہا ہے، تجھے میں اس حق کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تو بھی مجھ سے محبت کر لے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ بندے اس سے محبت کریں۔ اس لیے جو بندہ محبت کے راستے میں قدم آگے بڑھاتا ہے وہ اللہ رب العزت کی رضا پانے والا بن جاتا ہے۔ تو پہلی

بات تو یہ ہے کہ اے میرے بندے! میں تجھ سے محبت کرتا ہوں، لہٰذا اب تو بھی مجھ سے محبت کر لے۔

اب ذرا دوسری بات بھی سنیے۔ بات بڑی عجیب ہے فرمایا:

''اَدْعُوْكَ لِلْوَصْلِ فَتَابٰى اَبْعَثُ رُسُلِىْ فِى الطَّلَبِ''

''میرے بندے! میں نے تجھے اپنی ملاقات کے لیے بلایا اور تو نے انکار کیا، میں نے اپنے رسولوں کو بھیجا کہ وہ تجھے میری ملاقات کے لیے تیار کر کے لے آئیں''

جیسے کسی سے تعلق ہو اور وہ ملاقات کے لیے آمادہ نہ ہو تو وہ لوگ نمائندہ بھیجتے ہیں کہ جائیں اور اس کا ذہن بنائیں اور لے آئیں۔ یہاں بھی ہو بہو یہی کیفیت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے! میں نے تجھے ملاقات کے لیے بلایا۔ جنت میں کس لیے بلایا؟ ملاقات کے لیے۔ ''فتابٰی''.....تو اس کی طلب کرنے کی بجائے گناہوں میں لگ گیا۔ میں نے ملاقات کا پیغام بھیجا اور تو نے اس کی طرف سے اعراض کیا۔ تو نے اس کو نظر انداز کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ'' ابعث رسلی فی الطلب '' میں نے اپنے انبیاء کو بھیجا کہ وہ تیری ذہن سازی کر کے تجھے میری ملاقات کے لیے لے کر آئیں۔ واہ میرے اللہ! آپ بندوں سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ آپ نے نمائندے بھیجے! حتیٰ کہ اپنے حبیب ﷺ کو بھیجا کہ جاؤ اور میرے بندوں کو سمجھا دو کہ وہ میری ملاقات کے لیے میرے پاس آ جائیں۔

﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ﴾ (یونس:۲۵)

''اور اللہ تعالیٰ سلامتی والے گھر کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے''

شادی بیاہ پر جو ناراض لوگ ہوتے ہیں ان کی طرف بندہ بھیجتے ہیں کہ ذرا جاؤ اور ان

کو بھی منالو تا کہ وہ بھی شادی میں آ جائیں۔اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے ملاقات اتنی پسند ہے، اتنی محبوب ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے بندے! میں نے تجھے اپنی طرف بلایا، تو نے انکار کیا، تو میں نے اپنے انبیاء کو بھیجا تا کہ تجھے میری ملاقات کے لیے تیار کر کے لے آئیں۔

اب تیسری بات سنیئے جو اس سے بھی عجیب ہے فرمایا:

''عَبْدِیْ کُلٌّ یُرِیْدُکَ لِنَفْسِہٖ وَاَنَا اُرِیْدُکَ لَکَ''

''اے میرے بندے! ہر کوئی تجھے اپنے لیے چاہتا ہے اور میں تجھے صرف تیرے لیے پسند کرتا ہوں''

دنیا کی جتنی بھی محبتیں ہیں ان محبتوں کا انجام اپنی وجہ ہوتی ہے۔مثال کے طور پر: خاوند بیوی سے محبت کرتا ہے۔کیوں؟ اس لیے کہ زندگی کی ساتھی ہے اور بڑھاپے کی لاٹھی بنے گی۔ماں باپ، اولاد سے محبت کرتے ہیں اور ان کے دل میں یہ ہوتا ہے کہ جب یہ بڑے ہوں گے تو بڑھاپے میں سہارا بنیں گے۔حتیٰ کہ اگر کوئی اللہ کے لیے محبت کرتا ہے تو اس کے پیچھے بھی یہ طلب ضرور ہوتی ہے کہ اس کے بدلے اللہ مجھ سے راضی ہو جائے۔ تو معلوم ہوا کہ دنیا کی محبتیں اغراض سے خالی نہیں ہیں۔یہ الگ بات ہے کہ دنیا کی غرض ہو یا اللہ کی رضا کی غرض ہو۔مگر کوئی محبت ایسی نہیں، میاں بیوی کی ہو یا بہن بھائی کی، پیر کی ہو یا مرید کی، استاد کی ہو یا شاگرد کی، ہر محبت کے پیچھے غرض ضرور ہوگی۔یا تو دنیا کی غرض ہوگی یا آخرت میں اللہ کی رضا کی، کہ اللہ اس کے بدلے میں خوش ہو جائے۔اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اے میرے بندے! ہر کوئی تجھے اپنے لیے چاہتا ہے اور میں تجھے صرف تیرے لیے پسند کرتا ہوں۔'' میرے بندے! مجھے تجھ سے کوئی غرض نہیں ہے۔واہ میرے مولا! اللہ! قربان جائیں، آپ کی اس محبت پر کہ آپ فرماتے ہیں: میرے

بندے! میں تجھ سے فقط تیرے لیے محبت کرتا ہوں، اللہ کو بندے سے کوئی غرض نہیں۔ بندہ اگر عبادت نہ بھی کرے تو فرشتے ہی بہت ہیں۔ اگر ایک قوم عبادت نہ کرے تو اللہ اس کو دنیا سے ختم فرما دے گا اور اس کی جگہ دوسری قوم کو پیدا کر دے گا۔

جب بندہ گناہ کرتا ہے تو وہ اللہ رب العزت کو بڑی تکلیف پہنچاتا ہے۔ اسی لیے اللہ کا نام ہے "صَبُّوْر"۔ صبر کرنے والا۔ جیسے بچہ نافرمانی کرے تو ماں باپ کا دل دکھتا ہے، اسی طرح جب بندہ گناہ کرتا ہے اور بے پردہ ہو کر گھر سے باہر پھرتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچاتا ہے۔ ایک بندے نے دوسرے کو ناحق قتل کر دیا تو اللہ کو تکلیف پہنچائی۔ چوری کر لی تو اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی۔ تو اللہ تعالیٰ کا نام "صَبُّوْر" ہے۔ کیا مطلب؟ کہ باوجود اس کے کہ بندہ گناہوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچا رہا ہوتا ہے اور اللہ رب العزت اس کو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتے، بلکہ صبر کر رہے ہوتے ہیں کہ شاید میرا بندہ باز آ جائے۔ اس لیے علما نے لکھا ہے:

"اَلصَّبُّوْرُ فِی الصحیح لَیْسَ اَحَدٌ اَصْبَرْ عَلٰی اَذًی مِنَ اللّٰہِ"

"......اذیت پر صبر کرنے میں اللہ سے بڑا کوئی نہیں ہے"

اللہ نے بہت صبر فرمایا ہے گویا جب انسان اللہ تعالیٰ کے اسما اور صفات میں غور کرے تو دل چاہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی سے محبت کرے۔ اس سے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھتی ہے۔

۶......ظاہری اور باطنی نعمتوں کا مشاہدہ کرنا:

چھٹی بات جس سے اللہ رب العزت کی محبت بڑھتی ہے، وہ ہے:

"مُشَاهَدَةُ نِعَمِهِ الظَّاهِرَةِ وَالْبَاطِنَه"

''ظاہری اور باطنی نعمتوں کا مشاہدہ کرنا''

دیکھیں! اللہ تعالیٰ نے ہمیں کتنا کچھ دیا ہے، ہم اس کے اہل نہیں تھے۔ بن مانگے دیا اور بغیر استحقاق کے دیا۔ لاکھوں سے بہتر دیا۔ جسم کے اعضا کو دیکھ لو۔ اللہ نے بینائی دی تو بن مانگے وہ بھی تو ہیں جو ماں کے پیٹ سے نابینا پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ نے گویائی دی تو وہ بھی بن مانگے۔ وہ بھی تو ہیں جو ماں کے پیٹ سے گونگے پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شنوائی دی تو یہ بھی بن مانگے۔ وہ بھی ہیں جو سن ہی نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے عقل دی تو وہ بھی بن مانگے۔ بچے پیدا ہوتے ہیں تو کند ذہن (Retarted) ہوتے ہیں۔ لولے لنگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ جسمانی طور پر کتنی نعمتیں ہیں جو اللہ نے بن مانگے دی ہیں۔

پھر اللہ رب العزت نے ہمیں ایمان عطا فرمایا، یہ بھی اللہ کی رحمت سے ہوا۔

پھر اللہ رب العزت نے نبی علیہ السلام کی امت میں سے پیدا کیا، یہ بھی اللہ کا احسان ہے۔ اس میں ہمارا تو کوئی کمال نہیں۔ تو یہ سب نعمتیں ہمیں کس نے دیں؟ اللہ رب العزت نے دیں۔ لہٰذا اب ان نعمتوں کا بدلہ یہی ہے کہ ہم اللہ رب العزت کے حکموں کی پابندی کریں تا کہ دل میں اللہ رب العزت کی محبت اور بڑھ جائے۔

ابراہیم علیہ السلام اور ستر سالہ مشرک:

کہتے ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک بندہ ملا اور اسی کو لے کر آئے اور فرمایا کہ میرے ساتھ مل کر کھانا کھاؤ۔ وہ کھانا کھانے بیٹھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کیا۔ اس مہمان نے سن کر کہا: میں تو یہ نام نہیں پڑھوں گا۔ پوچھا کیوں؟ اس نے کہا: میں تو مشرک ہوں، میں کیوں اس نام کو پڑھوں؟ ابراہیم علیہ السلام یہ سن کر غصے ہو گئے۔ چنانچہ وہ بغیر کھائے اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے بعد اللہ رب العزت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی

فرمائی: میرے خلیل! تو نے مہمان کو بلایا اور کھانا کھلائے بغیر اٹھا دیا۔ عرض کی: اللہ! وہ مشرک تھا، وہ تو آپ کا نام لینا ہی پسند نہیں کر رہا تھا، میں اس کو کس طرح پاس بٹھا کے کھانا کھلاتا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے خلیل! اس کی عمر ستر سال ہو گئی ہے، میں نے بھی تو اس کو ستر سال کھانا دیا۔ جب یہ پیغام ملا تو ابراہیم علیہ السلام تڑپ کر اٹھے اور گھر سے نکل کر اس بندے کو فوراً تلاش کیا اور اس کی منت سماجت کی کہ آئیے کھانا کھا لے، بھلے وہ نام نہ پڑھے، جو میں نے کہا تھا۔ اس نے پوچھا: اب کیوں راضی ہو گئے؟ فرمایا: اللہ رب العزت کی طرف سے میرے اوپر وحی آئی ہے اور مجھے تنبیہ کی گئی ہے کہ میں ستر سال اس کو اس نام کے پڑھے بغیر رزق دیتا رہا اور تو نے ایک دن بھی اس کو کھانا نہ کھلایا، اس لیے میں آیا ہوں کہ آ کے کھانا کھا لے۔ وہ مشرک یہ سن کر آیا اور اس نے کھانا بھی کھایا اور کہا کہ میں نے شرک سے توبہ کر لی، اب میں موحد بن گیا ہوں، ایک اللہ پر ایمان لے آیا ہوں۔ اب ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: آپ یہ ایمان کیسے لے کر آئے؟ تو وہ کہنے لگا: میں نے اپنے رب کی کریمی کو دیکھا جس نے مجھے ایمان لانے پر مجبور کر دیا۔ میرا رب اتنا تو کریم ہے کہ میں ستر سال سے اس کے ساتھ شرک کر رہا ہوں، اور وہ پروردگار پھر بھی مجھے رزق دیے جا رہا ہے۔

اب ذرا ہم اپنی حالت پر غور کریں کہ ہم نمازیں نہیں پڑھتے، تہجد بھی قضا ہو جاتی ہے، ذکر اذکار قضا ہو جاتے ہیں، سنت کے خلاف عمل کر بیٹھتے ہیں۔ مگر ہمارا پروردگار پھر بھی ہمیں رزق دیے جا رہا ہے۔ اللہ! تیری شان کریمی پہ قربان جائیں تو کتنا مہربان ہے! اور اپنے بندوں پر رحمت فرمانے والا ہے۔

⑦......دل کا ٹوٹنا:

ساتویں چیز جس سے اللہ رب العزت کی محبت بڑھتی ہے وہ ہے:

''اِنْکِسَارُ الْقَلْبِ بَیْنَ یَدَیِ الرَّبِّ''

''اللہ کے سامنے دل کا ٹوٹنا''

جب بندے کا کسی غم کی وجہ سے یا مصیبت کی وجہ سے یا کسی دوسرے بندے کے غلط برتاؤ کی وجہ سے دل ٹوٹتا ہے تو اس ٹوٹے دل پر اللہ کی رحمت کی نظر ہوتی ہے اور پھر اس بندے کے دل میں اللہ کی محبت بڑھتی ہے۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

جب دل ٹوٹتا ہے تو اللہ کو اپنے بندے پر بڑا پیار آتا ہے۔ بسا اوقات بعض عورتیں خاوندوں کی طرف سے پریشان ہوتی ہیں کہ وہ توجہ نہیں دیتے، یا جان بوجھ کے خرچہ نہیں دیتے، یا گھر کا کام کرتے ہیں تو کئی کئی دن لیٹ کر دیتے ہیں، یا ذرا سی بات ہوتی ہے تو ماں بہن کی گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں۔ اس موقع پر جوان کا دل ٹوٹتا ہے اس پر صبر کرنے کے بدلے ان کو اللہ کا وصل نصیب ہو سکتا ہے۔ یا کئی مرتبہ بیویاں، خاوندوں کا جینا حرام کر دیتی ہیں۔ یا بعض اوقات حاسدین بندے کا جینا حرام کر دیتے ہیں۔ ایسا وقت آ جاتا ہے کہ دل کہتا ہے کہ بہتر تھا کہ زمین کے اوپر کے حصے کے بجائے زمین کے نیچے ہی چلے جائیں۔ جب دل ٹوٹنے پر بندہ صبر کرتا ہے تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس بندے کے دل میں اپنی محبت پیدا فرما دیتے ہیں۔

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَةِ قُلُوْبُھُمْ))

''میں تو ٹوٹے ہوئے دلوں کے اندر ہی رہتا ہوں''

۸......خلوت میں اللہ کے ساتھ وقت گزارنا:

آٹھویں چیز جس سے اللہ رب العزت کی محبت بڑھتی ہے وہ ہے:

"اَلْخَلْوَۃُ بِاللّٰہِ وَقْتَ النُّزُوْلِ الْاِلٰھِی"

"تہجد کے وقت میں اللہ رب العزت کے ساتھ تنہائی میں وقت گزارنا"

خلوت میں وقت گزارنا۔ اور یہ کام آج کے سالک کے لیے بہت مشکل ہے۔ اسی لیے شاعر نے کہا:

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے!

ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں نیند تمہیں پیاری ہے

اللہ تعالیٰ بھی دیکھتے ہیں کہ نیند پیاری ہے یا میں پیارا ہوں۔ چنانچہ وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ رب العزت کی محبت ہوتی ہے یا جن کو محبت کی تلاش ہوتی ہے، پھر رات کے آخری پہر میں بستر ان کو اچھال دیتے ہیں۔ وہ اللہ کے حضور کھڑے ہوتے ہیں اور رکوع اور سجود میں مشغول ہوتے ہیں:

﴿تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ﴾ (السجدہ:۱۶)

اسی لیے ہمارے اکابر رات کے اندھیرے کے اسی طرح منتظر ہوتے ہیں جیسے دولہا، دلہن سے ملاقات کے لیے رات کے اندھیرے کا منتظر ہوا کرتا ہے۔

"احوال الصادقین" میں علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی:

"اے داؤد! جھوٹا ہے وہ شخص جو میری محبت کا دعویٰ کرے اور رات آئے تو سو جائے، کیا ہر عاشق اپنے معشوق کے ساتھ تنہائی نہیں چاہتا؟ اگر ان کی مجھ

سے محبت تھی تو ان کو چاہیے تھا کہ رات کے آخری پہر میں اٹھ کر یہ مجھ سے راز و نیاز کی باتیں کرتے"

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

"اے اللہ! دن اچھا نہیں لگتا مگر تیری یاد کے ساتھ، رات اچھی نہیں لگتی مگر تجھ سے راز و نیاز کے ساتھ"

آج تہجد پڑھنے والے بہت کم ہوتے جا رہے ہیں۔

تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے
شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے

رونا، بخت جگا دیتا ہے:

رات کا رونا، انسان کے بخت جگا دیتا ہے۔ یہ بڑی نعمت ہے۔ اللہ سے اس کو مانگا کریں۔ کہتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کو خبر ملی کہ دشمن کی مدد کے لیے بحری بیڑا آ رہا ہے۔ یہ سن کر بیت المقدس پہنچا۔ وہ وہاں ساری رات اللہ کے حضور روتا رہا اور دعائیں مانگتا رہا۔ صبح اس نے فجر کی نماز پڑھی اور پھر گھر جانے کے لیے باہر نکلا تو دروازے پر اس کو ایک بزرگ نظر آئے۔ صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا کہ میں ان بزرگوں سے دعا کروا لیتا ہوں، چنانچہ اس نے سلام کر کے کہا: حضرت! دعا کریں، دشمن کا بحری بیڑا آ رہا ہے۔ وہ کوئی صاحب بصیرت بزرگ تھے۔ انہوں نے اس کے چہرے سے اندازہ لگا لیا کہ یہ رات کس طرح گزار کے آیا ہے۔ چنانچہ فرمانے لگے: صلاح الدین ایوبی! تیرے رات کے آنسوؤں نے دشمن کے بحری بیڑے کو ڈبو دیا ہے۔ دوسرے دن اطلاع ملی کہ وہ بحری بیڑا واقعی راستے میں ڈوب گیا تھا۔ مگر ہمیں یہ آنسو بہانے کی توفیق بھی ملے تو پھر بات ہے نا۔ یہ توفیق بھی اسی کو ملتی ہے جو اللہ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اس

سے محبت کرتا ہے۔

یاد رکھیں! تہجد کی پابندی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ اس بندے سے محبت فرماتے ہیں۔

ایک باندی کا سبق آموز واقعہ:

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں ایک باندی لے کر آیا، وہ بہت پتلی دبلی سی تھی، شکل سے بیمار لگتی تھی، مگر میں نے دیکھا کہ وہ سارا دن میری خدمت میں مشغول رہتی اور جب رات آتی تو مجھ سے پوچھتی: جی! میرے ذمے کوئی کام ہے؟ میں کہتا نہیں۔ پھر وہ وضو کر کے مصلے پہ آ جاتی اور پھر وہ ساری رات مصلے پر گزاری دیتی۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ وہ دعا مانگ رہی ہے۔ اور دعا میں وہ کہہ رہی ہے:

"اِلٰهِیْ وَسَیِّدِیْ وَمَوْلَائِیْ !بِحُبِّكَ لِیْ اِلَّاغَفَرْتَ لِیْ"

"اے میرے مولا! آپ کو جو مجھ سے محبت ہے اس کی بنا پر آپ میری مغفرت کر دیجیے"

جب اس نے یہ دعا مانگی تو فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو روکا اور کہا:

"یَاجَارِیَةَ !اَمَایَکْفِیْكِ اَنْ تَقُوْلِی بِحُبِّی لَكَ حَتّٰی تَقُوْلِی بِحُبِّكَ لِیْ"

"اے لڑکی! تجھے تو یوں کہنا چاہیے تھا اے اللہ! میں آپ سے محبت کرتی ہوں، اس کی وجہ سے آپ میری بخشش کر دیں"

اور آپ کہہ رہی ہیں کہ اللہ! آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں اس کی وجہ سے میری مغفرت کر دے فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ بات کہی تو اس نے مجھ سے کہا:

"یَاذَالنُّوْنَ اَمَاعَلِمْتَ اَنَّ لِلّٰهِ قَوْمًایُحِبُّهُمْ قَبْلَ اَنْ یُّحِبُّوْهُ

اَمَا سَمِعْتَ اللّٰہَ یَقُوْلُ یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ فَسَبَقَتْ مَحَبَّتُہٗ لَھُمْ قَبْلَ مَحَبَّتِھِمْ لَہٗ“

”اے ذوالنون (اپنے کام سے کام رکھ) تجھے نہیں پتا کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کی محبت سے پہلے اللہ ان سے محبت فرماتے ہیں کیا تم نے قرآن کی آیت نہیں سنی کہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں اور یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کی محبت سے پہلے اپنی محبت کا تذکرہ فرمایا جو اس کو اپنے بندوں سے ہے“

اللہ اکبر! ایسے بھی بندے ہوتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایسی محبت فرماتے ہیں۔ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں کرنی چاہییں کہ اللہ تعالیٰ رات کے آخری پہر کا اٹھنا ہمارے لیے آسان فرمادے۔

مجھ کو نہ اپنا ہوش نہ دنیا کا ہوش ہے
بیٹھا ہوں مست ہو کے تمہارے جمال میں
تاروں سے پوچھ لو میری رودادِ زندگی
راتوں کو جاگتا ہوں تمہارے خیال میں

جو اللہ سے محبت کرنے والے ہوتے ہیں ان کی راتیں اسی طرح جاگ کر گزرتی ہیں۔

۹...... تعلق مع اللہ کی رکاوٹ کو ختم کرنا:

نویں چیز جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھتی ہے، وہ ہے:

”اَلْبُعْدُ عَنْ کُلِّ مَا یَحُوْلُ بَیْنَ الْقَلْبِ وَبَیْنَ اللّٰہِ“

”ہر وہ چیز جو اس کے اور اللہ کے تعلق کے درمیان رکاوٹ ہے، اس کو چھوڑ دینا“

اس لیے فرمایا:

"اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَایُحِبُّ مُطِیْعٌ"

"محب جس سے محبت کرتا ہے اس کی وہ فرمانبرداری کیا کرتا ہے"

اگر ہماری اللہ رب العزت سے محبت سچی ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والی زندگی اپنالیں۔

نیک بننے میں رکاوٹیں:

آج کل گناہ اتنے عام ہو چکے ہیں کہ اللہ کی محبت والے راستے پر چلنا مشکل ہو گیا ہے۔ اگر کوئی بچی دل میں نیت کر لے کہ میں آج کے بعد پردہ کروں گی تو سب سے پہلے اس کے اپنے گھر والے مخالفت کریں گے۔ حیرت ہوتی ہے کہ باپ مخالفت کر رہا ہوتا ہے، ماں مخالفت کر رہی ہوتی ہے، بہن مخالفت کر رہی ہوتی ہے، بھائی مخالفت کر رہا ہوتا ہے۔ برقعہ کیوں پہننا شروع کر دیا؟ پردہ کیوں کرنا شروع کر دیا؟ بعض بچیوں کو تو باپ اس لیے مارتا ہے کہ اگر تم برقعہ نہیں ختم کرو گی تو میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانا شروع نہیں کروں گا۔

نمازوں پہ پابندی لگانا شروع کر دیتے ہیں کہ تم اتنی زیادہ دیندار کیوں بنتی جا رہی ہو؟ نوجوان بچہ داڑھی رکھ لے تو سب سے پہلے اس کا باپ مخالفت کرتا ہے۔ میں تجھے گھر نہیں آنے دوں گا، گھر سے نکال دوں گا۔ حالانکہ وہ نوجوان تو نیک بننا چاہتا ہے۔ ان کو نہیں پتا کہ وہ نوجوان اپنے اندر کتنی جنگ لڑ رہا ہے۔ اس نوجوان کو ادھر ادھر سے بہکانے کے لیے معلوم نہیں کتنی لڑکیاں ہوتی ہیں؟ حضرت یوسف علیہ السلام کو تو ایک زلیخا نے بہکانا چاہا تھا، آج کے نوجوان کے پیچھے تو ستر زلیخائیں ہوتی ہیں۔ تو ماں باپ اس بات کو نہیں سوچتے کہ ہمارا بچہ اپنے من میں ایک جنگ لڑ رہا ہے۔ اپنے آپ کو نیکی پر رکھنے کے

لیے کوشش کر رہا ہے۔ وہ الٹا اس کی ہمت کو توڑتے ہیں۔ کہتے ہیں:

......تو نے داڑھی کیوں رکھی؟

......ہمیں تیرے سر کی ٹوپی پسند نہیں۔

......تو نے ڈھیلے ڈھالے کپڑے کیوں پہننا شروع کر دیے؟

......تو نے شلوار ٹخنوں سے اوپر باندھنا کیوں شروع کر دی؟ یا اللہ......وہ لوگ جنہیں معاون بننا چاہیے تھا وہی مخالف بن رہے ہوتے ہیں۔ ایسے وقت میں اللہ رب العزت کی طرف قدم اٹھانا، واقعی انتہائی مشکل کام ہے اور جو اٹھا لے، پھر وہ اللہ رب العزت کا پسندیدہ بندہ بن جاتا ہے۔

آج تو بس یہی آرزو ہے کہ ایک بیٹا ڈاکٹر بن جائے، ایک انجینئر بن جائے، ایک لیفٹیننٹ بن جائے، ایک فلاں بن جائے، دل میں یہ بھی تو چاہت ہوتی کہ میرا بیٹا اللہ کا دوست بن جائے! میری کوئی بیٹی مریم صفت بن جائے۔

تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے
تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
مری دعا ہے تیری آرزو بدل جائے

دنیا کی چیزوں کو آرزو بنانے کی بجائے اپنے اللہ کو اپنی آرزو بنا لے۔ اللہ رب العزت کی محبت کو، اللہ کے وصل کو اپنی آرزو بنا لے۔ ایسی زندگی ہو کہ اللہ! تیرے بنا بھی کیا جینا؟ صبح و شام ہماری ایسی گزرے کہ اللہ رب العزت کی یاد میں گزر رہی ہو۔

۱۰......اولیاء اللہ کی صحبت میں وقت گزارنا:

دسویں چیز جس سے اللہ رب العزت کی محبت بڑھتی ہے، وہ یہ ہے:

"مُجَالَسَةُ الْمُحِبِّيْنَ الصَّادِقِيْنَ"

"اللہ سے محبت کرنے والے لوگوں کے ساتھ وقت گزارنا"

یعنی اللہ کے عاشقوں کے ساتھ وقت گزارنا۔ اس سے دل میں خود بخود محبت آ جاتی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجیے کہ جیسے مقناطیس کے ساتھ لوہا لگتا ہے تو اس میں بھی مقناطیسیت آ جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ والوں کے ساتھ جو لگتا ہے، جو ان کے ساتھ تعلق جوڑتا ہے، جو ان کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے اللہ رب العزت کی محبت اس بندے کے دل کے اندر آ جاتی ہے۔

قریب جلتے ہوئے دل کے اپنا دل کر دے
آگ لگتی نہیں ہے لگائی جاتی ہے

جو دل اللہ رب العزت کی محبت میں جل رہا ہوتا ہے اس دل کے ساتھ اپنے دل کو جوڑ دو۔ پھر دیکھو کہ اللہ رب العزت کی محبت کیسے ملتی ہے !

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ حال تھا کہ جب ان کا کوئی غلام ان کو اچھی طرح نماز پڑھتا ہوا نظر آتا تو بلا کے کہتے کہ اب تم میری خدمت کرنے کی بجائے بڑے کی خدمت کرنے کے لیے وقف ہو جاؤ، میں تمہیں آزاد کرتا ہوں...... جو غلام بھی اچھی نماز پڑھتا ہوا نظر آتا، آپ اسے آزاد کر دیتے، لو! غلاموں کو پتہ چل گیا انہوں نے بناوٹ کرنی شروع کر دی کہ ان کے سامنے بڑا بن سنور کر، خشوع خضوع سے نماز پڑھنے لگ گئے۔ تو کسی نے آ کر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: حضرت! یہ لوگ تو بناوٹ کرتے ہیں اور آپ کو دھوکا دیتے ہیں۔ فرمانے لگے: میں اللہ تعالیٰ کے نام پہ دھوکا کھانا بھی پسند کرتا ہوں۔

جب دل میں محبت ہوتی ہے تو پھر انسان کو عبادت کرنی اور دعائیں مانگنا، خود بخود

آجاتا ہے ع

محبت تجھ کو آدابِ محبت خود سکھا دے گی

رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی محبت کے واقعات:

اب آپ کو رابعہ بصریہ کے چند واقعات سناتے ہیں کہ اللہ کی وہ مقبول بندی اللہ سے کتنی محبت کرتی تھی۔ امید ہے کہ آپ دل کے کانوں سے سنیں گے۔

☆......سفیان ثوری اور سلیمان صفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہم ایک مرتبہ دونوں رابعہ سے ملنے کے لیے گئے۔ وہاں بیٹھے ہوئے سفیان نے یہ کہہ دیا:

''اَللّٰھُمَّ اَرْضِ عَنِّیْ'' ''اے اللہ! مجھے اپنی رضا عطا فرما دے''

جب رابعہ نے یہ سنا تو کہا:

''اَمَا تَسْتَحْیِ مِنَ اللّٰہِ اَنْ تَسْأَلَہُ الرضا؟''

''کیا تمہیں حیا نہیں آتی کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا مانگتے ہو؟''

یعنی کیا تمہیں اس کی رضا مانگنے میں شرم نہیں آتی؟

''وَاِنَّکَ غَیْرُ رَاضٍ عَنْہُ''

''جبکہ خود تو تم اس سے راضی نہیں ہو''

آگے سے انہوں نے جواب دیا:

''اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ'' ''میں اللہ سے مغفرت کا طالب ہوں''

پھر جعفر نے ان سے پوچھا:

''مَتٰی یَکُوْنُ الْعَبْدُ رَاضِیًا عَنِ اللّٰہِ تَعَالٰی؟''

''اچھا! یہ بتائیں کہ بندہ اللہ سے راضی کب ہوتا ہے؟''

رابعہ نے جواب دیا:

''اِذَاکَانَ سُرُوْرُہٗ بِالْمُصِیْبَۃِ مِثْلَ سُرُوْرِہٖ بِالنِّعْمَۃِ''

''جب بندہ جتنی نعمت کے حاصل ہونے پر خوشی محسوس کرتا ہے اتنی ہی خوشی اس کو غم کے ملنے پر ہوتی ہے، تب وہ اللہ سے راضی ہوتا ہے''۔

تیرا غم بھی مجھ کو عزیز ہے
کہ وہ تیری دی ہوئی چیز

بندگی کا مزا تو یہ آیا کہ اے اللہ!

تیرا غم بھی مجھ کو عزیز ہے
کہ وہ تیری دی ہوئی چیز

☆......ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ابوالقاسم حریری رحمۃ اللہ علیہ رابعہ کو ملنے ان کے پاس آئے۔ رابعہ عدویہ کی بات ہے وہ کہتے ہیں:

''دَخَلْتُ عَلٰی رَابِعَۃَ الْعَدَوِیَّۃِ فِیْ بَیْتِھَا وَکَانَتْ کَثِیْرَۃُ الْبُکَاءِ''

''میں رابعہ عدویہ کے گھر میں داخل ہوا، وہ بہت رونے والی تھیں''

''فَقَرَأَرَجُلٌ عِنْدَھَا اٰیَۃٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ فِیْھَاذِکْرُالنَّارِ''

''ان کے سامنے ایک بندے نے قرآن پاک کی ایک آیت پڑھی، جس کے اندر جہنم کی آگ کا تذکرہ تھا''

''فَصَاحَتْ ثُمَّ سَقَطَتْ''

''آیت سن کر اس نے چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر گئی''

ان کے دل پر اللہ تعالیٰ کے قرآن کا اتنا اثر ہوتا تھا کہ جہنم کا تذکرہ سن کر وہ بے ہوش

ہوجایا کرتی تھیں۔

کبھی کبھی وہ اللہ سے دعا مانگتیں تو دعا میں یہ کہا کرتی تھیں:

''اِلٰھِی !اَتَحْرِقُ النَّارِ قَلْبًا یُحِبُّکَ ؟''

''اے میرے پروردگار! کیا آپ جہنم کی آگ میں اس دل کو جلائیں گے جو آپ سے محبت کرتا ہے؟''

ان کے بارے میں کتابوں میں یہ بھی آتا ہے:

''اَنَّھَا کَانَتْ اِذَا صَلَّتِ الْعِشَاءَ قَامَتْ عَلٰی سَطْحٍ لَھَا وَشَدَّتْ عَلَیْھَا دِرْعَھَا وَخِمَارَھَا''

''جب وہ عشا کی نماز ادا کرتیں تو اپنے مکان کی چھت پر آجاتیں اور وہ اپنی چادر وغیرہ کو خوب اچھی طرح باندھ لیتیں''

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرتیں:

''اِلٰھِیْ اَنَارَتِ النُّجُوْمِ وَنَامَتِ الْعُیُوْنُ وَغَلَّقَتِ الْمُلُوْکُ اَبْوَابَھَا وَخَلَا کُلُّ حَبِیْبٍ بِحَبِیْبِہٖ وَھٰذَا مَقَامِیْ بَیْنَ یَدَیْکَ''

''اے میرے اللہ! ستارے روشن ہوگئے اور آنکھیں سوگئیں اور دنیا کے بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کرلیے، اللہ! ہر حبیب اپنے محبوب کے پاس پہنچ گیا، اور میں آپ کے سامنے کھڑی ہوں''

کاش! آج کی بھی عورتیں تہجد کے وقت کھڑے ہوکر مصلے پر یہ بات کہیں، اے اللہ! تو میرا محبوب ہے اور میں تیرے سامنے اس وقت میں حاضر ہوں۔

پھر جب صبح کا وقت ہوجاتا تو اس وقت کہتیں:

''اِلٰهِیْ ! هٰذَاللَّیْلِ قَدْاَدْبَرَ وَهٰذَاالنَّهَارُقَدْ اَسْفَرَفَلَیْتَ شَعْرِیْ اَقْبَلْتَ مِنِّیْ لَیْلَتِیْ فَاهْنِأُ؟اَمْ رَدَدْتَهَاعَلَیَّ فَاَعَزِّیْ''

''اے میرے اللہ! آج کی یہ رات چلی گئی اور دن کا یہ اجالا ہو گیا، کاش! مجھے پتہ چل جاتا کہ تو نے میری اس رات کو قبول کر لیا تو میں اپنے کو مبارک دے دیتی، اور اگر تو نے میری رات کو رد کر دیا تو میں اپنے سے تعزیت کر لیتی''

ان کے دل میں اللہ کے ساتھ کیسی محبت ہوگی! وہ حضرات ایک ایک رات اس طرح گزارتے پھر وہ اللہ کی بندی آخر میں کیا کہتی؟ وہ کہتی:

''فَوَعِزَّتِكَ لَوْ طَرَدْتَنِیْ عَنْ بَابِكَ مَابَرِحْتُ لِمَاوَقَعَ فِیْ قَلْبِیْ مِنْ مَّحَبَّتِكَ''

''اللہ! تیری عزت کی قسم! اگر تو مجھے اپنے دروازے سے دھتکار بھی دے گا تو پھر بھی میں تیرا در نہیں چھوڑوں گی'' ''اس لیے کہ میرے دل میں تیری محبت ہے'' ع

اگر تو در نہ کھولے گا تو میں بھی در نہ چھوڑوں گا

یہ وہ لوگ تھے جن کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت ایسے رچ بس گئی تھی۔ ہمارے لیے تو رات کے دو نفل پڑھنے مشکل ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو ساری رات جاگ کر تہجد کے وقت اللہ کے سامنے عاجزی کر رہے ہوتے ہیں۔ جب پنجابی زبان میں کہتے ہیں: ترلے کر رہے ہیں کہ اے میرے مولا! تو راضی ہو جا۔

اللہ والوں کی مجلس میں بیٹھنے سے اللہ رب العزت کی محبت بڑھ جاتی ہے۔

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیے لاکھوں
اس قلب میں یا اللہ! کیا آگ بھری ہوگی؟

مجنوں کا جواب:

کہتے ہیں کہ ایک بندے کو خواب میں لیلیٰ والا مجنوں نظر آیا۔ اس بندے نے اس سے پوچھا:

''مَافَعَلَ اللّٰهُ بِكَ؟''

''اللہ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا''

''قَالَ غَفَرَلِیْ وَجَعَلَنِیْ حُجَّةً عَلَی الْمُحِبِّیْنَ''

''کہنے لگا: اللہ نے میری مغفرت کر دی اور اللہ نے مجھے محبت کرنے والوں پر حجت بنا دیا''

ارے! یہ مخلوق سے اتنی محبت کر سکتا ہے تو میرے بندو! تم خالق سے محبت کیوں نہیں کر سکتے؟ اللہ اکبر کبیرا!

اگر مخلوق کی خاطر یہ ایسا پاگل اور دیوانہ بن گیا تو تم اپنے خالق کے ساتھ اتنی محبت کیوں نہیں کر سکتے؟

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے دل میں اللہ رب العزت کی محبت کو بھریں۔

بندے کے دل پر اللہ کی نگرانی......!!!:

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی بھیجی:

''اِنِّیْ اِذَا اطَّلَعْتُ عَلٰی سِرِّ عَبْدِیْ فَلَمْ اَجِدْفِیْهِ حُبَّ الدُّنْیَاوَالْاٰخِرَةِ مَلَأْتُهٗ مِنْ حُبِّیْ وَتَوَلَّیْتُهٗ بِحِفْظِیْ''

''جب میں بندے کے دل کے راز سے واقف ہو جاتا ہوں کہ نہ اس کو دنیا چاہیے نہ آخرت، (بس اس کو میری رضا چاہیے) تو میں ایسے بندے کا دل اپنی محبت سے بھر

دیتا ہوں اور پھر اس دل کی نگرانی کیا کرتا ہوں"۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لیے ہے

اہل محبت کے اعمال کی قیمت:

جب انسان محبت الٰہی کے ساتھ عبادت کرتا ہے تو پھر اس کے عمل کا ریٹ بھی کچھ اور ہوتا ہے چنانچہ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مِثْقَالُ خَرْدَلَةٍ مِنَ الْحُبِّ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ عِبَادَةِ سَبْعِيْنَ سَنَةً بِلَا حُبٍّ"

"اگر مجھے ایک دانے کے برابر محبت مل جائے تو بغیر محبت کے ستر سال کی عبادت سے یہ مجھے زیادہ عزیز ہے"

کاش! اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا ایک قطرہ ہمارے دل کے اندر بھی عطا فرما دے اور وہ محبت کا قطرہ ہمیں دنیا سے بے گانہ کر دے۔

ایک نکتے کی بات:

ایک نکتے کی بات سنیے۔ جیسے میاں بیوی کا ایک تعلق ہوتا ہے تو بیوی چاہتی ہے کہ خاوند محبت کا اظہار کرے۔ چنانچہ جو خاوند محبت کا اظہار نہیں کرتے ان کے بارے میں بیویوں کو شکوے ہوتے ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ اگر خاوند کے دل میں محبت ہے تو پھر یہ محبت کا اظہار بھی کریں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی پسند فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ رب العزت سے اپنی محبت کا اظہار کرے۔ نوافل کے ذریعے کرے، تلاوت کے ذریعے کرے، سچ بولنے کے ذریعے کرے، نیکی تقوی کے ذریعے کرے۔ اللہ سے اپنی محبت کا اظہار ضرور کرے کہ

اے اللہ! میں واقعی آپ سے ایسی محبت کرتا ہوں۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بنی اسرائیل کا ایک بوڑھا جاہل سا تھا، اس کے دل میں اللہ کی محبت تھی، وہ بیٹھا دعائیں مانگ رہا تھا۔ اے اللہ! میں نے سنا ہے کہ آپ کی بیوی نہیں، بچے نہیں، آپ میرے پاس آجائیں، میں آپ کی خدمت بھی کروں گا، کھانا بھی کھلاؤں گا، مہمان نوازی بھی کروں گا۔ وہ اس طرح کی باتیں کر ہی رہا تھا کہ وہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا گزر ہوا۔ انہوں نے سن کر فرمایا: او اللہ کے بندے! تو جو یہ باتیں کر رہا ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہیں۔ یہ سن کر وہ بوڑھا گھبرا گیا اور کہنے لگا: اچھا! مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا؟ فرمایا: ہاں ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔

یہ کہہ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فارسی زبان میں کہتے ہیں کہ جو وحی اتری تھی اس کا مطلب تھا:

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

''اے میرے پیارے موسیٰ! میں نے آپ کو جوڑنے کے لیے بھیجا تھا، توڑنے کے لیے نہیں بھیجا تھا''

وہ تو میرے ساتھ محبت کا رشتہ جوڑ کے بیٹھا باتیں کر رہا تھا، آپ نے تو الٹا ایسی بات کر دی کہ وہ گھبرا گیا اور اس نے یہ باتیں ہی چھوڑ دیں۔

اس پر ہمارے بزرگوں نے لکھا ہے کہ اگر ایک بوڑھا محبت میں ڈوب کر ایسی باتیں کر رہا ہے جو اللہ کی شان کے خلاف ہیں، اللہ کو وہ بھی پسند آتی ہیں، تو جو اللہ کی محبت میں ڈوب کر وہ باتیں کرے گا جو اللہ کی شان کے مطابق ہوں تو یہ باتیں اللہ کو کتنی پسند آئیں

گی! اللہ تعالیٰ کتنے خوش ہوں گے کہ میرا بندہ میرے ساتھ محبت کا اظہار کر رہا ہے۔

شرابِ دنیا اور شرابِ الفت میں فرق:

ایک شراب ہوتی ہے دنیا کی اور ایک شراب ہوتی ہے اللہ کی محبت کی، دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جو دنیا کی شراب پی کر گھر سے نکلتا ہے تو لوگوں کے جوتے اس کے سر پر پڑتے ہیں کہ یہ کیا تو نے بدکاری کی!؟ اور جو انسان اللہ کی محبت کی شراب کے نشے میں ڈوب کر نکلتا ہے لوگ اس کے جوتوں کو اٹھا کر اپنے سروں پر رکھ لیا کرتے ہیں اس لیے کہ محبت الٰہی نعمت ہی عجیب ہے۔ یہ ہے اللہ رب العزت سے مانگنے والی چیز کہ اے اللہ! ہمیں اپنی محبت میں عزت عطا فرما دیجیے۔

محبت ہو تو ایسی:

ہمارے حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں دو بوڑھے تھے۔ دونوں نیکوکار اور ذاکر شاغل تھے۔ ایک دن وہ دونوں آپس میں الجھ رہے تھے۔ پہلے ایک نے دوسرے کا گریبان پکڑا اور کھینچا اور پھر دوسرے نے پہلے کا گریبان پکڑا اور کھینچا۔ کسی بندے نے یہ تماشہ دیکھا تو وہ سوچنے لگا کہ یہ ہو کیا گیا؟ کہ مسجد کے اندر ہیں اور دونوں نیک اور باشرع آدمی ہیں اور آپس میں الجھ رہے ہیں۔ جب وہ ذرا قریب ہوا تو اس کو پتہ چلا کہ ہوا یہ تھا کہ آپس میں بات کرتے کرتے ان میں سے ایک نے کہہ دیا تھا: ''اللہ میڈا اے'' (اللہ میرا ہے) تو یہ سن کر دوسرے کو یہ بات اچھی نہ لگی اور اس نے اس کا گریبان پکڑا اور جھنجھوڑ کر کہا: نہیں، ''اللہ میڈا اے'' وہ اس کا گریبان پکڑ کر اس کو جھنجھوڑتا اور وہ اس کو جھنجھوڑتا۔ دیکھیے تو سہی کہ اس وقت اللہ کو کتنا پیار آ رہا ہوگا کہ یہ دونوں بوڑھے میری محبت میں ایک دوسرے کے ساتھ الجھ رہے ہیں۔ بھئی! اللہ تو سب کا ہے مگر محبت چیز ہی ایسی ہے۔

محبت الٰہی زندگی کا مقصود ہے:

اللہ رب العزت کی یہ محبت انسان کی زندگی کو سنوار دیتی ہے۔ دنیا کی بھی عزتیں ملتی ہیں اور آخرت کی بھی عزتیں ملتی ہیں۔

تیری عاشقی سے پہلے مجھے کون جانتا تھا؟
تیرے عشق نے بنادی میری زندگی فسانہ

اللہ کی محبت زندگی کو فسانہ بنادیتی ہے۔ ہم اللہ رب العزت سے یہ نعمت مانگا کریں۔ کیونکہ اللہ رب العزت کی محبت زندگی کا مقصود ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو لوگ مخلوق سے نفسانی، شیطانی، شہوانی محبتیں کرتے ہیں وہ زندگی کو ضائع کر رہے ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں آ کر عرض کیا:

''وَاَحْبِبْ مَنْ شِئْتَ فَاِنَّكَ مُفَارِقُهٗ''

''اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جس سے چاہیں محبت کریں ایک دن آپ کو جدا ہونا پڑے گا''

مخلوق کی محبتوں میں جدائی لازماً آتی ہے۔ لیکن اللہ رب العزت کی محبت ایسی ہے کہ جو ایک مرتبہ اللہ سے جڑتا ہے، پھر وہ اللہ کی رحمت سے کبھی اس سے جدا نہیں ہوتا۔ جو مخلوق سے محبت کرے گا وہ ایک نہ ایک دن مخلوق سے جدا کر دیا جائے گا اور جو اللہ رب العزت سے محبت کرے گا وہ ایک نہ ایک دن اللہ سے ملا دیا جائے گا۔ اس لیے فرماتے ہیں: ع

عشق بامردہ نہ باشد پائیدار

''مرنے والوں سے جو عشق ہوتا ہے وہ پائیدار نہیں ہوتا''

عشق را باحــــــی باقیــــــوم دار

"محبت کرنی ہے تو اس ذات سے کرو جو ہمیشہ زندہ رہنے والی اور قیوم ذات ہے"

مرنے والوں سے اور ڈھلنے والوں سے کیا محبت کرنی؟

میر مت مرنا کسی گلفام پر
خاک ڈالو گے انہی اجسام پر

یہ مٹی کے کھلونے انسان کے دل کو اللہ سے جدا کر دیتے ہیں۔

عجیب اشعار:

زیب النسأ مخفی نے بڑے عجیب شعر کہے۔ کہتی ہیں:

مرغِ دل را گلشن بہتر ز کوئے یار نیست
طالبِ دیدار را ذوقِ گل و گلزار نیست

"دل کے پرندے کے لیے یار کی گلی سے بہتر گلشن اور کوئی بھی نہیں، جو محبوب کے دیدار کا طالب ہو اس کو پھولوں اور پودوں سے کوئی رغبت نہیں ہوتی" ع

گفتم از عشقِ بتاں اے دل! چہ حاصل کردہ ای؟
گفت مارا حاصل جز نالہ ہائے زار نیست

"میں نے پوچھا: اے دل! تجھے دنیا کے ان بتوں سے عشق کرنے کا کیا نتیجہ ملا؟ تو دل نے جواب دیا: رونے دھونے کے سوا کچھ نہیں ملا"

چند قطرے خونِ دل مخفی برائے محوشاں
ریختن بر خاک و گل ایں شیوہ عطار نسیت

"اے مخفی! یہ دل کے جو چند قطرے ہیں، یہ تو اللہ نے اپنی محبت کے لیے بنائے، اس کو مخلوق کے اوپر لٹا دینا، یہ عطار کا شیوہ نہیں ہوا کرتا"

اہلِ محبت کی حوصلہ افزائی:

کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی:

''یَادَاؤدُ ذِکْرِی لِلذَّاکِرِیْنَ وَجَنَّتِیْ لِلْعَابِدِیْنَ وَزِیَارَتِی لِلْمُشْتَاقِیْنَ وَاَنَا خَاصَّۃٌ لِلْمُحِبِّیْنَ''

''اے میرے پیارے داؤد! میرا ذکر ذاکرین کے لیے، میری جنت میرے عبادت گزار بندوں کے لیے، میری زیارت چاہنے والے بندوں کے لیے ہے اور میں خاص ان لوگوں کے لیے ہوں جو مجھ سے محبت کرتے ہیں''

سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تُدْعٰی الْاُمَمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِاَنْبِیَاءِ ھَا فَیُقَالُ یَا اُمَّتَ مُحَمَّدٍ! یَا اُمَّۃَ مُوْسٰی! یَا اُمَّۃَ عِیْسٰی!

''قیامت کے دن امتوں کو ان کے انبیاء کے ناموں کے ساتھ پکارا جائے گا۔ ان سے کہا جائے گا: اے محمد کی امت! اے موسیٰ کی امت! اے عیسیٰ کی امت''

''وَیُدْعَی الْمُحِبُّوْنَ فَیُقَالُ: یَا اَوْلِیَاءَ اللّٰہ! ھَلُمُّوْ اِلَی اللّٰہ سُبْحَانَہٗ''

''اور اللہ سے محبت کرنے والوں کو پکارا جائے گا تو کہا جائے گا، اے اللہ کے دوستو! آؤ اللہ کی طرف''

ابھی میزانِ عدل قائم نہیں ہوگا کہ کچھ لوگ جنت کے دروازے پر پہنچے ہوئے ہوں گے کہیں گے: اے رضوان! جنت کے دروازے کو کھول دے۔ وہ کہے گا: ابھی میزانِ عدل قائم نہیں ہوا۔ پھر رضوان اللہ تعالیٰ سے پوچھے گا: اے اللہ! یہ تیرے کون بندے ہیں جو

کہتے ہیں کہ جنت کے دروازے کو کھول دے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: یہ میرے وہ بندے ہیں جو راتوں کو میری محبت میں جاگا کرتے تھے، جو میری محبت میں زندگی گزارتے تھے، جو میری محبت کے متلاشی رہتے تھے، جو میری محبت کی خاطر گھروں سے سفر کر کے آتے تھے، کئی کئی دن مسجدوں میں رہتے تھے، دن رات مجھ سے جھولیاں اٹھا کر مانگتے تھے: اللہ! محبت کا قطرہ عطا کر دیجیے۔ یہ میرے وہ بندے ہیں جو میری یاد میں جیتے تھے۔ میرے حکموں کے مطابق زندگی گزارتے تھے۔ اے رضوان! آج میں نے ان کا حساب نہیں لینا، یہ میرا دیدار چاہتے ہیں، اس لیے کہہ رہے ہیں کہ جنت کے دروازے کو کھول دے اور ہمیں جنت میں جانے دے۔ اللہ رب العزت اپنے محبت کرنے والے بندوں سے قیامت کے دن حساب نہیں مانگیں گے۔

آج بیوی سے محبت ہو اور بندہ خرچہ دے تو حساب نہیں مانگتا۔ بیٹے سے محبت ہو تو خرچہ دے کر حساب نہیں مانگتا۔ جو اللہ سے محبت کرنے والے ہوں گے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بلا حساب ان کو بھی جنت عطا فرمائیں گے۔

اللہ کی محبت یوں مانگیں:

اللہ رب العزت ہمیں بھی اپنی سچی محبت عطا فرمادے تا کہ ہم بھی اپنی زندگی میں اللہ کی محبت میں جئیں اور اللہ کی محبت ہی میں ہمیں موت آئے۔ کہنے والے نے کیا ہی اچھی بات کہی:

تیرے سوا معبودِ حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا مقصودِ حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
اب تو رہے بس تادم آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ!
لاالٰہ الااللہ لاالٰہ الااللہ

پہلو میں جب تک قلب رہے اور تن میں جب تک جان رہے
لب پہ تیرا ہی نام رہے اور دل میں تیرا ہی دھیان رہے
جذب میں پراں ہوش رہے اور عقل میری حیران رہے
لیکن تجھ سے غافل ہرگز دل نہ میرا اک آن رہے
اب تو رہے بس تادم آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ!
لاالـــــــــہ الااللہ لا الـــــــــہ الااللہ
یاد میں تیری سب کو بھلادوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھربار لٹادوں خانہ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگادوں غم سے تیرے دل شاد رہے
سب کو نظر سے اپنی گرادوں تجھ سے فقط فریاد رہے
اب تو رہے بس تادم آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ!
لاالـــــــــہ الااللہ لا الـــــــــہ الااللہ

عشق کی دکانیں:

اللہ والوں کی خانقاہیں عشق کی دکانیں ہوتی ہیں۔میرے دوستو! ہم ان دکانوں سے اللہ کی محبت کا سودا لے لیں۔اللہ کی محبت کی پڑیا لے لیں۔یہ محبت اگر یہاں آ کر بھی نہ ملی تو پھر کب ملے گی؟ اس لیے یہ وقت ہمارے لیے قیمتی ہے۔اللہ کی طرف متوجہ رہیں، اللہ سے مانگتے رہیں۔میرے مولا! آپ سے لینے کے لیے آئیں ہیں۔تو تو جانتا ہے کہ ہم نے اپنے گھروں کو چھوڑا، نوکریوں کو چھوڑا، مصروفیات کو چھوڑا، اللہ! تیری تلاش میں نکلے، اب تیرے گھر میں آئے بیٹھے ہیں، اللہ! تیرے سامنے بیٹھ کر تیرے دیدار سے محروم ہیں، میرے مولا! اس سے بڑی محرومی اور کیا ہے؟ اے اللہ! ہمارا آنا قبول کرلے۔اگر ہم اتنے

نیک نہیں تو اے اللہ! پورے مجمع میں کوئی تو ہوگا جس کی ٹھنڈی آہیں آپ کو پسند آتی ہوں گی، کوئی تو ہوگا جس کے رات کے تہجد کے وقت کے گرم گرم آنسو آپ کو پسند آتے ہوں گے؟ اللہ! اپنے اس ایک بندے کے صدقے ہم پر بھی رحم فرمادے اور ہمیں بھی اپنی محبت عطا فرمادے اور قیامت کے دن ہمیں بھی اپنی محبت کرنے والوں میں شامل فرمادے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ○

مناجات

میرادل مچل رہا ہے تیری یاد میں الٰہی !
تیرے نام نے تو دل میں اک آگ ہے لگائی
تیرا در تو تیرا در ہے' تیرے در کے اک گدا نے
دنیا دوں کی عظمت میرے دل سے ہے مٹائی
میں تیری نوازشوں پر حیران ہو رہا ہوں
قاری نے مجھ سورت رحمٰن ہے سنائی
تیرے حسن پر میں قرباں' تیری نیم سی نگاہ نے
میرے دل کی اجڑی بستی اک پل میں ہے بسائی
تیرے عاشقوں میں جینا' تیرے سنگِ در پہ مرنا
میں یہی سمجھ رہا ہوں تیرے در کی ہے رسائی
میری زندگی کا حاصل تیری یاد بن گئی ہے
تیرے وصل کی تمنا میرے دل میں ہے سمائی
مجھے درددل ملا ہے سن لو اے دنیا والو!
میں فقیر بے نوا ہوں مجھے مل گئی شاہی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾

بیت اللہ کا سفر

از افادات

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

خصوصی مجالس: بعد نماز مغرب سالانہ اجتماع جھنگ

مورخہ ۷ اکتوبر ۲۰۰۴ء

اقتباس

اس گھر کا دیدار کرنے کے لیے ہمارے اکابر بڑے ذوق وشوق کے ساتھ سفر کر کے آتے تھے اور پتہ نہیں کتنی دعائیں مانگتے تھے؟ قربانیاں ہوتی تھیں، سفر کی مشکلات کے بعد یہاں پہنچنا نصیب ہوتا تھا۔ کئی تو ایسے تھے کہ ان کو ساری ساری زندگی دعائیں کرتے حسرت میں گزر گئی مگر ان کو اس جگہ کا دیدار نصیب نہ ہوسکا۔ آج ہم عاجز مسکینوں کو دیکھو کہ باوجود ہمارے گناہوں کے رب کریم نے اپنے گھر کے اس راستے کو آسان کر دیا۔

(حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم)

بیت اللہ کا سفر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ○ (ال عمران:۱۹)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

تجلیات ذاتیہ کا ورود:

کعبۃ اللہ کو بیت اللہ کہا جاتا ہے۔ بیت اللہ سے مراد اللہ کا گھر ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ اس میں رہتے ہیں۔ بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات ذاتیہ اس پر وارد ہوتی ہیں۔

جیسے پرنالے میں سے پانی گر رہا ہوتا ہے یوں سمجھیے کہ عرش کے اوپر سے تجلیات کا پرنالا گر رہا ہے اور وہ تجلیات بیت المعمور سے ہوتی ہوئی بیت اللہ کے اوپر گر رہی ہیں اور

یہاں سے پوری دنیا میں تقسیم ہو رہی ہیں۔ اس لیے اگر کوئی شخص وہاں سے کمرے کو ہٹا دے تو بھی یہی جگہ بیت اللہ ہوگی۔ اسی رخ میں نماز پڑھنے کا حکم ہوگا اور یہ تجلیات صرف اس گھر پر آ کر ختم نہیں ہو جاتیں بلکہ تحت الثریٰ تک جاتی ہیں۔

اگر کوئی سمندر میں بھی چلا جائے تو اس کے سامنے تجلیات کا ایک ستون ہوگا۔ اگر کوئی خلاء میں چلا جائے تو جب وہ سجدہ کرے گا اس کے سامنے ان تجلیات کا ستون ہوگا۔ اصل میں وہ تجلیات ہیں جنہوں نے اس جگہ کو بیت اللہ بنا دیا۔

دیدارِ بیت اللہ کی تڑپ:

اس گھر کا دیدار کرنے کے لیے ہمارے اکابر بڑے ذوق وشوق کے ساتھ سفر کر کے آتے تھے اور پتہ نہیں کتنی دعائیں مانگتے تھے؟ قربانیاں ہوتی تھیں، سفر کی مشکلات کے بعد یہاں پہنچنا نصیب ہوتا تھا۔ کئی تو ایسے تھے کہ ان کو ساری ساری زندگی دعائیں کرتے حسرت میں گزر گئی مگر ان کو اس جگہ کا دیدار نصیب نہ ہو سکا۔ آج ہم عاجز مسکینوں کو دیکھو کہ باوجود ہمارے گناہوں کے رب کریم نے اپنے گھر کے اس راستے کو آسان کر دیا۔

بیت اللہ کا سفر...... ماضی وحال کے آئینے میں:

فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے راستے کچے ہوتے تھے اور مسافر پکے ہوتے تھے اور آج راستے پکے ہیں اور مسافر کچے ہیں۔ راستے کچے ہونے کا تو یہ حال کہ پہلے پاکستان سے یا ہندوستان سے جو لوگ سفر کرتے تھے وہ سمندری جہازوں کا سفر کرتے تھے۔ پاکستان سے سعودی عرب پہنچنے میں ان کو دو دو مہینے لگ جاتے تھے۔ جہاز چل رہے ہوتے تھے تو راستے میں سیلاب آ جاتا، سمندر طوفان آ جاتا تو جہاز کو نظر انداز کر دیا جاتا۔ ایک ہفتہ، دو ہفتے، تین ہفتے جہاز کھڑا رہتا کہ طوفان رکے گا تب آگے چل پائیں گے۔ اتنا عرصہ ایک ہی جگہ جہاز رکے رہنے کی وجہ سے جو مسافروں کا حال ہوتا۔ اللہ اکبر کبیرا

لوگوں کو سمندری بیماریاں لگ جاتیں، کسی کو متلی ہوتی، کسی کو نیند ہوتی اور گرمی اتنی کہ نہ پوچھیں۔ جب چاروں طرف پانی اور گرمی کا موسم ہو پھر آدمی کو بند جہاز کے اندر بیٹھنا پڑے تو کیا حشر ہوتا ہے؟ آدمی اس کا تصور ہی نہیں کر سکتا۔ اس لیے اگر حج کے لیے چلنا ہوتا تو رمضان المبارک سے پہلے سفر شروع ہو جاتا تھا۔ جو رمضان المبارک سے پہلے چلتے وہ حج کے دنوں میں یہاں تک پہنچ پاتے تھے۔

اتنے مشکل سفر کے بعد جب جدہ آتے تھے تو ہمارے مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ جہاز کو سمندر میں تین دن کے لیے کھڑا کر دیا جاتا تھا تاکہ اگر مسافروں کو کوئی بیماری ہے تو وہیں اس کا علاج کیا جائے۔ تین دن کے بعد مسافروں کو جدہ کی زمین پر پاؤں رکھنے کی اجازت ملتی تھی۔ اب آپ سوچئے کہ تین دن سے جدہ پہنچ بھی گئے۔ مگر زمین پر پاؤں رکھنے کی اجازت نہیں۔ تین دن کے بعد اترنے کی اجازت ملتی تھی۔

پھر جدہ سے مکہ مکرمہ میں آنا ایک مستقل کام تھا۔ اس وقت سڑکیں تو ہوتی نہیں تھیں۔ پہاڑیاں ہوتی تھیں، پہلے پہاڑیوں پہ چڑھنا اور دوسری طرف سے نیچے اترنا۔ ویسے اگر دیکھیں تو صرف پچاس میل کا سفر ہوتا تھا۔

اس زمانے میں لوگوں کے پاس سواریاں تو ہوتی نہیں تھیں۔ مقامی لوگوں کے پاس اونٹ ہوتے تھے اور وہ کافی کرایہ لیتے تھے کئی مرتبہ اتنا کرایہ ہوتا کہ پورا دے بھی نہیں سکتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ سامان اونٹوں پہ لاد دیتے تھے اور خود ان کے ساتھ پیدل چلتے تھے۔ تین دن میں جدہ سے مکہ مکرمہ پہنچتے تھے۔ اب سوچیے کہ مکہ مکرمہ پہنچنا ہی کتنا بڑا مرحلہ تھا۔

یہ جو تین دن ہوتے تھے ان میں راستے میں کہیں پانی نہیں ہوتا تھا۔ اپنا پانی اپنے ساتھ ہوتا تھا۔ سوچیے کہ طہارت کے لیے کتنا پانی چاہیے؟ وضو کے لیے، پینے کے لیے کتنا

چاہیے تھا؟ یہ پانی بھی ساتھ ہوتا تھا۔راستے میں خشک پہاڑیاں کہیں سایہ نہیں تھا اور دھوپ میں ہی یہ سارا سفر کرنا ہوتا تھا۔ درمیان میں کہیں چاہے کا ہوٹل نہیں تھا کوئی اچھا کھانا نہیں تھا، پینے کا تازہ پانی نہیں ملتا تھا، تو انسان کو بہت تنگی کے بعد مکہ مکرمہ میں آنا نصیب ہوتا تھا۔ پھر مکہ مکرمہ رہ کر بھی مجاہدہ ہوتا تھا۔ کھانے پینے کی چیزوں میں حتیٰ کہ عرفات میں کئی مرتبہ پانی ختم ہوجاتا تھا۔حج کے جتنے مسافر ہوتے انہیں کے پاس جو پانی ہوتا اس پہ گزارا کرنا ہوتا تھا۔اب سوچیے وہاں کتنی مشکل ہوتی ہوگی۔

الحمدللہ! آج اللہ تعالیٰ نے کتنی مہربانی کردی کہ ہم لوگ ائیر کنڈیشنڈ ہوائی جہازوں میں بیٹھتے ہیں اور چار گھنٹے کے اندر جدہ اتر آتے ہیں وہاں بھی ائیر کنڈیشنڈ کمروں میں رہتے ہیں اور چار گھنٹوں میں ساری کاروائی مکمل ہوکر ہم دوبارہ ائیر کنڈیشنڈ بس میں بیٹھ چکے ہوتے ہیں۔ پھر ائیر کنڈیشنڈ میں سے اتر کر ائیر کنڈیشنڈ کمروں میں پہنچتے ہیں اور یہاں آکر ہم کہتے ہیں کہ بہت تنگ ہوکر پہنچے۔اب ہمارے لیے حرم جانا مشکل ہے۔ دیکھیے کتنا فرق ہے؟

کھانے میسر ہیں، ٹھنڈے مشروبات اور کیا کیا نعمتیں ہیں کہ بے اختیار دل سے نکلتا ہے۔

﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾

''تم اپنے رب کی کون کون سے نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''

تو پہلے زمانے میں راستے کچے ہوتے تھے اور مسافر پکے ہوتے تھے آج سڑکیں، راستے پکے بن گئے مسافر کچے بن گئے۔اتنی تکلیفوں کے بعد ہمارے اکابر یہاں پہنچتے تھے اور اعمال میں وقت گزارتے تھے۔ ہماری طرح کمرے کو ٹھنڈا کرلینا اور پھر کمبل اوپر سے لے کر سوجانا اور جب انتظار میں رہنا کہ اذان ہوگی تب اٹھ کر وضو کرنا شروع کریں گے

اور ممکن ہے بس آخری رکعت ہمیں مل جائے۔ یہ تو ہمارے طور طریقے ہیں۔ان اکابر کا معاملہ تو کچھ اور تھا۔

اللہ تعالیٰ کے پڑوسی:

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ جار اللہ جنہوں نے تفسیر ''کشاف'' لکھی وہ جب آئے تو ہر وقت بیت اللہ کے پاس ہی رہتے تھے۔وہ بیت اللہ کے پاس اتنا رہتے، اتنا رہتے کہ عربوں نے ان کو جار اللہ کہنا شروع کر دیا۔ جار اللہ کا مطلب ہوتا ہے اللہ کا پڑوسی۔ اب سوچیے کہ انہوں نے وہاں کتنا وقت گزارا ہوگا کہ لوگوں نے ان کو اللہ کا پڑوسی کہنا شروع کر دیا۔

ہر نماز امام کے پیچھے پڑھنے کا اہتمام:

حضرت قاری رحیم بخش پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ حج کے لیے گیا تو جتنے دن مجھے وہاں رہنے کا موقع ملا میری ہر نماز تکبیر اولیٰ کے ساتھ پہلی صف میں امام کے پیچھے ادا ہوئی۔ میں نے کوئی نماز دوسری صف میں بھی ادا نہیں کی۔اب سوچیے کہ ہر نماز پہلی صف میں امام کے پیچھے ادا کی۔ مجھے تو لگتا تھا شاید وہ فجر سے پہلے وضو کرنے جاتے ہونگے اور پھر عشاء کے بعد وضو کرنے جاتے ہوں گے۔ظہر سے لے کر عشاء تک اسی وضو سے نمازیں پڑھتے ہونگے۔ ایسا لگتا ہے کہ بس حرم میں ہی بیٹھے رہتے تھے۔ ہمارے بزرگوں نے یہاں ایسا وقت گزارا۔

یومیہ ستر طواف کرنے کا معمول:

ایک بزرگ تھے وہ ستر طواف روزانہ کیا کرتے تھے جبکہ ان کی اپنی عمر بھی ستر سال تھی۔ستر طواف کا مطلب ہے کہ ہر طواف کے سات چکر۔چار سو نوے تو چکر لگتے تھے اس کے علاوہ ایک سو چالیس رکعت نمازیں، نفل طواف کے جو ہوتے ہیں وہ پڑھنے ہوتے تھے

اور باقی عمل اس کے علاوہ ہوتے تھے۔

افغانی شیخ کا شوقِ طواف:

ہم نے یہاں ایک افغانی شیخ کو دیکھا حیران ہوتے تھے وہ ویل چیئر پہ ہوتے کہ چل نہیں سکتے تھے اور وہ اپنے ہاتھوں سے ویل چیئر کے پہیوں کو گھمانے کی کوشش کرتے تھوڑا چلتے پھر رک جاتے۔ پھر چلتے پھر رک جاتے۔ اللہ تعالیٰ کسی نوجوان کے دل میں ڈال دیتے وہ ان کو دیکھ کر کوئی ایک طواف کرواتا، کوئی دو طواف کرواتا کوئی تین طواف کرواتا۔ ہم نے دیکھا کہ پولیس والے اپنی ڈیوٹیاں مکمل کر کے ان کو طواف کروا رہے ہوتے تھے۔ ان کو ہم نے ہر وقت طواف میں دیکھا ہر وقت۔ واہ میرے مولا! آپ کے چاہنے والے بھی کیسے کیسے ہیں؟ معذور ہو کر بھی وہ اتنے طواف روزانہ کرتے تھے

ہر آیت کے بعد دعا مانگنے کا اہتمام:

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے خود بتلایا۔ فرمانے لگے کہ میں نے ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کے سامنے اس طرح قرآن مجید مکمل کیا کہ میں آیت پڑھتا اور اس کے مطابق جو دعا ہوتی میں وہ دعا پڑھتا تھا۔ مثلاً بشارت کی آیت ہے تو اللہ سے نعمتیں مانگتا، جنت مانگتا۔ ڈرانے والی آیت پہ دوزخ سے پناہ مانگتا۔ میں ہر ہر آیت سے متعلقہ دعا مانگتا، اس طرح میں نے بیت اللہ شریف کے سامنے پورا قرآن مجید مکمل کیا۔ آج ہم تو ایک قرآن پاک پڑھ ہی نہیں پاتے۔ وہ ہر ہر آیت پہ دعا مانگتے تھے۔ اب سوچیے ہماری زندگی میں ان کی زندگیوں میں کتنا فرق ہے؟ اس لیے یہ عاجز عرض کر رہا ہے کہ پہلے راستے کچے ہوتے تھے مسافر پکے ہوتے تھے۔ آج راستے پکے ہو گئے، مسافر کچے ہو گئے۔ پھر لوگ آتے وہ اللہ سے لو لگاتے تھے۔

حاکمِ وقت سے بے اعتنائی:

سالم بن عبداللہ کے بارے میں آتا ہے کہ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے ان کو وقت کا حاکم ملا۔ کہنے لگا: سالم! آپ بتاؤ میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟ انہوں نے معذرت کر دی۔ وہ کہنے لگا: نہیں آپ مانگیں جو مانگتے ہیں۔ تو انہوں نے بیت اللہ کی طرف اشارہ کر کے کہا او خدا کے بندے! اس گھر کے پاس آ کے بھی تجھ سے کچھ مانگوں گا۔ حاکم بڑا شرمندہ ہوا۔ سالم بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا طواف مکمل کیا اور طواف مکمل کر کے حرم محترم سے باہر نکلے تو حاکم آپ کے انتظار میں تھا۔ وہ بھی باہر نکلا، آپ سے ملا اور کہنے لگا اب تو آپ باہر آ گئے، اب مجھ سے مانگیں جو مانگتے ہیں۔ تو سالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بتاؤ میں تجھ سے دین مانگوں یا دنیا مانگوں۔ وہ حاکم دین تو کہہ نہیں سکتا تھا اس لیے کہ دین میں تو سالم رحمۃ اللہ علیہ بہت آگے بڑھے ہوئے تھے۔ اپنے وقت کے اکابرین میں سے تھے۔ تو اس نے کہا آپ مجھ سے دنیا مانگیں۔ جب اس نے یہ کہا تو سالم بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس ذات نے دنیا کو پیدا کیا دنیا تو میں نے اس سے بھی نہیں مانگی میں تجھ سے دنیا کیا مانگوں گا۔

یہ حضرات جب بیت اللہ میں وقت گزارتے تھے تو وہ اللہ سے اپنی سب امیدیں لگایا کرتے تھے۔

مجاہدہ کے بعد مشاہدہ:

اکابرین حضرات مجاہدے تو کرتے تھے اور پھر مشاہدے بھی تو کرتے تھے۔ آج اگر مجاہدہ نہیں تو پھر مشاہدہ بھی تو نہیں ہے۔ دن گزر جاتے ہیں اور جیسے آتے ہیں ویسے کے ویسے رہتے ہیں، اپنے دل میں کوئی تبدیلی نہیں محسوس کرتے۔ یہ بھی تو شکوہ ہوتا ہے کہ مجھے اپنے اندر کچھ محسوس نہیں ہو رہا۔ اصل میں کہنے والا کہہ رہا ہوتا ہے کہ جی میں کیا کروں

میری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا۔

آنکھ والا تیرے جلووں کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر، کیا دیکھے

عربوں کے مجاہدے:

اتنا مجاہدہ ہوتا تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ ہم لوگ تربوز، خربوز کو کھا کر جب چھلکے پھینکتے تھے تو مقامی بچے آپس میں جھگڑتے تھے کہ اس کو اٹھا کر میں کھاؤں گا یا اس کو میں کھاؤں گا۔ اتنی غربت ہوتی تھی کہ وہ پھلوں کے چھلکے اٹھا کے کھانے پر ایک دوسرے سے جھگڑا کرتے تھے۔

فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ہم مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف جا رہے تھے۔ راستے میں ایک بوڑھا ملا اعرابی اور اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا، جیسے اس کو بہت زیادہ بھوک لگی ہوئی ہے اور اس نے کئی دن سے نہیں کھایا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اہلیہ صاحبہ سے کہا کہ چولہا جلائیں اور اس کو کوئی روٹی وغیرہ پکا کر کھلائیں۔ فرماتے ہیں کہ میری اہلیہ صاحبہ نے اپنا سامان نکالا جب انہوں نے آٹا نکالا اور اس بوڑھے نے آٹے کو دیکھا تو اس نے ایک پیالا لے کر اور کچا آٹا اس نے ہاتھ میں لے کر اس پانی میں گھولا (ملایا) ستو کی طرح اور اس کو پی لیا پھر کہنے لگا کہ اب میں روٹی پکنے کا انتظار کر سکتا ہوں اتنی تو بھوک لگی ہوئی ہوگی ناں کہ اس کے لیے روٹی پکنے کا انتظار کرنا مشکل تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ حضرات بیت اللہ میں رہ کر اس کا فیض پاتے تھے۔

بیت اللہ کے پڑوس کی عظمت:

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ یہاں تشریف لائے تو فرماتے ہیں ایک عربی بچہ تھا وہ ہمارے خیمے میں آتا اور ہم اسے روٹی، کھانا وغیرہ دے دیتے۔ وہ بہت پیارا

بچہ تھا جب وہ بار بار آتا تو اس سے ہمیں انس ہو گیا اور وہ ہم سے کافی مانوس ہو گیا۔ فرماتے ہیں جب ہمارے جانے کا دن قریب آیا تو وہ بچہ بھی غمگین غمگین نظر آتا۔ میری اہلیہ اسے بتاتیں بس اب ہم چلے جائیں تو اس کا چہرہ بڑا اداس نظر آتا۔ ایک دن میری اہلیہ نے اس سے کہا اگر تو ہمارے ساتھ آنا چاہے تو ہم تجھے اپنا بیٹا بنا لیتے ہیں تو ہمارے ساتھ چل وہاں ہمارے ملک میں تو بجلی کے پنکھے بھی ہیں اور کھانے پینے کی ساری نعمتیں بھی ہیں ہم تجھے پڑھائیں گے بھی، پالیں گے اور تجھے اپنے بچوں کی طرح رکھیں گے اور تجھے ایسی ایسی کھانے پینے کی ہر ہر نعمت وہاں ملے گی۔ جب اس نے اچھی طرح ترغیب دے کر بات کی تو بچے نے ساری بات غور سے سنی اور سننے کے بعد کہنے لگا: اچھا یہ بھی ہوگا، یہ بھی ہوگا یہ سب کچھ وہاں ہوگا؟ تو میری اہلیہ نے کہا جی یہ سب کچھ وہاں ہوگا۔ اس کے بعد اس نے بیت اللہ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اشارہ کر کے کہنے لگا کیا یہ بھی وہاں ہوگا؟ تو میری اہلیہ نے کہا یہ تو وہاں نہیں ہوگا۔ جیسے ہی اس بچے نے سنا بیت اللہ وہاں نہیں ہوگا تو وہ کہنے لگا میں کبھی بھی وہاں نہیں جا سکتا۔ میں بیت اللہ شریف کے پڑوس کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ چھوٹے بچے بھی اتنا مجاہدہ کرتے پھر بھی ان کو بیت اللہ شریف کے ساتھ اتنی محبت ہوتی تھی۔

بارش کی وجہ سے پریشانی:

آج ہماری کیا حالت ہے؟ کیا کیا نعمتیں ہیں؟ پہلے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جانا ہوتا تو جانے میں دو دو ہفتے لگتے تھے۔ تین ہفتے بھی لگ جاتے تھے۔ ایسا ہوتا کہ مسافر چلتے اور راستے میں بارش ہو جاتی اور بارش ہونے کی وجہ سے راستے میں آبشاریں ہیں اور جھیلیں ہیں ان کا پانی جمع ہو کے جہاں نالے ہیں وہ نالے بہہ پڑتے اور پانی اتنا تیز ہوتا کہ مسافروں کو بہا کے لے جاتا تو لوگوں کو دو ہفتے انتظار میں بیٹھنا ہوتا کہ سیلاب جائے تو ہم

سفر شروع کر سکیں۔ آج تو پل بن گئے، غور کریں تو گاڑیاں چلتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ دو دو کلومیٹر لمبے پل بنے ہوئیں ہیں ان کے نیچے سے پانی گزرتا تھا جب وہاں سے پانی گزرتا، وہاں تو دریا ہوتا اتنا مشکل یہ سفر ہوتا تھا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنا واقعہ سناتے ہیں کہ: میں منی میں تھا۔ مجھے ایک بوڑھا ملا اور کہنے لگا: اے نوجوان! تو اللہ کے لیے میری دعوت کو قبول کر لے۔ فرماتے ہیں میں نے بے تکلف اس کی دعوت قبول کر لی۔ یہ سنتے ہی اس نے اپنی گٹھڑی کھولی اور جو کچھ اس میں تھا وہ اس نے دستر خوان پہ بچھا دیا اور کہنے لگا: کھاؤ۔ فرماتے ہیں: میں نے بے تکلف کھانا شروع کر دیا۔ اس نے تھوڑی دیر مجھے کھاتے دیکھا تو مجھے کہنے لگا: اے نوجوان! تو مجھے قریشی نظر آتا ہے میں نے کہا: ہاں ہوں تو سہی مگر آپ کو پتہ کیسے چلا؟ وہ کہنے لگا: اس لیے کہ قریشی دعوت قبول کرنے میں بھی بے تکلف ہوتے ہیں اور کھانے پینے میں بھی بے تکلف ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں میں نے اس سے پوچھنا شروع کیا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ تو وہ کہنے لگا: مدینہ طیبہ سے۔ میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں سنی ہوئی تھیں، تو میں نے اس سے کہا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں سناؤ۔ اس نے بتایا کہ وہ مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے ہیں اور پڑھاتے ہیں اور وہ تو ایمان دار بھی اتنا ہے بڑی باتیں کہیں۔

میرے شوق کو دیکھ کر بوڑھے نے کہا: اگر تم ان سے ملنا چاہو تو ہمارے پاس ایک اونٹ ہے جس کا سوار واپس نہیں جائے گا۔ ہم آپ کو اس اونٹ پر بٹھا دیں گے تو وہاں پہنچ جاؤ گے۔ میں نے ارادہ کر لیا میں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ چلا، سولہ دن میں سفر مکمل ہوا مگر سولہ دن میں میں نے سولہ قرآن مجید مکمل پڑھ لیے۔ اب سوچیے کہ وہ سولہ دن اونٹ کا سفر کرتے تو سولہ قرآن مجید پڑھ لیا کرتے تھے۔ آج ہم سولہ دن گزار کے جاتے ہیں اور

ایک قرآن مجید بھی مکمل نہیں پڑھ پاتے۔ ہماری بے توفیقی کا حال بھی دیکھیں، غفلت کا حال بھی دیکھیں کہ یہاں آ کر بھی ان اعمال کی ہمیں توفیق نہیں ملتی۔

کسی نے کہا۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ خنجر آزمائی
بطواف کعبہ رفتم بحرم نہ دانند
بروں چہ کار کر دی کہ درون خانہ آئی

دشمن کے یہ نصیب میں ہی نہیں تھا کہ محبوب تیری تیغ سے ہلاک ہو۔ دوستوں کے سر سلامت رہیں کہ ان پہ تو خنجر کو آزماتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ مجاہدے بھی اپنی پیاروں پہ بھیجتا ہے۔ جب میں طواف کے لیے گیا تو کعبے کے اندر مجھے کوئی راستہ نہ ملا۔ جب مجھے کعبے کا راستہ ہی نہ دکھایا گیا تو ایک آواز آئی کہ اے آنے والے مسافر! تم باہر کیا کرتوت کرتے پھر رہے ہو اب میرے ساتھ میرے گھر میں آنا چاہتے ہو۔

ہم بھی تو سوچیں ناں کہ ہم باہر کیسی زندگی گزار کے آئے، جو اب اللہ کی خاص تجلیات کے دیکھنے کے حق دار بن جاتے ہیں۔ کاش! دل کو ہم نے سنوارا ہوتا اس کو غیر سے خالی کر لیا ہوتا اس کو اجلا بنالیا ہوتا تو جب ہم یہاں آتے تو اللہ کی تجلیات کا دیدار نصیب ہو جاتا۔ ہمارے اکابر اس کے لیے محنتیں کرتے تھے۔

اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے:

انسان تو انسان ہے یہاں ہمیں کئی مرتبہ پرندے بھی طواف کرتے نظر آتے ہیں۔ شام کے وقت آپ ذرا ابابیلوں کو دیکھیں ان کے غول کے غول، جھنڈ کے جھنڈ ایسے با جماعت بیت اللہ شریف کے گرد گھوم رہے ہوتے ہیں، چاروں طرف گھوم رہے ہوتے

ہیں۔ کئی مرتبہ حیران ہوتے ہیں کہ شاید ان پرندوں کو بھی وہ نور نظر آتا ہوگا اور اس نور کے گرد وہ چکر لگا رہے ہوں۔

کئی مرتبہ کبوتر چکر لگاتے نظر آتے ہیں، حالانکہ عام طور پر عقل یہ کہتی ہے کہ پانچ پانچ سو کبوتر ایک جگہ پر اترتے ہیں۔ ان کے لیے سب سے آرام دہ جگہ بیت اللہ شریف کی چھت ہے تو سارے کبوتر اگر بیت اللہ شریف کی چھت پر رہنا شروع کر دیں تو بیت اللہ کی چھت ان کی بیٹھوں سے بھر جائے، مگر ایسا نہیں ہوتا۔ بیت اللہ شریف کی چھت پر کبھی کبھی کوئی ایک آدھ پرندہ نظر آتا ہے اور وہ بھی مقامی لوگوں کے بقول بیمار ہوتا ہے۔ جیسے بیمار آدمی نہانے کے لیے واش روم میں چلا جاتا ہے، پانی کی شاور لے لیتا ہے، یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ پرندے بیمار ہوتے ہیں تو یہ بھی نور کی شاور لینے بیت اللہ شریف کی چھت پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ صحت یاب ہو جاتے ہیں تو پھر اٹھ کر چکر لگانا شروع کر دیتے ہیں۔

بلکہ مقامی لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے کئی مرتبہ بلیوں کو طواف کرتے دیکھا۔ ہمیں بھی آج صبح ایک بلی بیت اللہ (حرم) میں نظر آئی تو ایک قریبی بزرگ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے وہ فرمانے لگے کہ ہم نے بھرپور مجمعے کے اندر ایک بلی کو طواف کا پورا چکر لگاتے ہوئے دیکھا۔ حالانکہ اتنے لوگوں میں بلی کا کیا کام؟ مگر جیسے لوگ چل رہے ہیں بلی بھی ان کے ساتھ چل رہی ہے اور وہ بھی اسی طرح طواف کا چکر لگا رہی ہے۔ واہ میرے مولا! تیرے چاہنے والے صرف انسانوں میں نہیں حیوانوں میں بھی موجود ہیں۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

سچی بات کہتا ہوں۔ دل کی بات کہتا ہوں کہ اس دنیا میں جتنا اللہ رب العزت کو چاہا

گیا۔ جتنا اللہ رب العزت سے محبت کی گئی جتنا اللہ رب العزت کو تنہائیوں میں پکارا گیا جتنا اس کے سامنے دامن پھیلائے گئے جتنا اسے خلوتوں میں یاد کیا گیا اور جتنا اس کی محبتوں میں آنسو بہائے گئے اور جتنی اس کی محبت میں گردنیں کٹوائی گئیں کوئی اور ہستی جہاں میں ایسی نہیں جس کو مخلوق میں اتنی زیادہ محبت دی گئی ہو۔ یہ شان صرف اس پروردگار عالم کی ہے جو مخلوق اس پر قربان ہوئے جا رہی ہے۔ کاش! اللہ تعالیٰ ہمیں بھی وہ جذبہ عطا فرمائے کہ ہم بھی اس جذبے کے ساتھ کچھ پا کے یہاں سے واپس جائیں۔ کچھ چیزیں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر: حدیث پاک میں آتا ہے: ایک آدمی غلاف کعبہ پکڑ کر دعائیں مانگ رہا ہے اور یارب یارب کہہ رہا ہے مگر کھانا حرام کا' اس کا لباس حرام کا تو فرمایا اس کی دعائیں کیسے قبول ہونگی؟

ریاکاری کا رونا:

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جو بیت اللہ شریف کے غلاف کو پکڑ کر دعائیں مانگ رہا تھا اور اس کے دل میں یہ نیت تھی کاش! مجھے بصرہ والے دیکھ لیتے کہ میں کیسی دعائیں مانگ رہا ہوں۔ اندازہ لگائیں کہ وہ غلاف کعبہ پکڑ کر رو رہا ہے دعائیں مانگ رہا ہے مگر اس کے نفس کی خواہش یہ ہے کہ میرے ساتھ جو بصرہ سے لوگ آئے ہیں وہ کبھی مجھے اس حال میں دیکھتے تو اس کا یہ رونا اللہ کے لیے نہ ہوا مخلوق کے لیے ہوا اس رونے کو رد کر دیا جائے گا۔

کتنے افسوس کی بات ہے ہم اتنی مشقتیں اٹھا کے، اتنا سفر کر کے اگر یہاں پہنچے تو کیا لوگوں کو دکھانے کے لیے ہم نے نفلیں پڑھنی ہیں، دعائیں مانگنی ہیں، طواف کرنے ہیں یا بار بار جانا ہے؟؟؟ ہرگز نہیں۔ ہم اپنی نیتوں کو ٹھیک کرلیں کہ ہم نے ہر عمل اللہ رب لعزت کی رضا کے لیے کرنا ہے۔

مرکزِ تجلیات سے حصولِ فیض:

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے جو بھی فیض ملا یہ مرکز تجلیات سے ملا۔ یعنی بیت اللہ شریف سے ملا۔ اور واقعہ یہ سنایا کرتے تھے، خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ امام العلماء والصلحاء ایک مرتبہ مطاف میں تھے اور جماعت کے چند حضرات بھی ساتھ تھے۔ حضرت طواف کر رہے تھے اور جماعت کے لوگ بھی پیچھے پیچھے طواف میں مصروف تھے۔ اس دوران بیت اللہ شریف کا دروازہ کھولا گیا اور جو کھولنے والا دربان تھا اس نے حضرت کو دیکھ کر کہا آپ اندر جانا چاہتے ہیں تو اے شیخ! آپ چلے جائیں۔ فرماتے ہیں حضرت نے مجھے بھی اشارہ کر دیا کہ آؤ۔ چنانچہ میں بھی حضرت کے پیچھے ایک اور آدمی جو عربی نظر آتا تھا وہ بھی پیچھے آ گیا۔ فرماتے ہیں اندر داخل ہو کر ہم نے دو رکعت نفل پڑھے دعا مانگی۔ میرے دل میں اس وقت یہ تمنا پیدا ہوئی کہ میں نے حضرت سے کہا حضرت آپ مجھے اس مرکز تجلیات کے اندر بیعت کر لیں۔ فرماتے ہیں: حضرت نے میری درخواست کو قبول کر لیا اور مجھے بیعت کے کلمات بیت اللہ شریف کے اندر پڑھانے شروع کر دیے وہ جو عربی آدمی نظر آتا تھا اس نے بھی درخواست کی حضرت نے فرمایا آپ تو اس دیس کے رہنے والے ہیں اور میں تو کسی اور جگہ کا رہنے والا ہوں ہمارا آپس میں ربط نہیں رہے گا لہٰذا آپ کسی مقامی شیخ سے بیعت ہو جائیں۔ فرماتے ہیں اس کے بعد ہم نے مراقبہ کیا مراقبے میں مجھے یوں لگا کہ وہ جو عربی آدمی تھا وہ مجھے کہہ رہا ہے دیکھ رہے ہو، دیکھ رہے ہو۔ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ کہ اس کے ہاتھ (مٹھی) میں مٹی ہے اور وہ اس مٹی کو پھینکنا چاہتا ہے۔ جب میں نے کہا کہ دیکھ رہا ہوں تو اس نے مٹی کو پھینکا اور وہ اڑتے اڑتے اڑتے دریاؤں سے کھیتوں سے سمندروں سے اوپر جا کر ایک بڑی خوبصورت جگہ پہ گرتی ہے۔

فرماتے ہیں اتنی دیر مراقبہ تھا اتنی دیر کے بعد حضرت نے دعا کروادی۔ جب بیت اللہ شریف کی سیڑھیاں نیچے اترنے لگے تو سیڑھوں کے درمیان میں حضرت نے مجھے بتایا کہ ابدال نے تمہیں کیا کہا؟ حضرت فرماتے ہیں مجھے تو اندازہ نہیں تھا میں نے سمجھا کہ مراقبے میں مجھے اونگھ آ گئی اور اونگھ میں میں نے یہ کوئی خواب دیکھا ہے لیکن جب حضرت نے پوچھا تو میں نے ساری تفصیل بتادی۔ حضرت فرماتے ہیں وہ آدمی جو بیعت ہونا چاہتا تھا وہ ابدال تھا اور اس کو میں نے جو بیعت سے انکار کر دیا تو اب میرا فیض تمہارے ذریعے سے پوری دنیا میں جائے گا۔ جہاں تک تم نے مٹی کو جاتے دیکھا وہاں تک اللہ تعالیٰ تمہیں پہنچائیں گے۔

حضرت فرماتے ہیں اس وقت مجھے تو ان باتوں کی سمجھ ہی نہیں تھی۔ میں نے کہا پتہ نہیں یہ کیسے ہوگا؟ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بار بار حرم شریف آنے کا راستہ کھولا پھر یہاں حج وعمرے کے موقع پر لوگ آتے بیعت ہوجاتے اور میں سمجھتا کہ خواب پورا ہو گیا۔ یہ فلاں ملک سے آ کے بیعت ہو گیا، یہ فلاں ملک سے آ کے بیعت ہو گیا، مگر ۳۵ سال کے بعد مجھے ریونین میں دعوت دی گئی، جب رمضان المبارک میں وہاں پہنچا تو میں نے ہو بہو وہی منظر دیکھا جو ۳۵ سال پہلے میں نے بیت اللہ شریف کے اندر دیکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دین کی دعوت کے لیے مجھے وہاں تک پہنچا دیا۔ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ مجھے مرکز تجلیات سے فیض ملا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مرشد اعظم بنا دیا۔ آج ہم بھی اسی جگہ آئے ہوئے ہیں تو کیا ہم اپنا دل دھو کے نہیں جا سکتے۔ یعنی بات ہے کہ دھو کے جا سکتے ہیں اس کے لیے تھوڑی اور کوشش کرلیں اللہ رب العزت کو منالیں۔ مشکل تو نہیں ہے مگر ہمت کوشش کرنی ہوتی ہے۔

لوگ یہاں آتے تھے تو دنیا کو لات مار کے آتے تھے اور ہم یہاں آتے ہیں تو یہاں

بھی ہمارے دل میں دنیا گھسی ہوتی ہے۔ اپنے دل کو ہر غیر سے خالی کر لیجیے اور اللہ سے لو لگا کے مانگیے۔ پھر دیکھیے اللہ تعالیٰ کس طرح مہربانی فرماتے ہیں۔ چنانچہ پہلے کیسے کیسے حضرات یہاں آیا کرتے تھے کہ سبحان اللہ!

ایک معذور نوجوان کا واقعہ:

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں دوپہر کے وقت گھر سے باہر نکلے۔ اتنی گرمی تھی جیسے سورج آگ برسا رہا ہو، ہو کا عالم، کوئی بندہ باہر نظر نہیں آتا تھا۔ جانور بھی درختوں کے سائے کے نیچے بیٹھ گئے، پرندے بھی پتوں کے نیچے چھپ کے بیٹھ گئے انسان بھی گھروں میں بیٹھ گئے۔ انہیں کسی کام کے لیے جانا تھا فرماتے ہیں: میں باہر نکلا اور دیکھا کہ ایک آدمی جو دونوں ٹانگوں سے معذور ہے وہ زمین پہ بیٹھا ہوا ہے اور سرین کے بل دونوں ہاتھوں سے گھسٹ گھسٹ کے آگے چل رہا ہے۔ جب وہ میرے قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ گرمی کی شدت سے اس کے کپڑے پسینے سے ایسے شرابور جیسے پانی سے غسل کر کے نکلا ہو اور چہرہ اس کا سرخ جیسے آگ نے جلا کے رکھ دیا ہو۔

فرماتے ہیں میں نے اس سے سلام دعا کے بعد کہا: اے نوجوان! تو کون ہے؟ اس نے کہا میں فلاں جگہ سے چلا ہوں اور میرا حج پہ جانے کا ارادہ ہے۔ حج میں جانے کو ابھی بہت وقت باقی تھا، میں نے کہا: نوجوان! تو میرے گھر میں آرام کر لے شام کو جب ذرا گرمی کم ہوگی پھر اپنا سفر شروع کر لینا۔ اس نے کہا: مالک بن دینار آپ تو ٹانگوں سے چلتے ہیں آسانی سے سفر طے کر لیتے ہیں میں تو سرین کے بل ہاتھوں سے گھسٹ گھسٹ کے انچ انچ آگے بڑھتا ہوں۔ مجھے زیادہ وقت لگتا ہے تو مجھے ڈر ہے اگر میں نے راستے میں رکنا شروع کر دیا ایسا نہ ہو کہ ادھر ایام حج شروع ہو جائیں اور ادھر میرا سفر ہی ختم نہ ہو تو میں نے حج سے محروم نہ ہو جاؤں۔

میں نے کہا: نوجوان! تو میرے گھر میں آرام کر لے میں تیرے لیے سواری کا بندوبست کر دیتا ہوں، تو سواری پہ سوار ہو کے جلدی وہاں پہنچ جانا۔ فرمانے لگے جب میں نے یہ بات کی تو اس نے بڑے غصے کی نظریں میرے چہرے پہ ڈالیں اور کہنے لگا: مالک بن دینار میں تو سمجھتا تھا آپ بڑے دانا ہیں۔ آپ نے کیسی بات کر دی؟ تو میں نے پوچھا: نوجوان! کیا بات ہے آپ کیوں ناراض ہو رہے ہیں؟ تو نوجوان آگے سے کہنے لگا: دیکھیں اگر کوئی غلام اپنے مولا کو ناراض کر بیٹھے اور پھر غلام ارادہ کرے کہ میں جاؤں اپنے مولا سے معافی مانگنے کے لیے، اس کو منانے کے لیے تو مالک بن دینار مجھے بتاؤ غلام کو پیدل جانا یا سواریوں پہ سوار ہو کے شان سے جانا اچھا لگتا ہے۔ تو میں نے کہا کہ پیدل جانا اچھا لگتا ہے۔ کہنے لگا: بس میں بھی گھسٹ کے اپنے رب کے در تک جانا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور اس نے میری پرواہ ہی نہ کی۔

فرماتے ہیں اللہ کی شان دیکھیے کہ مجھے بھی اس سال حج بیت اللہ کی سعادت ملی، وقوف عرفات کے بعد جب ہم منیٰ آئے تو میں شیطانوں کو کنکریاں مار کے فارغ ہوا تو دیکھا کہ کچھ لوگ گھیرا کر کے کھڑے ہیں۔ پوچھا: کیا بات ہے؟ کہنے لگے ایک نوجوان ہے جو اللہ سے دعائیں مانگ رہا ہے اور ہم کھڑے سن رہے ہیں۔ کہنے لگے مجھے بھی جگہ دے دو۔ جب راستہ ملا تو دیکھا کہ وہی نوجوان احرام باندھا ہوا ہے اور ارد گرد سے بے خبر ہے اپنے مولا سے اس نے تار جوڑی ہوئی ہے اور اپنے دل کے مناجات اپنے رب کو سنا رہا ہے اور یوں کہہ رہا ہے۔

''اے اللہ! میں نے تیرے گھر کا طواف بھی کر لیا، اللہ وقوف عرفات بھی کر لیا، اے اللہ! میں نے شیطانوں کو کنکریاں مار کے اپنی بیداری کا اعلان بھی کر لیا۔ اللہ اب قربانی کا وقت ہے یہ ارد گرد جتنے بھی لوگ کھڑے ہیں یہ صاحب

استطاعت ہیں یہ جائیں گے اور جانوروں کو قربان کریں گے اللہ تو جانتا ہے
میں فقیر ہوں میرے جسم پہ میرے کپڑوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اے اللہ! میں
اس موقع پر میں اپنی جان کا نذرانہ آپ کے سپرد کرنا چاہتا ہوں اللہ یہ نذرانہ
قبول کر لیجیے۔ یہ کہہ کر اس نوجوان نے کلمہ پڑھا اور اپنی جان، جان آفرین
کے سپرد کر دی"

جن کو اللہ رب العزت سے سچی محبت ہوتی ہے وہ آتے ہیں تو ان جگہوں پر ان کی یہ کیفیات ہوتی ہیں۔ آج ہم تو جہازوں پہ سفر کر کے آئے بیٹھے ہیں۔

پلکوں کے بل......حرم کا سفر:

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ وقت کے بادشاہ تھے۔ اللہ نے ان کا دل کھول دیا۔ اللہ والوں کی صحبت میں گئے۔ دل کی دنیا بدل گئی۔ فرماتے ہیں: انہوں نے بلخ سے مکہ مکرمہ تک کا سفر اس طرح طے کیا کہ ایک قدم اٹھاتے اور دو رکعت نفل پڑھتے۔ پھر اگلا قدم اٹھاتے پھر دو رکعت نفل پڑھتے۔ اپنے گھر سے بیت اللہ شریف آتے ہوئے اڑھائی سال لگ گئے اور یہاں آ کر جب انہوں نے طواف کیا تو مقام ابراہیم پہ نفل پڑھ کے یہ دعا مانگی:

"اے اللہ لوگ تو پیدل چل کے تیرے گھر کے طواف کے لیے آتے ہیں اور
میں تو پلکوں کے بل چل کے تیرے دیدار کے لیے حاضر ہوا ہوں۔"

اب سوچیے ذرا ان کے عمل کو۔ جس نے ہر ہر رکعت پر دو دو نفل پڑھے ہونگے واقعی وہ پلکوں کے بل چل کر اپنے محبوب کا گھر دیکھنے کے لیے آیا۔ ان کی کیفیات پھر کیسی ہونگی؟

آج ہمیں رات کا بچا ہوا کھانا صبح کے وقت کھانا پڑ جائے تو ہم تیوریاں بنا لیتے ہیں۔ بچے ہوئے کھانے شاپر (لفافے) میں بند کر کے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پہ ڈال

دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں نخروں کا کیا کہنا! پانی ملتا ہے تو ہم کہتے ہیں ٹھنڈا پانی نہیں ہے۔ پانی ملتا ہے تو کہتے ہیں نہیں جی مشروب نہیں ہے اور توقع کرتے ہیں کہ اللہ والوں کی جو کیفیات ہوتی تھیں یہاں آ کر وہ ہماری بھی ہونی چاہییں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بھی یہاں آ کر محبت کے ساتھ اعمال کریں۔

تجلیات کا طواف کون کرتے ہیں؟

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں طواف کر رہا تھا میں نے ایک نوجوان لڑکی کو دیکھا کہ بہت ہی عاشقانہ اشعار پڑھ رہی ہے اور وہ بھی جہراً پڑھ رہی ہے تو مجھے برا لگا کہ نوجوان بچی کو تو ایسے عاشقانہ اشعار نہیں پڑھنے چاہییں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو منع کیا کہ اے بچی! نوجوان العمر نظر آتی ہے تیرا اس طرح اشعار پڑھنا گرم گرم جذبے والے جو اشعار ہوتے ہیں وہ تو مناسب نظر نہیں آتا۔ وہ میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی: حسن مجھے اتنا بتا دے آپ اس بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں یا رب البیت کی تجلیات کا طواف کر رہے ہیں؟ جب اس نے یہ پوچھا تو میں نے اس کو جواب دیا کہ اے بچی میں تو اسی بیت کا طواف کر رہا ہوں۔ جب میں نے یہ کہا تو وہ مسکرا کر کہنے لگی: کہ اچھا جن کے دل پتھر ہوتے ہیں وہ پتھر کے گھر کا طواف کرتے ہیں اور جن کے دل زندہ ہوتے ہیں وہ تو ان تجلیات کا طواف کر رہے ہوتے ہیں۔

کاش! اللہ تعالیٰ ہمیں بھی وہ جذبہ عطا فرما دیں اور ہم بھی یہاں سے جانے سے پہلے کچھ اللہ سے مان کے جائیں اور کچھ منوا کے جائیں۔

منظر کعبہ نگاہوں میں بسا لوں تو چلوں:

دو دن رہ گئے، آج بھی کچھ دوست کہہ رہے تھے کہ جی اب تو بس جانے کا وقت قریب آ گیا تو جب انہوں نے کہہ دیا جانے کا وقت قریب آ گیا تو میں اپنے تصور میں

سوچ رہا تھا:

عشق کو حسن کے انداز سکھالوں تو چلوں
منظر کعبہ نگاہوں میں بسالوں تو چلوں
درکعبہ سے پھراک بار لپٹ کر رولوں تو چلوں
اور کچھ اشک ندامت کے بہالوں تو چلوں

اللہ رب العزت ہمیں بقیہ وقت کے اندر جی بھر عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ مغفرت کے ساتھ، عافیت کے ساتھ اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ یہاں سے واپس لوٹائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○

عظمتِ صحابہؓ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ○ (ال عمران:۱۹)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ○وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ○وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

احسان عظیم:

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (ال عمران:۱۹)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دینِ اسلام ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں لیکن ان کا احسان نہیں جتلایا۔ انسان کو جسم دیا، بینائی دی، سماعت دی، گویائی دی مگر احسان نہیں جتلایا کہ میں نے تمہیں یہ نعمتیں عطا کیں۔ کھانے پینے کے لیے زمین میں رزق رکھ دیا مگر احسان نہیں جتلایا کہ بندے میں نے تمہارے لیے یہ کیا۔ مگر ایک نعمت

ایسی ہے کہ اس کو عطا کر کے اللہ نے احسان جتلایا۔ وہ نبی علیہ السلام کا دنیا میں تشریف لانا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا﴾ (ال عمران:۱۶۴)

''تحقیق اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ ان میں اپنے رسول کو بھیجا''

تو نبی علیہ السلام کا دنیا میں تشریف لانا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ پہلے بھی انبیا آئے مگر آپ سرتاج الانبیا بن کر تشریف لائے۔ آپ خاتم الانبیا بن کر دنیا میں تشریف لائے۔ آپ امام الانبیا بن کر تشریف لائے۔ فرق کیا ہے؟ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے انبیاء آئے پہلے اور تذکرے بعد میں ہوئے۔ سمجھنے والی بات ہے۔ حضور ﷺ آئے بعد میں اور تذکرے پہلے ہوئے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بھی خوشخبری مل گئی۔ سیدنا عیسی علیہ السلام کو خوشخبری ملی۔

﴿بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ﴾ (الصف:۶)

''میرے بعد ایک رسول آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا''

وہ شان والے پیغمبر جن کو اللہ رب العزت نے اپنا محبوب کہا۔ حدیث پاک میں آتا ہے: نبی علیہ السلام کا حسن و جمال ایسا تھا کہ جو بھی ایک نظر ان کے چہرہ انور پر ڈال لیتا تھا، وہ اپنے دل کا سودا کر لیتا تھا۔ کچھ ایسے تھے کہ جن کے دلوں پر پردے ڈال دیے گئے۔ وہ قریبی لوگوں میں سے تھے۔

عزت وعظمت کا دارومدار ایمان پر ہے:

یاد رکھیں! بندے کی قدر اللہ رب العزت کے ہاں ایمان کی وجہ سے ہوتی ہے۔ رنگ کی وجہ سے نسل رشتہ داری کی وجہ سے اللہ کے ہاں قدر نہیں ہوتی۔ ہاں۔ ایمان لائے، رنگ کا کالا ہے، ہونٹ موٹے ہیں، زبان سے س، ش کا حرف بھی صحیح ادا نہیں ہوتا مگر اللہ

رب العزت کے ہاں اتنا بڑا درجہ ہے کہ وہ فرق پر چلتے ہیں ان کے جوتوں کے چلنے کی آواز عرش پر پہنچتی ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ: نبی علیہ السلام جب جنت میں تشریف لے گئے تو کسی کے چلنے کی آواز آ رہی تھی پوچھا: جبرائیل علیہ السلام یہ آواز کیسی؟ جبرائیل علیہ السلام کہنے لگے: اے اللہ کے محبوب ﷺ! آپ کے غلام بلال رضی اللہ عنہ کے چلنے کی آواز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ مرتبہ ہے کہ زمین پر چلتے ہیں عرش پہ آواز سنائی دیتی ہے۔

ایمان کی وجہ سے انسان کی عزت وعظمت ہے۔ ایمان نہیں تو قریبی رشتہ داری بھی کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ حتی کہ وقت کے نبی علیہ السلام کا بیٹا ہو، وقت کے نبی علیہ السلام کا باپ ہو، وقت کے نبی علیہ السلام کا چچا ہو، ایسی رشتہ داری کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ مثال کے طور پر:

☆......حضرت نوح علیہ السلام وقت کے پیغمبر ہیں بیٹے کو سمجھاتے ہیں:

﴿یٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا وَلَا تَکُنْ مَّعَ الْکٰفِرِیْنَ﴾ (ہود:۴۲)

''اے بیٹے! ہمارے ساتھ چڑھ جاؤ اس کشتی پر ہمارے ساتھ رہو آ جاؤ کافروں کے ساتھ نہ رہنا''

وہ کہنے لگا:

﴿سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ﴾

''میں پہاڑ پہ چڑھ جاؤں گا پانی سے بچ جاؤں گا''

﴿قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ﴾

''فرمانے لگے: بیٹے آج تجھے اللہ کے حکم کے سوا کوئی چیز نہیں بچا سکے گی''

اگلی بات کر ہی رہے تھے:

﴿وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ﴾ (ہود:۴۳)

ایک لہر اٹھی اور وقت کے نبی علیہ السلام کے سامنے ان کا بیٹا پانی میں غرق ہو گیا۔ رشتہ داری کام نہ آئی۔

☆......آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد ہے مگر باپ ہونے ناتا کام نہ آیا۔

☆......ابولہب نبی علیہ السلام کا چچا مگر فرما دیا:

﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ ○ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ○ سَيَصْلَىٰ نَارًا﴾ (الھب:۱تا۳)

دیکھا! محبوب خدا ﷺ کے چچا ہیں سیصلی نارا اس کے بارے میں کہہ دیا۔

چچی وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ وہ بھی ساتھ

قریبی رشتہ داریاں ہیں مگر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے کام نہیں آرہے۔ ہاں! قریبی رشتہ داری ہو اور ایمان بھی تو یہ چیز ''نور علی نور'' ہو جاتی ہے۔

ترتیبِ خلافت......بقدرِ قرابت:

کلمہ پڑھ کر عباس بنتے ہیں اور عباس کا نام قیامت تک جمعوں کے خطبوں کے اندر لیا جاتا ہے، یہی بات ہے نا' جیسے محبوب کا نام بلند کیا ویسے ان کے اقربا کا نام بھی بلند کر دیا۔ خطبوں میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نام ہے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نام ہے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نام ہے، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔ کیوں؟ ان کے اندر ایمان بھی تھا اور رشتہ داریاں بھی تھیں نور علی نور۔ اور رشتہ داری جتنی قریبی تھی اسی حساب سے ان کی خلافت کی ترتیب ہے۔

دیکھیں۔ ایک آدمی کا سسر باپ کی مانند ہوتا ہے اور داماد بیٹے کی مانند ہوتا ہے رشتے میں سسر کا درجہ بڑا نسبتاً داماد کا درجہ چھوٹا ہوتا ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی علیہ السلام کا کیا رشتہ تھا؟ رشتے میں سسر تھے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رشتہ کیا تھا؟ وہ بھی سسر تھے، ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے پہلے قبول کرلیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ یہ دونوں داماد تھے۔ پہلے داماد بھی وہ جس کے ہاں دو بیٹیاں۔ جس کے ساتھ دو بیٹیوں کا نکاح ہوا اس کا رتبہ پہلے ہے۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((خیر القرون قرنی)) (مسند البزار، رقم: ۴۰۸)

اب یہ جو قرنی کا لفظ ہے اس کا ایک ایک حرف ہر خلیفہ کے نام کا آخری حرف ہے۔ صدیق کی ''ق'' عمر کی ''ر'' عثمان کا ''ن'' اور علی کی ''ی''۔ قرنی کا لفظ ہی بتا رہا ہے۔ اور ویسے بھی ان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نام تھا ابو بکر۔ جتنے بھی الفاظ ہوں جن مادہ ب ک ر نکلے ان کا ترجمہ ہوتا ہے اپنی جنس میں سب سے پہلے۔ مثلاً ''بکور'' موسم کا سب سے پہلے آنے والا پھل۔

بکر صبح کا وقت۔ باکرہ وہ کنواری لڑکی جو پہلی مرتبہ کسی مرد کا چہرہ دیکھ رہی ہو۔

بکور، بکرہ، باکرہ یہ الفاظ بھی بتا رہے ہیں کہ جب مادہ ب ک ر ہوتا ہے تو اپنی جنس میں سب سے آگے ہوتا ہے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی اپنی جنس میں سب سے آگے ہیں۔ ان کا نام بتا رہا ہے کہ یہ ایمان لانے والے سب سے آگے ہیں۔ اللہ رب العزت نے ان کو مقام عطا فرمایا۔ سبحان اللہ

انبیاء کے کمالات صحابہ رضوان اللہ علیہم میں:

کہتے ہیں کہ شاگرد اپنے استاد کے کمالات کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اور استاد اپنے شاگرد سے پہچانا جاتا ہے۔ شاگردوں کو دیکھو استاد کے کمالات سامنے آجائیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر نبی علیہ السلام نے بڑی محنت کی ان کا تزکیہ کیا اور ان کو ستھرا کیا سنوار ان کی تربیت فرمائی۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! دنیا میں کتنے انبیا گزرے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء گزرے۔ پھر پوچھا: اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! دنیا میں کتنے رسول گزرے؟ فرمایا: تین سو تیرہ

نبی ایک رتبہ ہے، اور رسول دوسرا رتبہ ہے۔ رسول وہ ہوتے ہیں جن کو اللہ رب العزت نے انبیا میں سے کچھ زیادہ نمایاں شان عطا فرمائی ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام میں تبدیلی لے کر آئے۔ یعنی ہر رسول جو دنیا میں آئے ان کو شریعت کے احکام میں تبدیلی ملی اور باقی انبیا صرف اسی شریعت کے اوپر دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہے۔

پھر اس نے پوچھا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ان میں سے صاحب کتاب کتنے تھے؟ فرمایا: چار! تورات، انجیل، زبور اور قرآن مجید یہی چار کتابیں تھیں جو نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار۔

اب دیکھیے صحابہ کرامؓ میں سے خلفائے راشدین کتنے؟ چار تھے۔ صحابہ کرامؓ میں سے صاحب بدر کتنے تھے؟ ۳۱۳ تھے، صحابہ کرامؓ کی اپنی تعداد کتنی تھی؟ ایک لاکھ چوبیس ہزار تو جتنے انبیا تھے اتنی ہی صحابہ کرامؓ کی تعداد تھی، کیونکہ نبی علیہ السلام تمام انبیا کے جامع کمالات تھے، تمام انبیاء کے کمالات اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دیے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے جانے سے پہلے ہر صحابیؓ کو کسی نہ کسی نبی کے کمالات کا وارث بنا دیا۔

اس لیے فرمایا:

((اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ)) (جامع الاصول، رقم:۶۳۶۹)

"میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے

ہدایت پا جاؤ گے''

محبوب ﷺ نے کیسی جماعت تیار کی کیسی؟ ان پر محنت فرمائی؟

کتب سماویہ میں صحابہؓ کی نشانیاں ہیں؟

یہ ایسے شاگرد تھے کہ ان کے تذکرے اللہ نے پہلی کتابوں میں فرما دیے۔

﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ﴾ (الفتح:۲۹)

''تورات اور انجیل میں اللہ تعالیٰ نے ان کی نشانیاں بتا دیں۔''

مثال کے طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب بیت المقدس جانا تھا تو جس کیفیت سے انداز سے وہاں پہنچنا تھا وہ اللہ نے پہلی کتاب میں بتا دی۔ اپنا غلام اور سواری ساتھ ہے۔ عدل دیکھیے سبحان اللہ۔ عادل مشہور ہونا تھا دنیا کو انصاف کر کے دکھانا تھا۔ اس غلام کے ساتھ باری طے کرتے ہیں کہ آپ اتنا پیدل چلنا میں سوار ہوں گا پھر اتنا ہی آپ سوار ہونا اور میں پیدل چلوں گا۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ جب آخری لمحہ تھا تو آپ کے پیدل چلنے کا وقت تھا۔ غلام کے سوار ہونے کا وقت تھا اور جسم پہ کپڑا پہنا ہوا تھا جس میں چمڑے کا بھی پیوند لگا ہوا تھا۔ بارہ تیرہ پیوند تھے، تو غلام نے کہا حضرت! آگے تو لوگ ہوں گے میں اپنی خوشی سے کہتا ہوں کہ آپ سوار ہو جائیے، میں پیدل چلتا ہوں۔ فرمایا: نہیں، میں انسان ہوں مجھے تھکاوٹ ہوتی ہے آپ بھی انسان آپ کو بھی تھکاوٹ ہوتی ہے۔

اور یہی نشانی کتاب کے اندر بھی تھی کہ غلام سوار ہوگا اور وقت کے حاکم بادشاہ خلیفہ سواری کی نکیل اور لگام پکڑ کر چل رہے ہونگے اور جسم پر کپڑے ہونگے ان میں چمڑے کا پیوند ہوگا یہودیوں نے دیکھا تو بیت المقدس کی چابیاں ان کے حوالے کر دیں۔

آج دیکھیے اگر ساری دنیا کے مسلمان جمع ہو جائیں کہ ہم بیت المقدس کی چابیاں لے جائیں تو یہ ان کے بس میں نہیں۔ ایک ہستی ایسی تھی معلوم ہوا اس ہستی کا پلڑا آج کے

سب مسلمانوں سے بھاری ہے۔ وہ بنے ہوئے لوگ تھے، سنورے ہوئے لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بنایا تھا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے ایمان کا معیار:

یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کو معیار بنا کر پیش فرمایا: چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (البقرة:۱۳۷)

''پس اگر یہ کافر لوگ اس طرح ایمان لائیں جس طرح کے تم ایمان لائے ہو تو یہ ہدایت پا جائیں گے۔''

کافروں کو ایک معیار بتا دیا۔ اے کفار! اگر تم ان کی مانند ایمان لاؤ گے تو تم ہدایت پا جاؤ گے۔ مانند کا کیا مطلب؟ ہمارے لیے یہ ایک معیار ہے، تو ان کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے معیار بنا کر پیش فرمایا۔ یہ بڑے عظیم لوگ تھے۔ سبحان اللہ!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کا امتحان:

اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان لیا، آزمایا۔ اب امتحان لینے والے ممتحن کون؟ اللہ رب العزت۔ اور امتحان دینے والے کون؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم۔ امتحان کے پرچے کا نام کیا تھا؟ تقوی۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى﴾ (الحجرات:۳)

''یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کا امتحان اللہ تعالیٰ نے لیا تقوی کے اوپر''

تقویٰ کا پیپر تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پیپر دینے والے اور علیم بذات الصدور پیپر لینے والے تھے۔ پیپر بھی کتنا ٹف اور مشکل تھا کہ اس کا نام تقویٰ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے نتیجہ بھی سنا دیا۔ فرما دیا:

﴿وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا﴾ (الفتح:۲۶)

اللہ تعالیٰ نے ان کوتقویٰ کی بات پر جمائے رکھااور وہ اس بات کے زیادہ مستحق تھے زیادہ اہل تھے یہ بات ان کو بجتی تھی کہ اس امتحان میں وہ کامیاب ہوتے۔فرمایا:

﴿وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ (الحجرات:۷)

''اللہ تعالیٰ نے ان کوکفر وفسق سے نفرت دے دی تھی اور ایمان پران کو جمادیا تھا'' ان کی کامیابی تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی جماعت تھی۔ایک نقطے کی بات ہے۔

شانِ صحابہ:

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کونبوت کا نام تو نہ دیا مگر مقام نبوت کا جودرجہ تھا وہ رتبہ اور درجہ اللہ تعالیٰ نے ان کوعطا کر دیا تھا ذرا سمجھنے والا نقطہ اور سمجھنے والی بات ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کواللہ تعالیٰ نے لفظ تو نہ دیا ان کو صحابہ ہی کہا مگر ان کوشان وہی عطافرمادی جوشان انبیا کی ہوتی ہے۔اب اس کی دلیل ہونی چاہیے۔

دیکھیں! وقت کے نبی علیہ السلام کی یہ شان ہوتی ہے کہ جب کوئی آدمی ان کی اتباع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوجاتے ہیں۔ پکی بات ہے۔اس اتباع کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس بندے سے راضی ہوجاتے ہیں اور اس سے محبت کرتے ہیں۔ نبی علیہ لسلام نے فرمایا:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (ال عمران:۳۱)

''فرمادیجیے تم میری اتباع کرونتیجہ کیا نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے''

اللہ تعالیٰ محبت فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ راضی ہوجاتے ہیں ان سے ان کونجات مل جاتی

ہے وہ کامیاب ہو جاتے ہیں۔

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ (الاحزاب:۷۱)

''جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کی وہ بہت بڑی کامیابی پا گیا''

ان کو کامیابی ملتی ہے ان کو جنت ملتی ہے۔

اچھا دیکھیے صحابہ کرامؓ کی اتباع کرنے والوں کو کیا ملا؟ سنیے اور دل کے کانوں سے سنیے قرآن عظیم الشان۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾

''مہاجرین اور انصار میں سے جو سبقت لے گئے وہی اول ہیں۔ اور جن لوگوں نے اچھے انداز سے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کی وہ لوگ قیامت تک آنے والے جتنے بھی ہیں۔''

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾

''اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔''

اب یہ شان کس کی تھی؟ انبیا کی شان تھی کہ اللہ ان کی اتباع سے راضی ہو جاتے ہیں تو وہی شان اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کے خدام کو عطا فرمائی کہ جو ان کی اتباع کرے گا۔

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (التوبۃ)

یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ ادھر نبی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ (الاحزاب:۷۱)

تو جو کامیابی کا وعدہ نبی علیہ السلام کی اتباع پر کیا جا رہا ہے۔ وہی وعدہ صحابہؓ کی اتباع پر کیا جا رہا ہے۔ دیکھا اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت کا منصب تو نہیں دیا مگر شان وہی دے دی۔ جس طرح انبیا کی اتباع پر اللہ راضی ہو جاتے ہیں اور کامیاب کر دیتے ہیں اسی طرح جس نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی اتباع کی اللہ تعالیٰ اس سے بھی راضی ہو گئے اور ان کو بھی اللہ نے کامیاب کر دیا۔

پہلی دلیل تو قرآن مجید سے تھی، اب ایک دلیل حدیث مبارکہ سے ہونی چاہیے، تاکہ قرآن اور حدیث دونوں کے مضامین یکجا ہو جائیں۔

دیکھیں! صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے ایمان کی نظر سے نبی علیہ السلام کی زیارت کی ان کی بڑی شان تھی۔ دیکھا تو بہت نے ابوجہل نے بھی دیکھا ابولہب نے بھی دیکھا۔ عتبہ نے بھی دیکھا شیبہ نے بھی دیکھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ﴾ (الاحزاب:۱۹۸)

"اے میرے محبوب ﷺ! آپ دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں مگر ان کو تو ہم نے بصیرت عطا نہیں کی"

آنکھیں کھلی ہیں، نگاہیں پڑ رہی ہیں لیکن دیکھ نہیں رہے۔

جس نے ایمان کی حالت میں ایک نظر نبی علیہ السلام کے چہرہ مبارک پر ڈال لی اب اس کو اللہ تعالیٰ نے صحابی رسول ﷺ کا رتبہ عطا فرما دیا۔ چاہے کوئی عمل کیا یا نہیں، چاہے ایک نماز بھی نہیں پڑھی۔ فقط ایمان کے ساتھ نبی علیہ السلام کے چہرے کو دیکھ لیا اس کو صحابی کا رتبہ مل گیا۔ محبوب ﷺ کے مبارک چہرے کی طرف دیکھنے کا اللہ کے ہاں کیا اجر تھا؟ جو ایک نظر سے دیکھ لیتا تھا اللہ تعالیٰ ان کو صحابی کا رتبہ عطا فرما دیتے اور جہنم سے بری

فرما دیتے تھے۔ یہ مشکوۃ شریف کی حدیث ہے، نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''لَا یَمَسُّ النَّارَ مَنْ رَاٰنِیْ''

''جس نے مجھے دیکھا اس کو جہنم کی آگ مس نہیں کر سکتی''

اور آگے فرمایا:

''جس نے اس کو ایک نظر دیکھ لیا اس نے مجھے دیکھ لیا''

اب جس نے ایمان کی ایک نظر نبی علیہ السلام پر ڈالی اس کو بری فرما دیا اور جس نے ایک نظر صحابی کے چہرے پر ڈال دی اسے بھی آگ سے بری فرما دیا۔ لہٰذا یہ ورثۃ الانبیا ہیں۔

صحابہ کرامؓ کا بغض رکھنے والے اللہ کی نظروں سے گر جاتے ہیں:

یہ اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے محبوب بندوں کی جماعت تھی اس لیے صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ جو بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کو نظروں سے گرا دیں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گر جاتے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے کیا ارشاد فرمایا؟

((وَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ)) (صحیح ابن حبان رقم:۷۲۵۶)

''جس نے ان سے محبت کی اس نے میری وجہ سے ان سے محبت کی، جس نے ان سے بغض رکھا اس کے دل میں میرا بغض ہے جس وجہ سے وہ ان سے بغض رکھتا ہے جس نے ان سے محبت کی نبی علیہ السلام کی وجہ سے کی۔''

جس نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے دشمنی کی یا ان سے بغض رکھا اس کی دلیل بھی سن لیجیے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھتے ہیں۔

جبرائیل علیہ السلام اللہ کے محبوب ﷺ کی طرف اللہ کا کلام لے کر آئے، اللہ نے

ان کو بڑی عزت دی، بڑی شان دی شرف دیا وہ قرآن پہچانے والے ہیں کیا فرماتے ہیں؟ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ذِیۡ قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ﴾ (التکویر:۱۹۔۲۱)

یہ بات ہے ایک کریم نمائندہ کی جبرائیل علیہ السلام کی جن کو ہم نے بھیجا ہے۔ یہ ان کی صفتیں گنوائیں کہ جس نے قرآن اللہ رب العزت سے لے کر اس کے محبوب ﷺ تک پہنچایا ان کی قرآن نے صفتیں بھی گنوائیں اور جو ان سے بغض رکھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ میرے دشمن ہیں اس کے دشمن نہیں۔ ہے کہیں قرآن پاک میں؟

﴿قُلۡ مَنۡ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِیۡلَ﴾

''جو کوئی جبرائیل علیہ السلام کا دشمن ہے''

آخر میں فرمایا:

﴿فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ﴾ (البقرۃ:۹۷،۹۸)

''ایسے کافروں کا تو اللہ بھی دشمن ہے''

لہٰذا جو کوئی جبرئیل علیہ السلام سے دشمنی رکھے اللہ تعالیٰ اس کو کافر بھی کہتے ہیں اور اس سے دشمنی رکھنے والی بات بات فرماتے ہیں۔

تو جبرئیل علیہ السلام نے قرآن مجید اللہ تعالیٰ سے لے کر کہاں تک پہنچایا؟ نبی علیہ السلام تک، اور نبی علیہ السلام کے صحابہ نے یہ قرآن ان سے لے کر امت تک پہنچایا۔ وہ بھی پہنچانے والے یہ بھی پہنچانے والے۔

دیکھو بھئی! جب نبی علیہ السلام تشریف لے گئے تو اس وقت قرآن کتابی شکل میں نہیں تھا۔ کیوں؟ کہ اس وقت وحی کا دروازہ کھلا تھا، ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کے پردہ

فرمانے سے چند عرصہ پہلے وحی آتی تو کتاب کیسے لکھی جاتی؟ آنے والی آیتیں پتہ نہیں کہاں ہوتیں۔ لکھوائی جاتیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ترتیب تھی۔

یہ ایک نقطے کی بات ہے توجہ سے سنیے۔ اگر آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں قرآن مجید کتابی شکل میں دے دیتے تو بھی کامل نہ ہوتا اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں کتابی شکل میں آتا تو بھی کامل نہ ہوتا۔ کیوں؟ نبی علیہ السلام کے زمانے میں قرآن کتابی شکل میں آ ہی نہیں سکتا تھا وحی کا دروازہ کھلا تھا معلوم نہیں کب، کونسی آیتیں اترتیں اور کس سورۃ کا حصہ بنتیں۔ لہٰذا محبوب دنیا سے تشریف لے گئے اب صحابہ کو سو فیصد یقین ہو گیا کہ وحی کی آخری آیتیں بھی اتر آئیں اب اس کو یکجا کیا گیا۔

لہٰذا یہ کام اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کے ان صحبت یافتہ صحابہؓ سے لیا کہ قرآن کی ترتیب کو ایک کر کے جمع کر دیا جائے۔ تو جامع قرآن کون بنے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ناشر قرآن کون بنے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ جامع القرآن بنتے تو درمیان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دور، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور اتنے سالوں کا وقفہ ہوتا تو کیا پھر وہ کتاب قابل اعتماد رہ جاتی۔ اعتراض ہوتا ناں کہ یہ کتاب کیسی؟ اتنے سال تو اس کا وجود ہی نہیں رہا اور اب آ کے ان کے زمانے میں یہ کتاب جمع ہو رہی ہے۔ معلوم ہوا اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو جمع کرتے پھر بھی اعتراض ہوتا۔ محبوب ﷺ کی اپنی مبارک زندگی میں یہ کتاب اس طرح کتابی شکل میں آتی تو پھر بھی لوگ اعتراض کرتے کہ وحی کا دروازہ ابھی کھلا ہے۔

لہٰذا اس کا جمع کرنا اللہ تعالیٰ نے کس کے مقدر میں لکھا تھا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقدر میں لکھا تھا۔ انہوں نے ہی اس کو جمع کرنا تھا اور انہوں نے اس کو جمع کر کے دکھا دیا۔

قرآن کو نشر بھی ایک صحابی نے کیا اور جمع بھی صحابہؓ نے کیا تو گویا قرآن انہوں نے نبی ﷺ سے لے کر امت تک پہنچایا۔ جو اللہ تعالیٰ سے قرآن لے اور نبی علیہ السلام تک پہنچائے اس کے ساتھ دشمنی رکھنے والے اور بغض رکھنے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا بغض قرآن مجید سے ثابت ہے اور جو نبی علیہ السلام سے قرآن لے کر امت کو پہنچائے ان کے ساتھ جو بغض رکھے؟؟؟ وہ بھی پہنچانے والے ہیں اور جبرائیل علیہ السلام بھی پہنچانے والے ہیں۔ سبحان اللہ!

ملائکہ کا سردار اور صحابہؓ کا سردار:

اچھا بتایئے نبی علیہ السلام کو معراج پر کون لے کر گئے؟ جبرائیل علیہ السلام لے گئے تو یہ ملائکہ کے سردار بن گئے۔ جو نبی علیہ السلام کو معراج پر لے کر گئے وہ ملائکہ کا سردار بنے اور جو نبی علیہ السلام کو مکہ سے مدینہ لے کر گئے وہ صحابہؓ کے سردار بنے۔ ان کو اللہ نے ملائکہ کا سردار اور ان کو صحابہ کا سردار بنایا۔ مگر دونوں میں ایک فرق ہے، فرق یہ ہے۔

جو نبی علیہ السلام کو معراج پر لے گئے ان کو راستے میں ایک جگہ رکنا پڑا اور کہنا پڑا اے اللہ کے محبوب ﷺ! میں اس سے آگے اگر ایک قدم بھی اٹھاؤں گا تو میرے پر جل جائیں گے۔ سلام ہو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تیری عظمت کو کہ تو نے جب رسول اکرم ﷺ کو مکہ سے مدینہ پہنچایا تو کہیں رکے نہیں منزل پر پہنچا کر بس کی۔

امانتیں پہنچانے کی ذمہ داری:

نبی علیہ السلام جب مکہ سے چلنے لگے تو آپ ﷺ کے پاس کچھ امانتیں تھیں۔ کیسے بے حیا لوگ تھے کہ ایک طرف اعتماد اتنا کہ امانتیں رکھواتے ہیں۔ عجیب مزے کی بات کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس اپنی امانتیں رکھواتے تھے۔ نبی علیہ السلام کے پاس اپنی امانتیں رکھواتے اعتماد اتنا تھا اور یہ بھی مصلے پر بیٹھ کر بات کر رہا ہوں کہ کفار بعض

اوقات جب سفر پر جاتے تو اپنی کنواری بیٹیوں کو صحابہ کرام کے گھر چھوڑ جاتے تاریخ میں آج تک کسی صحابی پر جھوٹا الزام بھی نہیں لگا۔ کیسی عجیب بات ہے؟ سبحان اللہ!

کیسے پاکیزہ لوگ تھے؟ کیسے سنورے ہوئے لوگ تھے؟ محبوب ﷺ نے ان کے دلوں کو دھو کر رکھ دیا تھا۔

﴿وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ (الحجرات:۷)

اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ شان عطا فرمائی کہ ان کے دل ایمان سے بھر دیئے گئے۔ اس لیے جو ان سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ کے محبوب سے یہ محبت رکھنے کی دلیل ہے اور جو ان سے بغض رکھے گا تو یہ اللہ تعالیٰ سے بغض کی دلیل ہے۔

تو نکتہ یہ سوچیے کہ اللہ کے محبوب ﷺ جب مکہ سے مدینہ جانے لگے تو آپ ﷺ کے پاس جو امانتیں تھیں وہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیں۔ فرمایا: اے علی! تم میرے بستر پر سو جاؤ۔ یہ جن جن کی امانتیں ہیں صبح ان کو ان کے حوالے کر دینا، کافروں کے حوالے کر دینا۔ یہ بھی عجیب مزے کی بات ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذمے لگایا کہ آپ یہ امانتیں صبح کے وقت ان کے حوالے کر دینا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو چنا کہ آپ میری امانت کو مکہ سے مدینہ پہنچا دینا۔ ان کو کافروں کی امانتیں پہنچانے کی ذمہ داری دے دی اور ان کو کونسی ذمہ داری دی؟ صدیق میری بھی ایک امانت ہے تم اس کو مکہ سے مدینہ پہنچا دینا۔ اور دیکھو کہ پہنچانے والے نے کیسا حق ادا کیا۔ کبھی دائیں، کبھی بائیں، کبھی آگے، کبھی پیچھے۔ حضور ﷺ پوچھتے ہیں ابوبکر! یہ تمہارا کیا معاملہ ہے؟ عرض کیا: اللہ کے محبوب ﷺ! میں آگے ہوتا ہوں ڈر ہوتا ہے کفار پیچھے سے حملہ نہ کر دیں، میں پیچھے آ جاتا ہوں۔ کبھی دائیں آ جاتا ہوں کبھی بائیں آ جاتا ہوں۔ سبحان اللہ! کیسے پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم دین کے ہر شعبے کے امام ہیں:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم وہ حضرات تھے جن کو اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کی صحبت کے لیے چن لیا تھا۔ انہوں نے آگے اس دین کو امت تک پہنچایا۔ وہ ہمارے ہر دین کے شعبے میں امام ہیں۔ چنانچہ نبی علیہ السلام سے آگے اب تک جتنے بھی علوم چلے وہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت سے چلے۔ فقہ کا علم چلا تو انہی صحابہ سے، حدیث کا علم چلا تو انہی سے، تفسیر کا علم چلا تو انہی سے، اور اگر احسان، سلوک، تصوف کا علم چلا تو وہ بھی انہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے۔ سلسلے جتنے بھی ہیں ان کی نسبتیں اوپر جاتے جاتے یا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتی ہیں یا پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے۔ چار سلسلے ہیں: چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ ان کی نسبت اوپر جاتے جاتے علی رضی اللہ عنہ سے ملتی ہے اور ہمارا سلسلہ عالیہ نقشبندیہ جو ہے اس کی لڑی اوپر جاتے جاتے کہاں ملتی ہے؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے۔

اسکی وجہ کیا ہے؟ نبی علیہ السلام کے پاس دو علوم تھے۔ ایک کو علوم نبوت کہا جاتا ہے اور دوسرے کو علوم ولایت کہا جاتا ہے۔ نبی علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے دو طرح کا تعلق ہوتا ہے۔ ایک جو منصب عطا کیا گیا نبوت کا اس کے ناطے، اس کے جو علوم ہیں وہ علوم نبوت کہلاتے ہیں اور ایک اللہ کا عاشق ہونے کی وجہ سے بندہ ہونے کے ناطے، ان کو اپنے پروردگار سے جو تعلق ہوتا ہے وہ علوم ولایت کہلاتا ہے۔ نبی علیہ السلام کے پاس یہ دونوں علوم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دونوں علوم صحابہؓ نے سیکھے۔ علوم ولایت سب سے زیادہ کس نے پائے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اور علوم نبوت سب سے زیادہ کس نے پائے؟ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے۔ اس لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((مَا صَبَّ اللّٰهُ فِي صَدْرِيْ اِلَّا وَقَدْ صَبَبْتُهٗ فِي صَدْرِ اَبِيْ بَكْرٍ)) (النار المنیف جز ۱ص ۱۱۵)

''اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں جو کچھ ڈالا میں نے اسے ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا''

کمالاتِ نبوت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ملے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ دونوں حضرات کمالات نبوت میں آگے نکل گئے۔ اور کمالات ولایت کن کو زیادہ ملے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ہمارا جو سلسلہ ہے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اس کی نسبت اوپر جا کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ملتی ہے۔ اس لیے اس میں علوم نبوت زیادہ ہیں اتباع سنت زیادہ ہے۔

اتباع سنت کی اہمیت:

ہمارے سلسلے میں جس بندے نے ترقی حاصل کرنی ہو اس کو چاہیے کہ سنت کی زیادہ اتباع کرے ہر کام میں چھوٹا ہو یا بڑا۔ ہر ہر کام کو سنت کے مطابق کرتا چلا جائے اللہ تعالیٰ اس سلوک میں اس کو ترقی عطا فرما دیں گے۔

ہمارے اس سلسلے میں اتباع سنت بہت زیادہ ہے۔ ہمارے مجاہدے وہ نہیں ہیں جو پہلے دور میں لوگ کرتے تھے، کہ ٹھنڈا پانی نہیں پینا، راتوں کو جاگنا ہے، آپ مجاہدات والے واقعات پڑھتے ہیں۔ اگر دھوپ میں گھڑا پڑا ہے تو نفس کی خواہش کے مطابق میں کیوں اس کو اٹھا کر اندر رکھوں؟ تو دھوپ میں رہنے دیا۔ یہ ہمارے مجاہدے نہیں وہ بڑے لوگ تھے۔ ہم کمزور بندے ہیں اور اللہ کمزوروں اور ضعیفوں پر زیادہ مہربان ہیں۔

دیکھیں! ظاہر میں ہم جو سفر کرتے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ نے آسانیاں کر دی ہیں یا نہیں کر دیں؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اونٹوں پر اور گھوڑوں پر سفر کرتے تھے اور ہم کیسے سفر کرتے ہیں؟ پس جو پروردگار اتنا کریم ہو جو ظاہری سفر میں آسانیاں کر دے وہ باطن کے سفر میں کتنی آسانیاں فرما دے گا۔

لہٰذا آج کے دور میں جو نیک نیت ہو کر اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے دین کے

راستے میں قدم اٹھائے گا اللہ رب العزت اس کی طلب کو قبول فرمائیں گے۔ تھوڑی محبت سے زیادہ ملتا ہے۔ میاں جس دور میں کوئی چیز کم ہو تو اس کے ریٹ بڑھا دیتے ہیں۔ یہ آج فصل کم ہے گندم کم ہے تو یہ مہنگی ہو جاتی ہے۔ آج کے دور میں نیک اعمال کم ہیں۔ اتباع سنت کم ہے تو پروردگار نے ریٹ بڑھا دیے ہیں۔ گندم کم ہو تو کہتے ہیں ناں کہ جہاں سے ملتی ہے خرید کر لاؤ۔ سبحان اللہ!

اللہ تعالیٰ بھی فرشتوں کو یہی کہتے ہونگے میرے محبوب ﷺ کی سنت کی اتباع کرنے والے تھوڑے ہو گئے ہیں یہ جہاں بھی تمہیں ملتے ہیں لے کے آؤ۔

اس لیے اپنی زندگیوں کو سنت کے مطابق ڈھال لیجیے اور اللہ رب العزت کے ہاں مرتبہ پا لیجیے۔ زندگی یہی ہے معلوم نہیں یہ مہلت کب تک ہے؟ اس نعمت سے فائدہ اٹھا لیجیے اور اپنے رب کو منا لیجیے۔ نبی علیہ السلام کی ایک ایک سنت سے اپنے آپ کو مزین کر لیجیے۔ اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائے اور اللہ رب العزت ہمیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے۔ ہم اس قابل تو نہیں ہیں مگر عجیب بات کہ اس کے ہاں قابلیت چلتی بھی نہیں۔ اس کے ہاں قبولیت ہے۔ جس پہ نگاہ ناز پڑ جائے۔

جسے چاہا در پہ بلا لیا، جسے چاہا اپنا بنا لیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے، یہ بڑے نصیب کی بات ہے

وہ جس کو چاہتے ہیں در پہ بلا لیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں اپنا بنا لیتے ہیں یہ اس مالک الملک کی اپنی مرضی ہے۔

﴿وَمَا تَشَاؤُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَالَمْ يَشَاْ لَمْ يَكُنْ﴾

وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔ اس لیے ہم عاجز مسکین بندے ہیں اپنے آپ کو رب کے حوالے کریں اور دعائیں مانگیں پروردگار ہم عاجز مسکین بندے ہیں ہم اس

راستے میں قدم اٹھا رہے ہیں تو مہربانی فرما اور ہمارے اس ظاہر کو حقیقت میں تبدیل فرما۔

ترے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کر آیا ہوں

﴿وَمَاذَٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ﴾ (فاطر:١٧)

یہ کام اللہ تعالیٰ پر کوئی مشکل نہیں ہے۔ اس لیے اس ماحول میں رہتے ہوئے جہاں آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف اندھیرا ہے۔ گناہوں کا اندھیرا ہے۔ یہاں پر رہتے ہوئے دین کو اپنا غم بنا لیجیے۔ اپنے آپ کو اپنے اہل خانہ کو اپنے بچوں کو سب کو دین کی طرف متوجہ کیجیے۔

اگر یہ نیت رکھیں گے تو پھر ان علاقوں میں رہنے کی اجازت ہوگی ورنہ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے:

أَرْضِیْ وَاسِعَةً

میری زمین وسیع تھی تم نے کیوں اولادوں کو ان کے حوالے کیا؟ رزق کا معاملہ تھا تم چلے جاتے مسلمان ملک تھوڑے ہیں۔ وہاں رزق کماتے ایمان سلامت ہو جاتا۔ تم نے جو اتنا بڑا رسک لیا اولاد کے ایمان کے بارے میں، تو یہ ترلق میں کھانے کے لیے، ناں ناں۔ ترلق میں کھانے کی نیت ہوگی تو پکڑے جائیں گے۔ فقط ایک نیت ہو کہ ہم نے یہاں رہنا ہے، دین پر عمل کرنا ہے اور دین کی محنت کو اپنی زندگی کا مقصد بنانا ہے۔ جب یہ نیت کرلیں گے اب عمل بھی ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن بھی مل جائے گا۔ اس لیے بیٹھتے اٹھتے، چلتے پھرتے ہمارا ہر ہر عمل تبلیغ ہو۔ یہ کفار جو ہیں یہ دیکھتے رہتے ہیں۔ زبان سے کہیں نہ کہیں۔ یہ ہمارے اعمال خاموش تبلیغ ہیں۔

ہمارا کردار، ہمارا ان کے ساتھ برتاؤ، ہمارا اٹھنا سب کچھ مسلم ہے۔ ایسے بن جائیں

کہ جب موت کا وقت آئے اور فرشتے دماغ ٹٹولیں تو علم نبوی سے بھرا پائیں اور جب دل کو ٹٹولیں تو محبت نبوی سے بھرا پائیں اور جب ہمارے اعضاء کو ٹٹولیں تو سنت نبوی سے مزین پائیں۔ایسے بن جایئے۔

جدھر سے گزر جائیں لوگوں کو یاد آ جائے کہ مسلمانوں کے پیغمبر علیہ السلام ایسے ہوا کرتے تھے۔سراپا عطا۔چال، ڈھال، رفتار، کردار ہر ہر عمل ایسا ہو، جدھر سے گزر جائیں کافروں کو مسلمانوں کے پیغمبر علیہ السلام یاد آ جائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم عاجز مسکینوں کے ایمان کی حفاظت فرمائے۔سچی بات ہے بڑا غم ہے بڑا غم ہے کڑا ہن ہے بس ہم پروردگار سے یہی دعا مانگیں اے اللہ! ہمارے ایمانوں کی حفاظت فرما۔اور ہماری جتنی بھی آئندہ نسلیں ہیں ان سب کے ایمانوں کی حفاظت فرما۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○

مناجات

اک نشہ سا ہے جو چھائے ہے تیرے نام کے ساتھ
اک تسلی سی بھی آئے ہے تیرے نام کے ساتھ

عنبر و عودلٹائے ہے تیری یاد جمیل
ایک خوشبو سی بھی آئے ہے تیرے نام کے ساتھ

گویا کونین کی دولت کو سمیٹا اس نے
دل کی دنیا جو بسائے ہے تیرے نام کے ساتھ

ہے تیرا ذکر حلاوت میں کچھ ایسا کہ زبان
ایک نیا ذائقہ پائے ہے تیرے نام کے ساتھ

دل تڑپتا ہے سنے جب بھی تیرا نام کہیں
آنکھ بھی اشک بہائے ہے تیرے نام کے ساتھ

خوب کیا عشق الٰہی کا اثر ہوتا ہے
روح بھی وجد میں آئے ہے تیرے نام کے ساتھ

حشر کیا ہوگا بھلا ان کا تیری دید کے دن
جن کا دل جوش میں آئے ہے تیرے نام کے ساتھ

خوب جی بھر کے جو کرتا ہے تیرا ذکر فقیر
دل کی ظلمت کو مٹائے ہے تیرے نام کے ساتھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ﴾
(ال عمران:۸۰)

عالمِ ربّانی کی پہچان

از افادات
حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

اقتباس

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ﴾

(ال عمران:۸۰)

''تم اللہ والے بن جاؤ، اس لیے کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور پڑھاتے ہو''

اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كُونُوا رَبَّانِيِّينَ﴾ (ال عمران:۸۰)

''بن جاؤ رب والے''

ہم اپنی زبان میں جن کو ''اللہ والے'' کہتے ہیں، ان کو عربی زبان میں ''رب والے'' کہتے ہیں۔ یہ امر کا صیغہ ہے۔ گویا حکمِ خدا ہے کہ تم اللہ والے بن جاؤ۔ تو ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ کیا یہ حکم عام مومنین کو ہوا ہے؟ نہیں بلکہ ساتھ ہی اس کی تفصیل بھی بتادی۔ فرمایا:

﴿بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ﴾ (ال عمران:۸۰)

''اس لیے کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور پڑھاتے ہو''

گویا یہ حکم خاص طور پر پڑھنے پڑھانے والوں کے لیے ہے۔ ان کو رب کریم کی طرف سے حکم ہے کہ تم اللہ والے بن جاؤ۔ اس لیے علم کی برکت تب ظاہر ہوتی ہے جب انسان اللہ والا بن جاتا ہے۔

عالم ربانی کی پہچان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ

(ال عمران:۸۰)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اللہ والے بننے کا حکم:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ﴾

(ال عمران:۸۰)

''تم اللہ والے بن جاؤ، اس لیے کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور پڑھاتے ہو''

اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ﴾ (ال عمران:۸۰)

”بن جاؤ رب والے“

ہم اپنی زبان میں جن کو ”اللہ والے“ کہتے ہیں، ان کو عربی زبان میں ”رب والے“ کہتے ہیں۔ یہ امر کا صیغہ ہے۔ گویا حکمِ خدا ہے کہ تم اللہ والے بن جاؤ۔ تو ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ کیا یہ حکم عام مومنین کو ہوا ہے؟ نہیں بلکہ ساتھ ہی اس کی تفصیل بھی بتا دی۔ فرمایا:

﴿ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَٰبَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ﴾ (ال عمران:۸۰)

”اس لیے کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور پڑھاتے ہو“

گویا یہ حکم خاص طور پر پڑھنے پڑھانے والوں کے لیے ہے۔ ان کو رب کریم کی طرف سے حکم ہے کہ تم اللہ والے بن جاؤ۔ اس لیے علم کی برکت تب ظاہر ہوتی ہے جب انسان اللہ والا بن جاتا ہے۔

گمراہ ہونے والے علما:

اس دنیا میں بہت لوگ آئے جنہوں نے ظاہری علم تو بڑا حاصل کیا، لیکن اللہ والے نہ بن سکے، گمراہ ہو گئے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں دو بھائی تھے۔ ان کا نام ابوالفضل اور فیضی تھا۔ ان کے پاس ظاہری علم بڑا تھا۔ ابوالفضل بڑا تھا اور فیضی چھوٹا تھا۔ ان میں ذہانت بہت تھی۔ فیضی جو بات ایک مرتبہ سنتا اسے وہ یاد ہو جاتی۔ چھاپ لگ جاتی تھی۔ اور ابوالفصل اگر دو دفعہ سن لیتا تو اسے بھی یاد ہو جاتی تھی۔ وہ دونوں بادشاہ کے بڑے مقرب تھے۔

اس زمانے میں شعرا بادشاہ کی منقبت لکھا کرتے تھے جس کے اندر بادشاہ کے بارے تعریفی اشعار ہوتے تھے۔ جو شاعر بھی اپنا کلام لے کر بادشاہ کے پاس آتا اور منقبت سناتا تو چھوٹا بھائی سن کر کھڑا ہو جاتا اور کہتا کہ یہ تو میرے اشعار ہیں۔ چونکہ اس

کو یاد ہو چکے ہوتے تھے اس لیے وہ سنا دیتا تھا۔ جب چھوٹا سنا دیتا تو دو دفعہ ہو جاتا۔ ایک دفعہ شاعر سناتا اور دوسری دفعہ چھوٹا بھائی سناتا۔ چنانچہ دو دفعہ سن کر ابوالفضل کھڑا ہو جاتا اور کہتا: جی ہاں! میں تصدیق کرتا ہوں کہ یہ میرے بھائی کا کلام ہے، میں بھی سنا سکتا ہوں۔ وہ بھی سنا دیتا اور دوسروں کے اشعار کا انعام بھی انہی کو مل جاتا۔ شعرا بے چارے پریشان ہوتے اور سوچتے کہ پتہ نہیں یہ کیا معاملہ ہے؟

انہوں نے فارسی زبان میں ایک تفسیر لکھی۔ وہ بے نقطہ تفسیر تھی۔ پوری تفسیر میں کوئی ایک لفظ ایسا نہیں جس میں نقطے والا حرف موجود ہو۔ نہ با، نہ تا، نہ ثا، نہ ن، نہ ق، نہ ذ، نہ ش۔ سوچیں کہ نقطے والے حروف کے علاوہ لکھنا کتنا مشکل کام ہے۔ اور پھر پورے قرآن پاک کی تفسیر...... مجھے وہ تفسیر ایک جگہ دیکھنے کا موقع ملا۔ اس تفسیر کا نام بھی انہوں نے ایسا رکھا جس میں نقطے والا کوئی حرف نہیں تھا۔ اس کا نام تھا ''سواطع الالہام'' تو علمی استعداد اور قابلیت اتنی تھی۔ جب اللہ والے نہ بن سکے تو بڑا غم ہوا۔ ضرورت طلبگار بن گئے۔ بادشاہ کے وفادار بن گئے۔ یہی کاروباری تھے جنہوں نے فتویٰ دیا کہ بادشاہ کو تعظیمی سجدہ کرنا جائز ہے۔ تو اس لیے عالم بننا ایک کام ہے اور اللہ والا بن جانا ایک الگ کام ہے۔ اس امت میں لاکھوں علماء ایسے گزرے ہیں جو عالم بھی بنے اور اللہ والے بھی بنے۔ بہت زیادہ تعداد میں محدثین، فقہاء ایسے تھے کہ ان کی زندگیوں کے حالات دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ رب العزت نے ان کو عزتوں سے بھی نوازا۔

اللہ والوں کی پہچان

اب دل میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ والوں کی پہچان کیا ہے؟ علامت کیا ہیں؟ صفات کیا ہیں؟ کہ وہ صفتیں ہم اپنے اندر بھی پیدا کریں۔ تو اس کی پانچ علامات بتائی گئیں:-

①......طمع کی بجائے زہد

سب سے پہلی علامت یہ بتائی گئی کہ اس میں طمع کی بجائے زہد ہوتا ہے۔ زہد کہتے ہیں لذات دنیا سے بالکل دور رہنا۔ دل میں ہوس نہ ہو۔ کچھ تو وہ ہیں جو جائز لذتیں ہیں۔ جیسے کھانے کی لذت ہے، پینے کی لذت ہے، اور اس سے متعلقہ جو دائرہ شریعت کے اندر ہوں۔ اور کئی مرتبہ یہ انسان کو دین سے دور کر دیتی ہیں۔ جو بھی ہو بس اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق ہو۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی سے پینے کے لیے پانی مانگا۔ دینے والے نے شربت پیش کیا۔ یہ ان کے نصیب میں تھا انہوں نے مانگا پانی ہے لیکن پی شربت رہے ہیں جو جائز لذتیں ہیں۔ جب دل میں ہوس آ جاتی ہے تو پھر بندہ شریعت کے حکموں کی پیروی نہیں کر پاتا۔

انسان کی سوچ کب بدلتی ہے؟

عالم لوگ سمجھتے ہیں کہ شادی کے بعد شیطانی خیال نہیں آئیں گے۔ حالاں کہ شاید غیر شادی شدہ لوگوں کو اتنے نہ آتے ہوں جتنے شادی شدہ لوگوں کو آتے ہیں تو اس کا تعلق دل کی کیفیت سے ہے۔ جب تک دل نہیں بدلے گا اس وقت تک انسان کی سوچ نہیں بدل سکتی۔

ایک نمبردار کے دل کا روگ:

ایک حاجی صاحب تھے۔ وہ ایک مرتبہ تشریف لائے۔ وہ اپنے علاقے کے بڑے معزز بزرگ تھے، ان کی بہت ساری زمین ہے علاقے کے نمبردار ہیں۔ اللہ نے ان کو عزتوں سے نوازا، کوئی بات کہہ دیں تو علاقے کے لوگ ان کی بات کو مانتے ہیں۔ ان کی نیکی علاقے میں مسلم ہے۔ عمر کہیں 80 سال سے اوپر ہوگی۔ وہ ایک مرتبہ یہاں ملنے کے

لیے تشریف لائے اور آ کر انہوں نے رونا شروع کر دیا۔ خیر ہم نے ان کو دلاسا دیا، حوصلہ دیا کہ نہ روئیں۔ اگر کوئی پریشانی ہے تو دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پریشانی کو دور کر دے۔ ان کو سنبھلنے میں کافی دیر لگی۔ پھر کہنے لگے کہ حضرت! ظاہری زندگی تو شریعت کے مطابق ہے، علاقے میں لوگ مثالیں دیتے ہیں، نیک سمجھتے ہیں اور میں نیکی کی کوشش بھی کرتا ہوں۔ مگر آپ کے پاس اسی لیے آیا ہوں کہ میری نگاہ پاک نہیں۔ دل قابو میں نہیں، میری عمر 80 سال ہے اور میرے اندر یہ قوت بھی نہیں ہے کہ میں کسی کے ساتھ بدکاری کر سکوں۔ اس عمر میں آ کے میرے اندر تو قوت بھی ختم ہوگئی لیکن میرے خیال پاکیزہ نہیں۔ میری سوچ پاکیزہ نہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ میں تو سیدھا جہنم میں جاؤں گا۔ اب بتائیں 80 سال کی عمر ہے اور بھرپور شادی کی زندگی گزاری۔ اب اس فعل کی صلاحیت بھی نہیں ہے۔ یہ نہیں ہے کہ کوئی شہوت غالب ہے تو اس کو ختم کروں۔ نہیں وہ ہے ہی نہیں۔ تو سوچ کو جب تک پاک نہ کیا جائے تب تک یہ بندے کی جان نہیں چھوڑتی۔ یہی تو مصیبت ہے۔ اگر آخری وقت میں بھی یہ سوچیں غالب آ گئیں تو کیا بنے گا؟ اس بیماری کو کوئی چھوٹی بیماری نہیں سمجھنا چاہیے کہ کوئی بات نہیں گزارہ ہو رہا ہے، دل پاکیزہ ہونا ضروری ہے جب تک دل نا ریبا حرکتوں سے باز نہیں آئے گا تو انسان علم کی حلاوت نہیں پا سکے گا۔ طبیعت کے اندر زہد ہو، اس کو کہتے ہیں ترکِ لذات دنیا۔ کیا مطلب ترک دنیا کا؟ یعنی اگر کوئی کام بندہ دکھاوے کے لیے کرتا ہے تو بالکل نہ کرے صرف اللہ کے لیے کرے۔

تصنع سے پاک زندگی:

ہمارے حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ ہر سال دارالعلوم دیوبند جاتے تھے اور پندرہ دن وہاں قیام فرماتے تھے۔ مشکوۃ شریف اور دورۂ حدیث کے طلباء حضرت کی

صحبت میں روزانہ عصر کے بعد بیٹھتے تھے۔

ایک مرتبہ وہ اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جا رہے تھے، ریل کا سفر تھا اور ٹرین کا سفر کرنے والوں کو پتہ ہوتا ہے کہ مٹی ہوتی ہے اور سفر کے بعد بندے کا برا حال ہوتا ہے۔ تو یہ حضرات اس حالت میں بیٹھے ہیں اور اساتذہ نے ملاقات کے لیے آنا تھا۔ حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہہ دیا کہ حضرت! اساتذہ ملنے کے لیے آئیں گے تو آپ کپڑے بدل لیں۔ فرمایا تم مجھے تصنع سکھاتے ہو۔

اسی طرح میلے کپڑے مٹی والے۔ سارے اساتذہ آئے مجلس ہوئی جب سب مل کر چلے گئے تو فرمانے لگے: اچھا آؤ تمہاری بات بھی مان لوں۔ اب کپڑے بدل لیے۔ تو بعد میں انہوں نے مسئلہ سمجھایا کہ اگر آپ اس وقت مجھے کہتے کہ حضرت! مٹی ہے کپڑے میلے ہوگئے آپ ذرا نہا بھی لیں، صاف ستھرے کپڑے پہن لیں تو میں آپ کی بات مان لیتا کہ شریعت صفائی اور پاکیزگی، نزاکت کو پسند کرتی ہے۔ آپ کہہ رہے تھے تو میں کپڑے اسی وقت بدل لیتا لیکن آپ نے مجھے کہا کہ اساتذہ نے آنا ہے لہٰذا کپڑے بدل لیں۔

اب آپ سوچیے کہ کتنی باریک نظر سے سوچا کہ ہم نے اتنا سا کام بھی غیر اللہ کے لیے نہیں کرنا، کرنا ہے تو اللہ کے لیے۔ پھر بندے کی طبیعت ایسی بن جاتی ہے۔ اس لیے جو بھی دنیا کے معاملات ہیں بس اللہ کے لیے ہوں۔

اللہ والوں کا مقصد:

اچھا اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو بندہ دل کی لذتوں کو ترک کردے اس کو لذتیں ملتی نہیں، اللہ تعالیٰ شاید اس کو زیادہ لذتیں دیتے ہیں۔ مثلاً: دل میں تو حال یہ ہوگا کہ خشک روٹی کا ٹکڑا بھی مل گیا تو بندہ خوش ہو کر کھالے لیکن اللہ رب العزت دسترخوان پر بیسیوں کھانے لگوا دیتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے لیے جب دستر خوان بچھا دیا تو اس پر چالیس سے بھی زیادہ کھانے رکھوائے۔ دل کی کیفیت تو یہ ہوتی ہے کہ ہمیں لذتیں نہیں چاہیں لیکن جو نصیب میں ہے وہ تو اللہ نے دینی ہیں۔

روزانہ نیا جوڑا پہننے والے بزرگ:

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بندہ آیا اور کہنے لگا: حضرت! میرے دل کی ایک تمنا ہے جو آپ پوری کر سکتے ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ بڑا عاجزی کے ساتھ، انکساری کے ساتھ بات کر رہا ہے۔ فرمانے لگے بتاؤ کیا تمنا ہے؟ وہ کہنے لگا: میں آپ کو روزانہ نیا جوڑا کپڑوں کا بنا کے دیا کروں گا۔ فرمایا: بہت اچھا روزانہ نیا جوڑا پہنتے، ہر اگلے دن پرانا جوڑا فقیر کو صدقہ کر دیتے اور نیا جوڑا پہن لیتے۔ اس کے بعد جتنے دن زندہ رہے اتنے دن نئے لباس روز پہنتے۔ تو اگر دل سے ہوس ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ معاملے کو بڑھا دیتے ہیں۔ ہوس دل میں نہ ہو۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا زہد:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے بانی تھے۔ جب نواب صاحب نے بہاولپور کے اندر مدرسہ بنوایا تو اس نے علماء سے مشورہ کیا کہ یہ مدرسہ (جامعہ) آباد کیسے ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو ایک عالم کے بارے میں بتائیں گے آپ اس عالم کو یہاں بلا لیجیے گا مدرسہ چل جائے گا۔ نواب صاحب نے کہا اچھا اس کو بلانا تو کوئی مشکل کام نہیں۔ جو وہ طلب کریں گے ہم دیں گے۔ جب جامعہ بن گیا تو نواب صاحب نے پوچھا: وہ عالم کون ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں ''دیوبند'' ایک جگہ ہے یہ وہاں پر ہیں۔ انہوں نے علماء کی ایک جماعت

بلائی اور پھر پوچھا: ان کی وہاں پر تنخواہ کتنی ہوگی؟ انہوں نے فرمایا: دو روپے۔ اس زمانے میں تنخواہیں ایسی ہوتی تھیں۔ دو روپے اللہ کی شان ...... اس عاجز کو یاد ہے کہ جب یہ یونیورسٹی پڑھ کر انجینئر بنا تو اس وقت ایس ڈی او کی تنخواہ ڈیڑھ سو روپے ہوتی تھی اور ہمارا مہینے کا خرچہ تیس روپے ہوتا تھا ماشاء اللہ۔ برکت اتنی ہوتی تھی......

اس وقت دو روپے ان کی تنخواہ تھی۔ نواب صاحب نے کہا کہ آپ وہاں جائیں اور انہیں کہیں کہ وہ وہاں جا کر اپنا کام سنبھالیں۔ ہم ایک لاکھ روپیہ آپ کو مہینے کی تنخواہ دیں گے۔ اب ذرا سوچیے کہ جس وقت دو روپے مہینے کی تنخواہ ہو اس وقت میں لاکھ روپیہ مل رہا ہے، اور اس نے خود کہا کہ ہم آپ کو ایک لائبریری بنا کے دیں گے۔ پوری دنیا میں جہاں سے کتاب کہیں گے لا کر اس میں رکھیں گے مقصد یہ کہ ان کا علمی شوق بھی پورا کریں گے۔

چونکہ علماء کے اندر مطالعے کا شوق ہوتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ کتابیں ملتی رہیں اور ان کا شوق پورا ہوتا رہے۔ اس نے یہ دو باتیں ان سے کہیں۔ کہ ایک لاکھ روپیہ مہینے کی تنخواہ دیں گے اور من پسند کتابوں کی لائبریری دیں گے۔

تو حضرت کو فیصلہ کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ انہوں نے فرمایا: دیکھو بھئی دو روپے میری ماہانہ تنخواہ ہے جس میں سے میں ایک روپیہ اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہوں اور ایک روپیہ اللہ کے نام پر خرچ کرتا ہوں۔ وہ ایک روپیہ خرچ کرنے کے لیے مستحق لوگوں کو ڈھونڈنے میں میرا کافی وقت لگ جاتا ہے اور اگر ایک لاکھ روپیہ میری تنخواہ ہو تو میرا خرچہ رہے گا ایک ہی روپیہ۔ اور باقی پیسے غریبوں میں تقسیم کرنے کے لیے تو میرا سارا وقت لگ جائے گا۔ لہٰذا میں نواب صاحب کی یہ دعوت قبول نہیں کر سکتا۔

ان کے پاس جب بھی کوئی ہدیہ دینے کے لیے آتا تو اسے دیکھتے کہ یہ عاجزی سے دے رہا ہے یا احسان جتلا کر دے رہا ہے۔ کئی ایسے ہوتے ہیں جو احسان جتلاتے ہیں۔ تو

جو احسان جتلاتا اس سے ہدیہ نہیں لیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جو مجھے ذلیل سمجھ کر ہدیہ دے گا میں وہ نہیں لوں گا ہاں! سنت کی نیت سے اگر کوئی دے گا تو میں ضرور لوں گا۔

ایک مرتبہ ایک بندہ ان کے پاس ہدیہ لے کر آیا۔ اس وقت نوٹ تو نہیں ہوتے تھے۔ سکے ہوتے تھے وہ سکوں سے بھری ہوئی پوٹلی لے کر آیا۔ کہنے لگا: حضرت! قبول کرلیں، حضرت! قبول کرلیں۔ حضرت نے فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ وہ منت سماجت کرتا رہا، کرتا رہا۔ حضرت نے فرمایا نہیں۔ جب اس نے دیکھا کہ حضرت مانتے نہیں تو وہ جانے لگا۔ حضرت کے جوتے مسجد سے باہر پڑے ہوئے تھے جاتے جاتے اس کی نظر حضرت کے جوتوں پر پڑی۔ اس نے کہا لیتے تو ہیں نہیں جب جوتوں میں پڑے ہوں گے تو لینا پڑیں گے۔ اس نے وہ سکے آدھے ایک جوتے میں ڈال دیے اور آدھے دوسرے میں۔ جب حضرت نماز پڑھ کر جانے لگے جوتے اٹھائے تو بھاری بھاری۔ پہلے زمانے میں جوتے آگے سے بند ہوتے تھے۔ جب پاؤں اندر ڈالنے سے پہلے دیکھا تو ان جوتوں میں وہی پیسے۔ حضرت مسکرائے اور فرمایا: دیکھو پہلے سنتے تھے کہ جو شخص دنیا کو ٹھوکر لگاتا ہے دنیا اس کے قدموں میں آتی ہے اور آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا زہد:

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کو اس زمانے میں کسی نے ایک لاکھ روپیہ منی آرڈر بھیجا۔ حضرت نے اس کے خط سے محسوس کیا کہ یہ احسان چڑھا کے دے رہا ہے۔

حضرت نے وہ منی آرڈر واپس بھیج دیا۔ جب اس کو منی آرڈر واپس ملا تو وہ بڑا پریشان ہوا۔ اس کو توقع ہی نہیں تھی۔ اس نے حضرت کو شکوے بھرا خط لکھا کہ حضرت! میں نے آپ کو اتنے پیسے بھیجے اور آپ نے قبول ہی نہیں کیے۔ اور نیچے یہ لکھا کہ حضرت! آپ کو کوئی ایسا مرید نہیں ملے گا جو آپ کو ایسا ہدیہ پیش کرے۔ جب اس نے یہ لکھا کہ آپ کو

ایسا مرید نہیں ملے گا جو آپ کو اتنا ہدیہ پیش کرے تو حضرت نے اسی کے نیچے ایک چھوٹا سا فقرہ لکھا کہ آپ کو کوئی ایسا پیر بھی نہیں ملے گا جو ایک لاکھ کو ٹھوکر لگا دے۔

ہمارے اکابر کے دلوں میں دنیا کی حرص نہیں ہوتی تھی جس کی وجہ سے ان کے اعمال قبول ہوتے تھے۔

۲......عداوت کی بجائے ہمدردی

دوسری علامت یہ ہے کہ عداوت کی بجائے ہمدری ہو۔ طبیعت کے اندر عدوات نہ ہو بلکہ ہمدری ہو۔ مومن کو کسی کے ساتھ عداوت نہیں ہوتی۔ ان کی محبت بھی اللہ کے لیے اوران کے دل کی ناراضگی بھی اللہ کے لیے:

"اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ لِلّٰه"

لہٰذا ایمان والوں کو دوسروں سے بُغض نہیں ہوتا۔ ان کے دل میں ہر ایک کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے۔ حتی کہ اگر کوئی حسد کرتا ہے، دشمنی کرتا ہے تو اس کے ساتھ بھی ان کو دشمنی نہیں ہوتی۔

اصلاح کے پہلو کی تلاش:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں کچھ لوگ عقیدے میں ڈھیلے تھے اور وہ ان کے مخالف تھے۔ ان کے بارے میں بہت عجیب وغریب کہتے اور لکھتے تھے۔ حضرت کو کسی نے بتایا تو اس زمانے میں حضرت کی بینائی چلی گئی تھی۔ جیسے عمر کے آخری حصے میں جا کر موتیا بند آ جاتا ہے۔ حضرت نے وہ سارے کاغذات منگوائے اور ایک شاگرد سے کہا کہ یہ مجھے پڑھ کے سناؤ۔ اس نے کہا: حضرت! اس میں جو عبارت لکھی ہے وہ مجھ سے نہیں پڑھی جاتی۔ حضرت نے فرمایا: کوئی بات نہیں جو کچھ لکھا ہے پڑھو۔ حضرت

نے زبردستی وہ اس سے پڑھوائی۔ اس نے پوچھا: حضرت! یہ کیوں پڑھوار ہے ہیں؟ حضرت نے فرمایا میں اس لیے اس کو پڑھوار ہا ہوں کہ ممکن ہے اس میں کوئی ایسی بات لکھی ہو جس سے مجھے اصلاح کا موقع (نکتہ) مل جائے۔ ایسے دشمنوں سے بھی دشمنی نہیں، ہمدردی تھی۔ تو عداوت کی بجائے دل میں ہمدردی ہر ایک کے ساتھ ہو۔

ہمدردی ہو تو ایسی:

ایک مرتبہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کہیں تشریف لے گئے اس علاقے میں بدعتی بہت تھے۔ اور حضرت جب کہیں ایسی جگہ تشریف لے جاتے تو خوب حلقہ لگاتے اور اصلاح فرماتے۔ کچھ مخالفین بھی آ گئے جب حضرت اسٹیج پہ آئے تو انہوں نے ایک چٹ پیش کی اور چٹ میں تین باتیں لکھیں:

پہلی بات: ''آپ کافر ہیں۔''

دوسری بات: ''یہ کہ آپ زنا کی اولاد ہیں، ولد الزنا ہیں۔''

تیسری بات: ''ذرا سنبھل کے بات کرنا''

تو حضرت نے وہ چٹ لی اور مجمع کے سامنے پڑھ کر سنائی کہ دیکھو بھئی! یہ کسی نے چٹ بھیجی ہے اور اس میں لکھا ہے کہ تم کافر ہو۔ پھر کلمہ پڑھا اور کہا دیکھو بھئی میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو رہا ہوں۔ پورے مجمع کے سامنے کلمہ پڑھا اور کہا: اچھا اب تو میں مسلمان ہو گیا؟

دوسری بات لکھی ہے کہ تم زنا کی اولاد ہو۔ تو بھئی میرے والدین کا نکاح ہوا اور اس نکاح کے گواہ ابھی تک موجود ہیں۔ اگر کسی بندے کو ضرورت ہو تو میں اس کا پتہ بتا دیتا ہوں وہ جا کر اس سے پوچھ لے کہ نکاح تھا یا زنا تھا۔

اور تیسری بات لکھی ہے کہ تم ذرا سنبھل کے بات کرنا۔ فرمانے لگے کہ میں چندہ جمع کرنے تو آیا نہیں۔ میں نے تو اللہ کے لیے بات کرنی ہے لہٰذا میں شریعت کے مطابق

بات کروں گا۔ چنانچہ پورا وعظ رد بدعت کے موضوع پر فرمایا۔ اہل اللہ کی یہ شان ہوتی ہے۔ اللہ اکبر!

طبیعت میں عداوت کی بجائے ہمدردی ہو۔ یہ ذہن میں رکھیں کہ علم کے ساتھ ہمدردی سجتی ہے۔ ساری مخلوق کے ساتھ ہمدردی ہو۔

جو عاصی کو کملی میں اپنی چھپالے
جو دشمن کو بھی زخم کھا کر دعا دے
اسے اور کیا نام دے گا زمانہ؟
وہ رحمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے؟

تو رحمۃ للعالمین ﷺ کی نیابت اور وراثت پانے کے لیے دل میں یہ رحمت پیدا کرنی ہوتی ہے۔ ہر ایک کے ساتھ ہمیں ہمدردی ہو۔ اپنوں سے تو لوگ کرتے ہی ہیں غیروں سے بھی بھلائی کریں۔

③......تکبر کے بجائے تواضع

تیسری علامت یہ ہے کہ طبیعت کے اندر تکبر کی بجائے تواضع ہو حدیث پاک میں ہے:

"مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ"

"جس نے اللہ کے لیے تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرما دیتے ہیں"

عزتوں سے نواز دیتے ہیں۔ جس شاخ پر جتنا پھل لگا ہوتا ہے وہ شاخ اتنی ہی جھکی ہوئی ہوتی ہے۔

خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع:

حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ ہندوستان کا سفر کر رہا تھا تو راستے میں مجھے ایک جنگلی بیری ملی۔ جنگلی بیری کا درخت نہیں ہوتا شاخ نہیں ہوتی بلکہ زمین کے اوپر پھیلی ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا وہ پھلوں سے لدی ہوئی ہے۔ مجھے بھوک بڑی لگی ہوئی تھی۔ میں وہیں کھڑا ہو گیا اور بیر چن چن کے کھانے لگا۔ بیر کھاتے ہوئے مجھے ایک خیال آیا اور میں نے اللہ سے دعا مانگی۔ اے اللہ! یہ ایک چھوٹی سی بیری ہے اس پہ تو نے اتنا پھل لگا دیا، میں بھی تیرا چھوٹا سا بندہ ہوں مجھے بھی پھل لگا دے۔ فرماتے ہیں کہ میں رو بھی رہا تھا اور دعا بھی کر رہا تھا۔ مجھ پہ اللہ کی ایسی رحمت ہوئی کہ مجھے الہام ہوا تم جہاں جا رہے ہو وہاں ایک قطب مدار تم سے بیعت کرے گا'' چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب میں وہاں گیا تو قطب مدار بیعت ہوئے۔ ہمارے اکابر کے اندر ایسی تواضع تھی۔

انعامات کی بارش:

حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ پر آخری عمر میں انعامات کی بارش ہوئی۔ ایک سال میں سات سات جگہ سے حج کی ٹکٹیں آتی تھیں۔ حضرت! ہماری طرف سے حج کریں: حضرت! ہماری طرف سے حج کریں اور جانا تو ایک طرف سے ہوتا تھا۔ فرماتے ہیں کہ مجھے خواب میں نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ ارشاد فرمایا کہ عبدالمالک! ہمیں ملنے ہی نہیں آئے۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس سرمایہ نہیں۔ فرمایا کہ اچھا ہم کہہ دیں گے۔ اتنے الفاظ کہے کہ ہم کہہ دیں گے۔ فرماتے ہیں اس کے بعد میں زندگی کے ستائیس سال زندہ رہا اور ستائیس حج کیے۔

چونکہ کثرت سے حج کرتے تھے یا عمرہ کرتے تھے تو ہر بندے کی اپنی اپنی سوچ ہوتی ہے بعض لوگ کہتے ہیں او جی کیوں اتنا زیادہ خرچ کرتے ہیں؟ اب حج وہ کر رہے ہوتے

ہیں اور تکلیف انہیں ہو رہی ہوتی ہے۔ اللہ کی شان دیکھیں!

آپ سیل فون کو چارج کرتے ہیں، روزانہ کرتے ہیں نا؟ اگر کوئی بار بار چارجنگ پہ لگا رہا ہو تو کبھی آپ نے کہا کہ یہ کیوں چارج کرتا رہتا ہے۔ ہر روز چارج کرتے ہو۔ چھ مہینے بعد کیا کرو۔ کہیں گے نہیں چارجنگ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اللہ والوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ وہ اپنے دل کی، ایمان کی چارجنگ کے لیے وہاں جایا کرتے ہیں۔ اور وہاں جا کر جو وہ اپنے لیے اور امت کے لیے دعائیں کرتے ہیں اس کا فائدہ امت کو زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ کرے کہ ایسے لوگ زیادہ اللہ سے اس مقام پر جا کر مانگیں، ہم لوگوں کی دعائیں تو جو ہیں سو ہیں ان کی دعائیں تو قبول ہوتی ہیں۔ یہ جا کر ہاتھ اٹھائیں گے تو خیر ہی ہو گی۔ تو ہمیں اس پر خوش ہونا چاہیے۔ ویسے بھی جس نے پیار ہو تو انسان اس کو بار بار بلاتا ہے۔ اگر اللہ رب العزت کو ان سے پیار ہے، ان کو اللہ رب العزت نے بار بار بلایا، ہر سال بلایا تو ہمیں یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ کیوں جاتے ہیں؟

بہر حال! حضرت کے ایک پیر بھائی تھے وہ ان سے اکثر کہتے تھے کہ آپ کو یہ پیسے غریبوں کو دے دینے چاہییں اور حج بار بار نہیں کرنا چاہیے۔ ایک حج بہت ہے، بس فرض ادا ہو گیا ہر ایک کی اپنی اپنی سوچ ہے نا۔

ایک مرتبہ حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک پیر بھائی تھے اس پیر بھائی کے علاقے میں رہتے تھے۔ وہ ایک مرتبہ حضرت کو ملنے کے لیے آنا چاہتے تھے۔ وہ چونکہ عالم تھے وہ اس سے ملے اور اس کو بتایا کہ میں حضرت کو ملنے کے لیے جا رہا ہوں۔ کہنے لگے اچھا جا کے تم حضرت کو کہہ دینا کہ یہ جو دنیا کی ریل پیل ہے یہ اچھی علامت نہیں ہے۔ اب وہ تو مرید تھا اس کو تو یہ بات اچھی نہ لگی۔ خیر وہ آ گیا، حضرت سے ملا، حضرت کو سلام بھی پہنچایا۔ اب جو

یہ لوگ ہوتے ہیں یہ جواسیس القلوب ہوتے ہیں۔ حضرت نے پوچھا کہ انہوں نے کوئی بات نہیں کی تھی؟ تو چپ، حضرت نے فرمایا کہ بتاؤ کیا بات کی تھی؟ آخر اس کو بتانا پڑا۔ اس نے کہا انہوں نے کہا تھا کہ یہ جو دنیا کی ریل پیل ہے، یہ ٹھیک نہیں ہے۔ یہ بات سن کے حضرت نے یہ نہیں کہا کہ یہ لوگ حسد کرتے ہیں ان کے دل میں کینہ ہے، فلاں ہے، کچھ نہیں کہا۔

یہ الفاظ سنے اور سن کر رونے لگے۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے، کافی دیر حضرت روتے رہے۔ حتی کہ جس بندے نے یہ بات کی وہ خود سوچنے لگا کہ میں مرجاتا اور حضرت کو یہ بات نہ بتاتا۔ افسوس ہوتا ہے ناں:

"یَالَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا"

خیر حضرت کافی دیر خاموش روتے رہے۔ کافی دیر کے بعد حضرت نے عجیب بات فرمائی۔ فرمایا الحمد للہ! ابھی بھی دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں ہماری اصلاح کی فکر ہے۔ اللہ اکبر کبیرا!

یہ تواضع بڑی عجیب نعمت ہے۔

قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع:

چنانچہ حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت جلدی مدرسے کا مہتمم بنادیا۔ جوانی کی عمر تھی ویسے بھی بڑی خوبصورت شخصیت تھے۔ اتنا پرانوار چہرہ تھا کہ بندہ ان کو دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ اور طبیعت میں نفاست بھی بہت تھی۔ بیٹھنے اٹھنے پہننے میں ایک نزاکت تھی۔ اتنا پرانوار چہرہ تھا کہ ہمارے حضرت خود فرماتے ہیں کہ میری ان سے پہلی ملاقات حرم میں ہوئی۔ جب میں نے انہیں دیکھا تو دیکھ کے حیران ہوا اور میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے اتنا پرنور چہرہ کیسے بنایا؟ حضرت

قاری صاحب نے جواب دیا کہ میں نے یہ نہیں بنایا میرے شیخ نے بنایا ہے۔

ہمارے جیسا کوئی ہوتا تو اپنی تعریف میں پتہ نہیں آگے سے کیا دنیا آسمان کے قلابے ملا دیتا۔تواضع یہ چیز ہے کہ یہ چہرہ میں نے نہیں بنایا میرے شیخ نے بنایا ہے۔

خود پسندی کا علاج:

قاری صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے مال و دولت کی بھی ریل پیل تھی، جوانی کی عمر تھی، تعریفیں بھی تھیں اتنے بڑے مدرسے کے مہتمم بھی تھے ہر طرف واہ واہ بھی تھی اور اللہ نے علم بھی بڑا دیا تھا۔فرماتے ہیں کہ مجھے محسوس ہوا کہ میری طبیعت کے اندر خود پسندی ہے۔خود پسندی کہتے ہیں کہ انسان خود کو اپنے دل میں بڑا اچھا سمجھے۔تو میں نے اپنے شیخ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں خط لکھا کہ حضرت! باقی اعمال تو ٹھیک ہیں لیکن اپنے اندر خود پسندی محسوس کرتا ہوں۔تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ کسی اور کو عارضی طور پر مہتمم بناؤ اور اپنی ساری مصروفیات ترک کر کے فوراً میرے پاس آ جاؤ۔ایمرجنسی مریض کے طور پر انہوں نے فوراً اپنے ہسپتال میں داخل کر لیا۔فرماتے ہیں کہ میں سب کچھ چھوڑ کے وہاں چلا گیا۔میں نے کہا: حضرت! میں حاضر ہوں آپ نے مجھے بلایا ہے۔ حضرت نے کس کام پہ لگایا؟

حضرت نے فرمایا: میں صرف ایک کام آپ کے ذمے لگاتا ہوں کہ آپ مسجد میں نمازیوں کے جوتے سیدھے کرنا۔جب یہ مسجد میں داخل ہو جائیں تو پیچھے ان کے جوتے پڑے ہوں گے وہ سیدھے کرنا۔یہ حضرت نے ان کے ذمے لگایا۔

فرماتے ہیں کہ ایک مہینہ میں نے خانقاہ کے اندر رہ کر جوتے سیدھے کیے تو میرے اندر سے تکبر کا نام و نشان بھی ختم ہو گیا۔

اس لیے ہمارے بزرگ اپنے بچوں کو کہا کرتے تھے کہ جب مہمان آئیں تو جتنی دیر

میں وہ ملاقات کریں یا دستر خوان بچھایا جائے تو اتنی دیر میں آپ ان کے جوتے سیدھے کر دیں۔ یہ تربیت ہوتی ہے۔

۴......ریا کی بجائے اخلاص

چوتھی چیز ریا کی بجائے اخلاص۔ ان کی طبیعتوں میں اخلاص ہوتا ہے۔ وہ جو بھی کرتے ہیں اللہ رب العزت کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔

اخلاص کا درس:

حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ اشرفیہ بنایا۔ یہ پہلا جامعہ تھا لاہور میں جو قرآن وحدیث کی تعلیم کے لیے اتنا بڑا جامعہ تھا۔ یہ ابتداء میں ایک چھوٹی سی جگہ تھی، چھوٹی مسجد تھی۔ حضرت نے کام شروع کر دیا۔ حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ بہاولپور میں ایک جامعہ میں پڑھاتے تھے۔ حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو خط لکھا اور خط میں دو فقرے لکھے۔

''حضرت! آپ نے اب تک امیروں کی بریانیاں تو کھائی ہیں ہم فقیروں کی دال روٹی بھی قبول کریں۔'' یہ خط وہاں پہنچا اور حضرت نے یہ خط پڑھا تو فوراً وہاں استعفیٰ لکھا، اپنا سامان سمیٹا اور کرائے کی گاڑی لے کر سامان سمیت نیلا گنبد پہنچے اور پہنچ کر فرمایا: حضرت! میں حاضر ہوں۔ دین کی خدمت کی نیت ہو تو پھر ایسی کیفیت ہوتی ہے۔ اللہ اکبر کبیرا۔

دیکھیں پھر اللہ نے ان سے کتنا کام لیا؟ معارف القرآن کی ایک تفسیر حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی اور دوسری تفسیر حضرت کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی۔ اللہ نے ان کو عجیب علم دیا تھا ان کے پاس بیٹھ کے پتہ چلتا تھا کہ علم کیا ہوتا ہے؟ تو بہر حال وہ تشریف

لے آئے اور جامعہ اشرفیہ کے نام سے جامعہ بن گیا۔

اللہ کی شان دیکھیں! کچھ ایسے اساتذہ بھی تھے جن کو پڑھانے کے ساتھ ساتھ سیاست کے ساتھ بھی دلچسپی تھی۔ان میں سے ایک استاد ایسے بھی تھے جنہوں نے جامعہ اشرفیہ کے قریب ہی ایک اور جامعہ کی بنیاد رکھ دی۔اس سے بہت سے اساتذہ بھی حیران تھے کہ ایک نئے جامعہ کی بنیاد رکھنے کی کوئی ضرورت تو نہیں تھی۔اس سلسلے میں مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کے ایک صاحبزادے نے اپنا ایک واقعہ مجھے سنایا فرمانے لگے: میں کسی کام کے لیے جا رہا تھا تو ایسے ہی میں نے اپنے والد صاحب سے کہا: ابا جی! آپ نے دیکھ لیا ہے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟ ابا جی نے پوچھا: بیٹا! کہاں جا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: امی نے کام بھیجا ہے۔فرمایا: تم وہ کام کر کے آؤ پھر میں آج تمہیں اخلاص کا درس دوں گا۔

جب میں وہ کام کر کے واپس آیا تو بیٹھ گیا اور عرض کیا: ابا جی! اب بتائیں تو والد صاحب نے مجھ سے پوچھا: یہ بتاؤ کہ اگر تمہارے سر پر کسی چیز کا اتنا بوجھ ہو کہ تم سے اٹھایا نہ جا رہا ہو، حتی کہ گردن ٹوٹنے کے قریب محسوس ہو، تم انتہائی مشقت کے ساتھ وہ بوجھ لے کر جا رہے ہو، اور ایسے وقت میں کوئی دوسرا بندہ آ جائے اور یہ کہے کہ تم آدھا بوجھ مجھے دے دو، میں اپنی ذمہ داری سے منزل پر پہنچا دوں گا، تو اب بتاؤ کہ وہ تمہارا دوست ہو گا یا دشمن ہو گا؟ میں نے کہا: حضرت! وہ دوست ہو گا۔تو ابا جی نے فرمایا: دیکھو بیٹا! یہ اتنا بڑا شہر ہے اور اس میں یہ ایک دار العلوم تھا اور اتنے بڑے شہر کی مسئولیت کا بوجھ صرف ہمارے سر پر تھا، اب ایک دوسرا مدرسہ بن گیا ہے، جس کی وجہ سے ہمارا بوجھ تقسیم ہو گیا ہے۔اب تم ہی بتاؤ کہ ان بوجھ تقسیم کرنے والوں کو دوست سمجھیں یا دشمن؟ سبحان اللہ! کتنے بڑے مسئلے کو کتنے پیار سے حل کر دیا! سچی بات یہی ہے کہ دین کا کام جہاں بھی ہو رہا ہے اور جس کسی کے ذریعے ہو رہا ہے، وہی بہتر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اخلاص:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک کافر کے سینے پر چڑھ گئے۔ چاہتے تھے کہ خنجر مار کر اسکا کام تمام کر دیں۔ اسی لمحے اس کافر نے آپ کے منہ پر تھوک دیا تو آپ پیچھے ہٹ گئے۔ اس نے پوچھا: آپ نے مجھے قتل کیوں نہ کیا؟ فرمایا: میں تجھے پہلے تو اللہ کے لیے قتل کرنا چاہتا تھا، جب تم نے تھوک پھینکا تو مجھے غصہ آ گیا، لہٰذا اگر اب میں تجھے قتل کرتا تو اس میں میرا ذاتی انتقام بھی شامل ہوتا، اس لیے میں پیچھے ہٹ گیا، کیونکہ میں کوئی کام اپنی ذات کے لیے نہیں کرنا چاہتا۔ ایسے غصے کے عالم میں بھی اس بات کا لحاظ رکھا کہ میرا ہر کام اللہ کے لیے ہو۔ اس کو اخلاص کہتے ہیں۔

ریا کی قباحت:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ﴾ (الزمر:۳)

حقیقت بھی یہی ہے کہ علم کی کمی، عمل پوری کر دیتا ہے۔ عمل کی کمی اخلاص پوری کر دیتا ہے، مگر اخلاص کی کمی کبھی پوری نہیں ہوتی۔ بھئی! ملاوٹ کو تو دنیا بھی پسند نہیں کرتی۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ غَشَّ فَلَیْسَ مِنَّا))

''جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں''

جس طرح لوگ مادی چیزوں میں ملاوٹ کو پسند نہیں کرتے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی عمل میں ریا کی ملاوٹ کو پسند نہیں کرتے۔ اگر آپ کو ملاوٹ والی کوئی چیز ملے تو آپ اس کو فوراً رد کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ رب العزت بھی فرماتے ہیں کہ اگر ملاوٹ والے عمل لاؤ گے تو ہم بھی ان کو رد کر دیں گے۔

۵......شک کی بجائے یقین

اور پانچویں چیز یہ ہے کہ شک کی بجائے یقین ہو۔ یقین اسے کہتے ہیں کہ انسان کسی چیز کے بارے میں پکا گمان کر لے۔ مثال کے طور پر: ایک آدمی سانپ کو دیکھ کر دور بھاگتا ہے، کیونکہ اس کے دل میں یہ یقین ہوتا ہے کہ اگر سانپ ڈس لے تو اس کے زہر کی وجہ سے وہ موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دیکھنے میں سانپ کتنا خوبصورت ہوتا ہے! اس پر اتنا اچھا ڈیزائن بنا ہوتا ہے کہ اسے پکڑنے کو جی چاہتا ہے، مگر اسے کوئی بندہ بھی ہاتھ نہیں لگاتا، بلکہ اس سے دور بھاگتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی ہوتی ہے کہ اس سے جان کا خطرہ ہے۔ اسی طرح جب دین پر یقین پختہ ہو جاتا ہے تو انسان گناہوں کے قریب بھی نہیں جاتا، کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس میں ایمان کا خطرہ ہے۔

یقین پختہ کر لیجیے:

ہمارے دل میں یہ بھی پکا یقین ہونا چاہیے کہ

☆......مقدر کا رزق ضرور مل کر رہتا ہے۔

☆......زکوۃ سے انسان کا مال محفوظ رہتا ہے۔

☆......حرام مال سے اولاد نافرمان ہو جاتی ہے۔

☆......سود کی ملاوٹ سے مال ناپاک ہو جاتا ہے۔

☆......عزت اور ذلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔

☆......موت کا ایک وقت متعین ہے، اس سے پہلے نہیں آ سکتی۔

کہیں اللہ سے نظر ہٹ نہ جائے:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی تو انہوں نے اس کے اصول ہشت گانہ میں سے ایک اصول یہ لکھا کہ ''ہم دارالعلوم کے لیے مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ قبول ہی نہیں کریں گے'' لوگوں نے پوچھا: کیوں؟ فرمایا: اس لیے کہ کہیں اللہ کی نظر ہم سے ہٹ نہ جائے اور اللہ کی مدد رک نہ جائے۔ ہمارے اکابر اللہ کی ذات پر اس طرح یقین اور بھروسہ رکھتے تھے اور ان کے اسی یقین کی بدولت اللہ تعالیٰ ان کو یہ سب نعمتیں عطا فرماتے تھے۔

میدانِ بدر میں خدائی مدد:

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو میدان بدر میں بالکل بے اسباب لے کر آیا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مدینے میں رہنے والے لوگ گھروں سے باہر نکلیں اور ان کے پاس تلواریں نہ ہوں؟ جس کلچر میں ہر بندے کے پاس تلوار ہوتی تھی اس میں یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ پورے لشکر میں صرف دو تلواریں! اصل وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو بغیر تیاری کے کافروں کے سامنے کھڑا کرنا چاہتے تھے۔ دنیا کو دکھانا چاہتے تھے کہ اگر ادھر بھی تلواریں ہوتیں اور ادھر بھی تلواریں ہوتیں تو دنیا کہتی کہ یہ اس لیے کامیاب ہو گئے کہ یہ زیادہ بہتر تلوار چلاتے تھے، اس لیے یہ تھوڑے ہو کر بھی غالب آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا معاملہ بنا دیا کہ اسباب تھے ہی نہیں، اور ادھر لوہے میں ڈوبی ہوئی فوج تھی۔ صحابہؓ کا کیا حال تھا؟ قرآن نے خود گواہی دی:

﴿كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ﴾ (الانفال:۶)

صحابہ نے جب کافروں کو لوہے میں ڈوبا دیکھا ''تو یوں لگتا تھا کہ ان کو موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔''

﴿لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ﴾ (الانفال:۸)

''اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ حق کو حق ثابت کر دیں اور باطل کو باطل ثابت کر دیں''

چنانچہ یہ بغیر اسباب والی جماعت جب ان کے ساتھ ٹکرائی تو اللہ نے اپنی مدد جبرئیل علیہ السلام کی معیت میں ایسی نازل فرمائی کہ ان نہتے لوگوں کو بالآخر کامیابی نصیب ہوئی۔ ارشاد فرمایا:

﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ (البقرہ:۲۴۹)

''کتنی بار ایسا ہوا کہ ایک تھوڑی سی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آ گئی''

اس آیت کو سمجھنے کے لیے اگر اس کا ترجمہ ہم اپنی زبان میں کریں تو یوں ہوگا:

''کتنی بار ایسا ہوا کہ اللہ نے چڑیوں سے باز مروا دیے''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اللہ پر یقین:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ بہت زیادہ فتوحات دے رہے ہیں۔ اتنی فتوحات کہ جدھر جاتے ہیں کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔ جب ان کا طوطی بولتا تھا، عین اس زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور پیغام دیا:

''خالد! جو بندہ آپ کی طرف رقعہ لے کر آ رہا ہے، آج کے بعد یہ فوج کا سپہ سالار ہوگا۔ اگر آپ اللہ کے راستے میں لڑنا چاہیں تو عام سپاہی بن کر لڑ سکتے ہیں اور اگر واپس آنا چاہیں تو آپ میرے پاس مدینہ آ جائیں''

جب انہوں نے رقعہ لا کر دیا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا:

”ہاں میں اللہ کے راستے میں جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ ٹھیک ہے، امیر المومنین کے حکم کی وجہ سے آج سے آپ سپہ سالار اور میں عام سپاہی ہوں“

کسی نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے پوچھا: حضرت! آپ فوج کے سپہ سالار تھے اور بغیر کسی خاص وجہ کے امیر المومنین نے آپ کو ایک رقعہ بھیجا اور آپ عام سپاہی بن کر لڑنے لگے، آپ کو ایسا کرنا مشکل نہیں لگا؟ تو انہوں نے فرمایا: مجھے تو کچھ مشکل نہیں لگا، اس لیے کہ جب میں سپہ سالار بن کر لڑ رہا تھا تو اس وقت جس ذات کو راضی کرنے کے لیے یہ عمل کر رہا تھا، اب عام سپاہی کی حیثیت سے لڑتے ہوئے بھی میں اسی ذات کو راضی کرنے کے لیے عمل کر رہا ہوں، اس لیے مجھے کوئی فرق نہیں پڑا۔

کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے امیر المومنین! آپ نے اس عمل سے امت کو اتنے بڑے جرنیل سے کیوں محروم کر دیا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے امت کو جرنیل سے تو محروم کر دیا مگر میں نے امت کا ایمان بچا لیا۔ حضرت! وہ کیسے؟ فرمایا: خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ اتنی فتوحات دے رہے تھے کہ عام فوجیوں کے دل میں یہ بات آ رہی تھی کہ خالد جدھر جائے گا ادھر کامیابی ہوگی۔ لوگوں کی نگاہیں اللہ کی مدد سے ہٹ کر ایک ذات پر جم رہی تھیں۔ اس لیے میں نے کہا کہ وہ مدد ہٹ نہ جائے۔ میں نے ان کو تو ہٹا دیا، لیکن اللہ کی مدد اب بھی آئے گی اور اللہ تعالیٰ اب بھی کامیابی عطا فرمائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا اللہ پر یقین:

اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو ان کے بیٹے کے بارے میں آزمایا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي

الْیَمِّ﴾ (القصص:۷)

''اور ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ آپ اپنے بچے کو دودھ پلایئے، اور اگر آپ کو اس کے بارے میں ڈر لگے تو پھر اسکو پانی میں ڈال دینا''

اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا:

﴿فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ﴾ (طہ:۳۹)

''(دریا) ایسے کنارے لگادے گا اور اسے وہ پکڑے گا جو میرا بھی دشمن ہوگا اور اس بچے کا بھی دشمن ہوگا''

یا اللہ! اسی دشمن سے تو بچانا ہے اور آپ الٹا اسی کے پاس پہنچا رہے ہیں۔ مگر فرمایا:

﴿وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾

(القصص:۷)

''اور خوف بھی نہ کھانا اور ڈرنا بھی نہیں، ہم اسے تمہارے پاس واپس لوٹائیں گے اور ہم نے اسے رسولوں میں سے بنانا ہے''

اس عورت زاد نے اللہ کے وعدے پر یقین کر لیا اور اپنے بیٹے کو ایک صندوق میں ڈالا اور صندوق کو پانی میں ڈال دیا۔ اب عقل کہتی ہے کہ تمہارا بچہ نہیں ملے گا۔ اگر صندوق میں ہوا کے لیے سوراخ رکھیں تو اس میں سے پانی اندر جائے گا اور بچہ ڈوب کر مر جائے گا۔ اور اگر پانی روکنے کے لیے اسے بند ہی رہنے دیا جائے تو ہوا بند ہو جائے گی اور بچہ دم گھٹنے سے مر جائے گا یعنی میرا بچہ کسی صورت بھی نہیں بچ سکے گا۔ آنکھ یہ دیکھ رہی ہے مگر اس ماں نے اللہ کے وعدے پر بھروسہ کر لیا اور اپنے بیٹے کو صندوق میں بند کر کے پانی میں ڈال دیا اور گھر آ گئی۔

پانی کا بہاؤ فرعون کے محل کی طرف تھا۔ چنانچہ صندوق نے اس کے محل کی طرف بہنا

شروع کر دیا۔ اس وقت فرعون اپنی بیوی بی بی آسیہ کے ساتھ دریائی سیر کے لیے محل سے باہر نکلا ہوا تھا۔ اس وقت اس کے اردگرد آٹھ سو غلام موجود تھے۔ ان میں سے ایک غلام نے وہ صندوق دیکھا اور اسے پکڑ کر فرعون کے پاس لے آیا۔ فرعون نے اسے کھولنے کا حکم دیا۔ جب صندوق کو کھولا گیا تو اندر سے خوبصورت بچہ نکلا۔ جب فرعون کی بیوی نے بچے کو دیکھا تو اس کے دل میں اس کی محبت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ وہ کہنے لگیں:

﴿لَاتَقْتُلُوْهُ عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ (القصص:۹)

''اس کو قتل نہیں کرنا، ہوسکتا ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں''

جب بی بی آسیہ نے یہ کہا تو فرعون اس کی بات مان گیا۔ کہنے لگا: ٹھیک ہے، اس کو قتل نہیں کرواتے۔ چنانچہ بچے کو لے کر وہ گھر چلا گیا اور اسے بیٹا بنا کر پورے شہر میں اعلان کر دیا...... اس زمانے میں ڈبے کا دودھ تو تھا نہیں کہ فیڈر دے کر جان چھوٹ جاتی...... عورتیں دودھ پلاتی تھیں۔ چنانچہ ایک عورت کو دودھ پلانے کے لیے لایا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ﴾ (القصص:۱۲)

''اور ہم نے پہلے سے حرام کر دیا اس پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ

بچے نے دودھ ہی نہ پیا، بلکہ رونا شروع کر دیا۔ فرعون بچے کی یہ حالت دیکھ کر پریشان ہوگیا، وہ کہنے لگا اور عورتوں کو بلاؤ، اور عورتوں کو بلاؤ۔ لیکن بچے نے کسی کا دودھ نہ پیا۔

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کس حال میں تھیں؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا﴾ (القصص:۱۰)

''اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے صبح کی بڑے غم کی حالت میں اگر ہم اس کے دل کو تسلی نہ دے دیتے تو وہ رو بیٹھتی اور راز کو فاش کر دیتی''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بیٹی سے کہا: بیٹی جاؤ، اپنے بھائی کا پتہ کر کے آؤ۔ بہن بھاگ کر گئی اور پتہ چلا کہ میرا بھائی فرعون کے محل میں ہے۔ اس نے جا کر وہاں تماشا دیکھا کہ بچہ دودھ نہیں پی رہا اور فرعون پریشان ہو کر کہہ رہا ہے کہ کسی کو بلاؤ تا کہ وہ اسے دودھ پلائے۔ جب اس نے یہ منظر دیکھا تو وہ کہنے لگی:

﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ﴾ (القصص:۱۲)

''کیا میں ایسے گھر والوں کے بارے میں بتاؤں جو اس کی کفالت بھی کریں گے اور وہ اس کے بڑے خیر خواہ بھی ہوں گے''

کہتے ہیں کہ خیر خواہ کا لفظ سن کر فرعون کو تھوڑا سا شک پڑا۔ چنانچہ وہ اسے پکڑ کر پوچھنے لگا: اے لڑکی! تو کیوں کہہ رہی ہے کہ وہ اس کے بڑے خیر خواہ ہوں گے؟ وہ بھی پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن تھیں۔ کہنے لگیں: جی ہم آپ کی رعایا ہیں اور ہم آپ کے خیر خواہ نہیں ہوں گے تو اور کون ہوگا؟ یہ جواب سن کر فرعون کہنے لگا: ہاں ہاں! بالکل ٹھیک ہے۔ اچھا جاؤ اور لے آؤ۔ وہ بھاگتی ہوئی گھر آئی اور اپنی امی سے کہا: امی! چلیں بھائی کے پاس چلتے ہیں۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ فرعون کے محل میں پہنچ گئیں۔ انہوں نے بچے کو دودھ پلایا تو اس نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ جب فرعون کو پتہ چلا کہ بچے نے دودھ پی لیا

ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ دو تین دن وہاں رہیں۔ پھر انہوں نے کہا: گھونسلہ اپنا ہی ہونا چاہیے، کچا ہو یا پکا۔ میں تو اپنے گھر جاتی ہوں، میں یہاں زیادہ دیر نہیں رہ سکتی۔ اب فرعون نے کہا: اب تو ایسے ہی نہ جا، بچے کو بھی ساتھ لے جا، تم اسے اپنے گھر میں ہی دودھ پلاتی رہنا، میں اس دودھ پلانے کی اجرت تمہارے گھر بھجوا دیا کروں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَرَدَدْنٰهُ اِلٰی اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (القصص:۱۳)

”ہم نے اسے لوٹا دیا اس کی ماں کے پاس تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، اور وہ دل میں غمزدہ نہ ہو اور وہ جان لے کہ اللہ کے وعدے سچے ہیں، لیکن ان میں سے اکثر لاعلم ہیں“

اگر ہمیں بھی اللہ کے وعدوں کے سچے ہونے کا یقین ہو جائے تو ہماری زندگی میں بھی بہار آ جائے۔ اللہ رب العزت ہمیں بھی عالم باللہ بننے کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○

مناجات

دل مغموم کو مسرور کر دے

دل بے نور کو پرنور کر دے

فروزاں دل میں شمع طور کر دے

یہ گوشہ نور سے پرنور کر دے

مرا ظاہر سنور جائے الٰہی

مرے باطن کی ظلمت دور کر دے

مئے وحدت پلا مخمور کر دے

محبت کے نشے میں چور کر دے

نہ دل مائل ہو میرا انکی جانب

جنہیں تیری عطا مغرور کر دے

ہے میری گھات میں خود نفس میرا

خدایا اسکو بے مقدور کر دے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ﴾

اکابرین امت اور عشقِ قرآن

از افادات

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

اکابرین امت اور عشق قرآن

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

قرآن مجید اللہ رب العزت کا کلام، اللہ رب العزت کا پیغام یہ ہدایت ہے۔ اس کو اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کی راہنمائی کے لیے بھیجا۔

عزتوں میں اضافے کا سبب:

اس قرآن مجید میں عجیب مقناطیسیت ہے جو انسان اسے پڑھتا ہے اور اس کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی گزارتا ہے قرآن مجید کے ساتھ اس کی محبت راسخ ہو جاتی ہے۔ پھر یہ قرآن اس کو عزتیں دیتا ہے۔

آپ غور کیجیے کہ ایک گتہ گھر میں پڑا تھا، لوگ اس کو اٹھا کے کبھی وہاں رکھ دیتے کبھی یہاں رکھ دیتے، اس کو کسی نے قرآن مجید کی جلد بنا دیا، اب جلد بنا دینے کے بعد اس گتے کی عزت اتنی بڑھ گئی کہ علما نے فرمایا:

جس آدمی نے غسل کرنا ہو وہ اس گتے کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ حتی کہ بے وضو آدمی بھی اس گتے کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

پوچھا گیا کہ گتے کو ہاتھ کیوں نہیں لگا سکتے؟ لکھے ہوئے کاغذ تو اندر ہیں۔ تو علما نے کہا: چونکہ اس گتے کو قرآن مجید کے ساتھ سی دیا گیا، یکجان کر دیا گیا۔ اس کی نسبت پکی ہوگئی اس لیے اب نسبت پکی ہونے کی وجہ سے گتے کی شان اتنی بڑھ گئی کہ جس طرح اندر لپٹے ہوئے کاغذوں کو ہاتھ نہیں لگا سکتے اسی طرح اس گتے کو بھی ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ اگر بے جان گتہ اپنی نسبت قرآن کے ساتھ مضبوط کر لیتا ہے اور اس کی شان بڑھ جاتی ہے تو ایک مسلمان بندہ اسکے ساتھ اپنی نسبت کو مضبوط کرے گا تو اللہ کے ہاں اس کا مقام کتنا بڑھ جائے گا۔

حدیث پاک میں آتا ہے:

((تبَرَّكْ بِالْقُرْآن فَإِنَّهُ كَلَامَ اللّٰهِ))

''قرآن مجید کے ساتھ برکت حاصل کرو یہ اللہ رب العزت کا کلام ہے''

آج قرآن ہمارے گھروں میں تو موجود ہے لیکن ہم میں سے بہت کم ایسے ہیں جو اس سے برکتیں حاصل کر سکیں۔ ہم اس کی برکات سے محروم ہوتے ہیں۔ ہم وہ تعلق پیدا نہیں کر پاتے جس کی وجہ سے انسان کو برکتیں ملتی ہیں۔

ایسی چیزیں جن سے دل کبھی نہیں بھرتا:

علما نے لکھا ہے کہ چند چیزوں سے انسان کا جی کبھی نہیں بھرتا۔

☆......آسمان کو دیکھنے سے۔ وہی آسمان ہے وہی چاند، ستارے ہیں لیکن اللہ نے اس میں کچھ ایسی جاذبیت رکھ دی ہے کہ بندے کا جی کبھی بھرتا ہی نہیں ہے۔

☆......پانی سے، سو سال عمر ہو جاتی ہے بندے کی روز پانی پیتا ہے مگر پانی سے کبھی اس کا جی نہیں بھرتا۔ ہاں اس کا پیٹ بھر جائے گا اور وہ کہے گا کہ میں آج اور پانی نہیں پی سکتا۔ اگلے دن پھر اس کو پیاس لگے گی پھر پانی پیے گا۔ دودھ سے، مشروبات سے، جوسز پینے سے انسان کا دل بھر سکتا ہے لیکن پانی سے کبھی اس کا دل نہیں بھر سکتا۔ چنانچہ آپ کو دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں ملے گا جو کہے کہ میں پانی پی پی کے تنگ آ گیا ہوں۔ اللہ نے انسان کے جسم میں اس کی طلب ایسی رکھ دی۔ قرآن مجید کے بارے میں بھی بالکل یہی بات لکھی گئی۔ جس طرح آسمان کو دیکھنے سے دل نہیں بھرتا، پانی پینے سے دل نہیں بھرتا، اسی طرح بیت اللہ شریف کو دیکھنے سے مومن کا دل نہیں بھرتا۔

چنانچہ جن لوگوں کو وہاں حاضری کی توفیق نصیب ہوتی ہے وہ جتنی بار بیت اللہ کو دیکھتے ہیں اتنی بار دیکھنے کی لذت جدا ہوتی ہے۔ کسی شاعر نے کہا تھا:

"اے محبوب! میں جب بھی تیری طرف نظر اٹھاتا ہوں میری ہر نظر میں لذت کی ایک نئی قسم ہوا کرتی ہے۔"

تو بیت اللہ کو دیکھنے کا بھی یہی معاملہ ہے۔

اسی طرح علماء نے سات باتیں گنوائیں ہیں:

○......مرد کا عورت سے دل نہیں بھرتا۔

عمر گزر جائے سو سال عمر ہو جائے لیکن جہاں تک اس کی دل کی طلب ہے تو پوتے کا نکاح ہو رہا ہوتا ہے اور باپ کا بھی جی چاہتا ہے دادے کا بھی کہ اس کے ساتھ ہمارا بھی نکاح ہو رہا ہوتا۔

پنجابی میں کہتے ہیں: ”چولہے کا دل انگاروں سے نہیں بھرتا“۔

○......ماں کا دل بیٹوں سے نہیں بھرتا۔ جتنے بھی بیٹے ہو جائیں۔ اسی طرح مومن کا دل قرآن مجید کو پڑھنے سے نہیں بھرتا۔

○......سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جس انسان نے اپنے دل سے ظلمت کو دور کر لیا اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کا دل قرآن مجید پڑھنے سے کبھی بھر ہی نہیں سکتا۔ ہاں دل میلا ہو تو پھر ایک رکوع پڑھنا بھی مشکل ہوگا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی بندہ بیمار ہو تو اس کا روٹی کھانے کو دل نہیں کرتا۔ صحت مند ہو تو روز روٹی کھانے کو دل کرے گا۔

پاکیزہ دل کی پہچان:

اگر روحانی بیماریاں نہ ہوں دل صاف ہو، پاکیزہ ہو تو اس کی پہچان یہ ہے کہ مومن کا دل کبھی قرآن پڑھنے سے نہیں بھرتا۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ایک عجیب لذت رکھی ہے۔ دنیا میں اور کوئی کتاب ایسی نہیں ہے۔ کوئی کتاب اچھی لگی اس کو ایک دفعہ پڑھ لو، دو دفعہ پڑھ لو تیسری دفعہ پڑھنے کو دل نہیں کرتا۔ یہ قرآن مجید کا اعزاز ہے کہ جتنا اس کو پڑھتے جاؤ اتنا دل میں اور پڑھنے کی طلب بڑھتی چلی جاتی ہے۔

قرآن کی نسبت ہر حال میں فائدہ دیتی ہے:

ایک ہے قاری قرآن بننا، ایک ہے عالمِ قرآن بننا، حافظِ قرآن بننا، عاملِ قرآن بننا، ناشرِ قرآن بننا، داعیٔ قرآن بننا اور ایک ہے عاشقِ قرآن بننا، قرآن مجید کا عاشق بن جانا۔ عشق کی حد تک بندے کا تعلق ہو۔ قرآن مجید سے نسبت اگر کمزور حد تک بھی ہو تب بھی فائدہ دیتی ہے اور اگر قوی ترین نسبت ہوگی تو کتنا فائدہ دے گی۔

ایک سبق آموز واقعہ:

ایک نوجوان پاکستان کا امریکہ چلا گیا اور وہاں جا کر وہ وہیں کی زندگی میں گم ہو گیا۔ اس کے دفتر میں ایک عیسائی لڑکی تھی اس کے ساتھ اس کے تعلقات بن گئے اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ میں نے اس لڑکی کے ساتھ شادی کرنی ہے۔ اس نے جواب دیا میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں گی۔ ماں باپ اس کے پکے عیسائی تھے۔ وہ مسلمان کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔ لیکن بیٹی کی بات کو وہ رد بھی نہیں کر سکتے تھے۔ تب انہوں نے کہا اگر یہ نوجوان ہماری شرائط پوری کر دے تو پھر ہم تمہاری شادی اس کے ساتھ کر دیں گے اور شرائط انہوں نے ایسی عجیب رکھیں کہ ان کو یقین تھا یہ پوری نہیں کر سکے گا۔

پہلی شرط یہ رکھی کہ اگر شادی ہو گئی تو یہ نوجوان اپنی جگہ کو چھوڑے گا اور ہمارے گھر کے قریب آ کر اپنا گھر لے گا اور وہاں رہے گا۔ نوجوان نے اس بات کو قبول کر لیا۔

دوسری شرط یہ تھی کہ جس حد تک اس کا حلقہ احباب ہے (دوست ہیں) ان تمام کو یکسر چھوڑ دے گا۔ نہ فون کا رابطہ نہ ویسے ملنا ملانا۔ ہماری کمیونٹی کے جو لوگ ہیں یہ ان کو اپنا دوست بنائے گا، ان کے ساتھ اپنا رابطہ واسطہ رکھے گا۔ اس نے یہ بات بھی قبول کر لی۔

تیسری شرط انہوں نے یہ لگائی کہ اپنے ماں باپ سے بھی ہمیشہ کے لیے یہ اپنا رابطہ توڑ دے گا۔ اس نوجوان نے یہ شرط بھی مان لی۔

چوتھی شرط انہوں نے یہ رکھی کہ یہ اپنے ملک کبھی واپس نہیں جائے گا یہاں رہے گا۔ اس نے یہ شرط بھی مان لی۔

پانچویں شرط عجیب ترین کہ ہم سنڈے کو اپنے گرجا میں جاتے ہیں تو یہ ہمارے ساتھ سنڈے کو گرجا میں بھی جایا کرے گا۔ اس نے یہ شرط بھی مان لی۔ اس لڑکی کی محبت میں ایسا اندھا ہوا کہ اس نے سب کچھ چھوڑ دیا۔ چنانچہ جہاں یہ رہتا تھا پتہ چلا یہ ایک دن وہاں

سے غائب ہو گیا۔ نہ دفتر والوں کو پتہ نہ دوستوں کو پتہ۔ ایک ماہ، دو ماہ بڑا اس کو تلاش کیا گیا مگر پتہ ہی نہیں کہ کہاں گیا۔ اور وہ ملک بھی اتنا بڑا ہے کہ کوئی گم ہونا چاہے تو وہ بڑے آرام سے گم ہو سکتا ہے۔ لوگ ایک سال تک تو اس کو یاد کرتے رہے۔ بالآخر ان کی میموری سے بھی اس کی باتیں نکلنے لگ گئیں۔ کوئی تین سال کے قریب عرصہ اس طرح گزر گیا۔

ایک دن امام صاحب مسجد میں آئے فجر کی نماز کے لیے تو انہوں نے دیکھا کہ یہ نوجوان آیا اور وضو کرنے لگا۔ وہ بڑے حیران ہوئے۔ یہ زمین میں سے برآمد ہو گیا یا کہیں اوپر سے ٹپک پڑا۔ کدھر سے یہ آدمی آ گیا۔ خیر! وہ بڑے سمجھدار تھے۔ انہوں نے نماز پڑھائی اور اس کو اپنے ساتھ اندر کمرے میں لے گئے اور کہا بھئی! آپ کے ساتھ تو ہمارا بڑا تعلق تھا، اتنا عرصہ ہم ایک دوسرے سے دور رہے، آؤ ایک کپ چائے کا پی لو۔ پھر انہوں نے پوچھا: تمہارے ساتھ کیا بنی؟ تو اس نے پورا واقعہ سنایا:

کہنے لگا کہ اس لڑکی کی محبت میں میں نے اپنا سب کچھ چھوڑ دیا، شادی ہو گئی۔ میں اس کے ساتھ زندگی گزارنے لگ۔ میرے پاس مسلمان ہونے کا ظاہراً کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ سوائے ایک نشانی کے کہ میری جو کتابیں تھیں وہ ایک جگہ پڑی ہوئی تھیں ان میں ایک قرآن مجید تھا۔ جب صبح روز میں تیار ہو کے دفتر جانے لگتا کتابوں پر میری نظر پڑتی تو قرآن مجید کو دیکھ کر مجھے اللہ کی یاد آتی، اللہ کا دھیان آتا۔ میں اپنے دل میں کہتا کہ بندے! تو خواہشات کے پیچھے لگ گیا، تو ہے گنہگار لیکن دیکھ! سچے اللہ کا یہ سچا کلام تیرے گھر میں موجود ہے۔ بس اتنا سا تصور میری زندگی میں تھا۔ روز آتے جاتے اس پر میری نظر پڑتی اور یہ خیال میرے دل میں سے گزرتا۔ اتنے کمزور تعلق نے بھی اس بچے کا ایمان بچا لیا، کیا ہوا؟ کہتا ہے کہ میں ایک دن آیا تو دیکھا کہ وہ کتاب وہاں موجود نہیں تھی۔ کہتا ہے میں نے

بیوی سے کہا کہ ایک کتاب یہاں تھی وہ کدھر ہے؟ اس نے کہا جناب! میں نے آج گھر کی صفائی کی جس کتاب کو نہ میں پڑھتی ہوں نہ آپ پڑھتے ہیں میں نے وہ ترلیش کین میں ڈال کے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں پھینک دیں۔ کہتا ہے جیسے ہی میں نے سنا میں اسی وقت اٹھا اور میں اس طرف گیا جہاں اس نے کتابیں پھینکی تھیں۔ باہر جا کر میں نے قرآن مجید کو ڈھونڈا اس کو چوما، آنکھوں سے لگایا، سینے سے لگایا، وہ کھڑکی میں سے مجھے دیکھ رہی تھی کہ یہ کر کیا رہا ہے؟ جب واپس گھر آیا تو وہ کہتی ہے یہ کیا پاگلوں والی حرکتیں کر رہے ہو؟ میں نے کہا: یہ میرے اللہ کا قرآن ہے اور یہ میرے گھر میں ہمیشہ رہے گا۔ اس نے کہا: اچھا ابھی تمہارے اندر وہ جراثیم موجود ہیں۔ اس لڑکی نے اپنا بریف کیس اٹھایا اور اپنے والدین کو حالات بتانے چلی گئی اور میں نے بھی جوتا پہنا اور مسجد میں اپنے رب کو منانے کے لیے آ گیا۔

قرآن مجید کے ساتھ اس کا اتنا کمزور سا تعلق تھا محبت کا یہ تعلق بھی اس بندے کے لیے ایمان کے بچنے کا سبب بن گیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قرآن سے لگاؤ:

اگر قرآن مجید کے ساتھ قوی تعلق ہوگا تو پھر کیا برکتیں نصیب ہوں گی۔ قرآن مجید کے ساتھ تعلق تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو تھا۔ اس لیے وہ اللہ کے کلام کو سنتے تھے تو ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی ٹوٹ پڑتی تھی۔ قرآن مجید نے گواہی دی:

﴿وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ﴾

دیکھا! قرآن سنتے تھے آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی چل پڑتی۔ اس قرآن سے انہیں لذت ملتی تھی۔

تیروں کے سائے میں قرآن کی تلاوت:

اس لذت کی یہ انتہا تھی کہ نبی علیہ السلام نے ایک موقع پر دو صحابہؓ کو کہا کہ تم پہاڑ کی چوٹی پر پہرہ دو۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ دونوں جاگیں گے تو رات کے آخری پہر میں دونوں کو نیند آئے گی۔ ایک جاگ لے ایک آرام کر لے پھر یہ اٹھ جائے (جاگے) اور دوسرا آرام کرے۔

چنانچہ ایک صاحب سو گئے۔ دوسرے نے سوچا جاگنا تو ہے ہی سہی کیوں نہ میں اللہ کا قرآن پڑھوں۔ چنانچہ انہوں نے نفلوں کی نیت باندھ لی۔ اللہ کا قرآن پڑھ رہے ہیں۔ اللہ کی شان دیکھیے کہ دشمن کہیں قریب آ گیا۔ اس نے جب دیکھا کہ اوپر کوئی بندہ محسوس ہوتا ہے تو اس نے تیر مارا۔ وہ تیر ان صحابی کے جسم میں لگتا ہے۔ خون کا فوارہ چھوٹتا ہے مگر ان کو مزا اتنا آ رہا تھا کہ یہ قرآن پڑھتے رہے، پڑھتے رہے۔ دوسرا تیر مارا گیا، پھر خون نکلا۔ تیسرا لگا یا اتنا خون جسم سے نکلا کہ اس صحابی نے محسوس کیا کمزوری کی وجہ سے کہیں بے ہوش نہ ہو جاؤں اگر ایسا ہوا تو میرے فرض میں خلل آ جائے گا۔

چنانچہ انہوں نے سلام پھیرا اور اپنے ساتھی کو جگا کر کہا کہ دشمن قریب ہے اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر مجھے اپنے فرض منصبی میں کوتاہی کا ڈر نہ ہوتا تو میں تیروں پہ تیر کھاتا رہتا سورۃ کہف کو مکمل پڑھے بغیر سلام نہ پھیرتا۔ کتنا مزا ان کو آتا ہوگا کہ تیر لگنے کی پروانہیں، بس اللہ کا قرآن پڑھ رہے ہیں۔

مسحور کن تلاوتِ قرآن:

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عشق قرآن میں منفرد مقام رکھتے تھے۔ جب ابتدا میں انہوں نے حبشہ ہجرت کرنے کی نیت کی تو ان کو مکہ مکرمہ کے راستے سے باہر ایک کافر اپنے گھر لے آیا۔ وہ کہنے لگا: آئیں آپ میرے گھر میں رہیں آپ جیسے اچھے آدمی کو تو

نہیں جانا چاہیے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ روزانہ صبح اٹھتے اور صحن میں چارپائی بچھا کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے۔ ان کے پڑھنے میں ایسا سوز تھا، ایسا درد تھا کہ گھر کے بچے، عورتیں ان کے پاس کھڑے ہو کے سنتے کہ یہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ اس بندے کو ڈر ہوا کہ کہیں میرے سارے گھر والے ہی مسلمان نہ بن جائیں چنانچہ اس نے پابندی لگائی کہ آپ یہاں رہتے ہوئے قرآن نہیں پڑھ سکتے۔ آپ نے فرمایا: میں تو قرآن پڑھنا نہیں چھوڑ سکتا۔ تو اس نے کہا: میں اپنی امان واپس لیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: بہت اچھا تم اپنی امان واپس لے لو میں اللہ کی امان میں آتا ہوں۔

چنانچہ لوٹ کے واپس آئے مکہ مکرمہ میں ٹھہرے اور اللہ نے انہیں نبی علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کے لیے قبول فرما لیا۔ یہ عشاق قرآن تھے۔ نبی علیہ السلام سے قرآن سنتے تھے۔ خود بھی پڑھتے تھے اور ان کا دل نہیں بھرتا تھا۔

عرش سے قرآن سننے کی فرمائش:

ایک صحابی ابن کعب رضی اللہ عنہ تھے۔ نبی علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا: کعب! قرآن سناؤ۔ وہ عرض کرنے لگے: اے اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! قرآن مجید تو آپ پہ نازل ہوا میں آپ کے سامنے قرآن پڑھوں؟ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں! مجھے ایسا ہی حکم ہے تو آپ کی بات سے وہ بھانپ گئے کہ شاید اوپر سے کوئی اشارہ ہوا ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے پوچھا:

اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر کہا ہے؟ نبی علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

جی ہاں! اللہ نے تیرا نام لے کر کہا ہے کہ ابن کعب سے کہو سورت البینہ کی تلاوت

کرے، میرے محبوب! آپ بھی سنیں گے اور میں خود پروردگار بھی سنوں گا۔ سبحان اللہ! کیسے لوگ تھے! جن سے قرآن مجید سننے کی فرمائش عرش سے آیا کرتی تھیں۔

تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنے کی فضیلت:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جیسے کوئی عورت گانا گائے اور اس کا عاشق اسے پوری توجہ کے ساتھ سنے، اللہ رب العزت قرآن مجید تجوید کے ساتھ پڑھنے والے کے قرآن کو اس سے زیادہ توجہ کے ساتھ سنتے ہیں۔ جب اللہ رب العزت اتنی توجہ کے ساتھ مومن بندے کے قرآن مجید پڑھنے کو سنتے ہیں تو پھر سوچیے کہ اس مومن کے اوپر کیا کیفیت ہونی چاہیے!

قرآن سننے کے لیے فرشتوں کا نزول:

ہمارے اکابر کو جہاں وقت ملتا تھا اللہ کا قرآن پڑھنے میں لگا دیا کرتے۔ ان کا محبوب مشغلہ یہ ہوتا تھا۔ کوئی اونچی آواز سے پڑھتا تو کوئی آہستہ آواز سے پڑھتا تھا۔ ان کی راتیں قرآن مجید پڑھنے میں گزرتیں اور ان کے دن قرآن مجید پڑھنے میں گزر جاتے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں قرآن مجید پڑھ رہے ہیں۔ قریب گھوڑا بھی بندھا ہے اور چارپائی پر بچہ بھی لیٹا ہے۔ ان کی طبیعت مچلتی ہے، دل چاہتا ہے کہ ذرا اونچا بلند آواز سے پڑھوں۔ جب اونچا پڑھتے ہیں تو گھوڑا ابدکنے لگتا ہے۔ ڈر ہوتا ہے کہ کہیں بچے کو نہ لات مار دے۔ پھر آہستہ پڑھتے ہیں تو گھوڑا پرسکون ہو جاتا ہے۔ پھر طبیعت چاہتی ہے ذرا اونچا پڑھوں پھر گھوڑا بدکتا ہے پھر آہستہ پڑھتے ہیں۔ ساری رات یہ سلسلہ چلتا رہا۔ صبح کے وقت جب انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ روشنیاں ہیں ستاروں کی مانند جو سر کے قریب ہیں اور وہ پیچھے آسمان کی طرف جا رہی ہیں

وہ بڑے حیران ہوئے۔ نبی علیہ السلام کی خدمت میں آ کر یہ بات سنائی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا:

یہ اللہ کے فرشتے تھے جو تمہارا قرآن سننے کے لیے تمہارے قریب آ گئے تھے اگر تم قرآن پڑھتے رہتے تو آج مدینے کے لوگ اپنی آنکھوں سے اللہ کے فرشتوں کو دیکھ لیتے۔ یہ بات ذہن میں رکھیے کہ تمام فرشتوں میں سے جبرائیل علیہ السلام کو اللہ نے یہ شان دی کہ وہ قرآن پڑھ سکتے ہیں۔ باقی فرشتے قرآن پڑھ نہیں سکتے، سنتے ہیں اور محدود ہوتے ہیں۔

اب ایک بندہ اگر اچھی قرأت خود نہ کر سکتا ہو تو اس کو اچھے قاری کی قرأت بڑی اچھی لگتی ہے۔ فرشتے چونکہ خود نہیں پڑھ سکتے اس لیے پڑھنے والا بندہ ان کو بڑا اچھا لگتا ہے۔

قاریٔ قرآن کے لبوں کا بوسہ:

حدیث پاک میں ہے:

جب کوئی قاری قرآن پڑھتا ہے تو فرشتے اس کے قریب ہوتے چلے جاتے ہیں حتی کہ اس قاری کے لبوں کے ساتھ اپنے لبوں کو ملا دیتے ہیں۔ یوں کہہ لیجیے کہ اس قاری کے لبوں کا بوسہ لیتے ہیں۔

امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ جب قرأت کرتے تو ان کے منہ سے بڑی خوشبو آتی، شاگرد نے پوچھا: حضرت! آپ منہ میں کیا رکھتے ہیں؟ کوئی الائچی یا کوئی اور چیز؟ اتنی خوشبو آتی ہے:

فرمایا میں تو کچھ نہیں رکھتا:

لیکن حضرت! خوشبو تو بڑی آتی ہے میں کبھی کچھ منہ میں نہیں رکھتا۔ وہ بچہ پیچھے پڑ گیا۔ ہر وقت وہ پوچھتا۔

چنانچہ ایک مرتبہ موقع سے مجبور ہو کے امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ دیکھو، مجھے ایک

رات نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: عاصم! تم ہر وقت یا دن کا زیادہ حصہ قرآن مجید پڑھنے میں لگے رہتے ہو۔ لاؤ میں تمہارے لبوں کو بوسہ دوں۔ جب سے خواب میں نبی علیہ السلام نے میرے لبوں کو بوسہ دیا اس وقت سے میرے منہ سے یہ خوشبو آتی ہے۔ہمیں بھی یہ قرآن مجید کو پڑھنے والی لذت مل جائے تو مزا ہی آجائے۔

ایک شکوہ بھری دعا:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ سردیوں کی لمبی رات تھی سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے عشا کے بعد دو رکعت کی نیت باندھ لی۔قرآن مجید پڑھتی رہیں، پڑھتی رہیں ایسی طبیعت مچل رہی تھی کہ پڑھتے پڑھتے جب سلام پھیرا تو پتہ چلا کہ صبح کا وقت بالکل ہی قریب ہے۔ اذان کا وقت قریب ہے تو دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور رونے لگ گئیں اور روتے روتے انہوں نے یہ دعا کی:

اللہ! میں نے تو دو ہی رکعت کی نیت باندھی تھی تیری راتیں کتنی چھوٹی ہیں کہ فاطمہ کی دو رکعت میں تیری ساری رات ختم ہوگئی۔

ایک عاشقِ قرآن دولہا:

ایک حافظ تھے، قاری صاحب تھے، وہ عاشق قرآن تھے۔ان کی شادی ہوئی، اپنی بیوی کے ساتھ ملاقات کے لیے گئے۔تعارف ہوا بات چیت ہوئی تو انہوں نے کہا کہ ہم دو رکعت نفل پڑھ کے اپنی ازدواجی زندگی کی ابتدا کریں گے۔ چنانچہ بیوی نے تو جلدی سے نفل پڑھ لیے۔انہوں نے دو رکعت کی نیت باندھی، قرآن مجید پڑھنا شروع کیا تو پڑھتے ہی رہے۔صبح کا وقت ہوگیا۔سلام پھیرا تو تھوڑی سی دیر اذان ہونے میں باقی تھی۔ اب جب دیکھا تو احساس ہوا کہ اوہو! بیوی بھی انتظار میں تھی۔ بیوی نے کہا: آپ

خود بھی تھکے اور مجھے بھی ساری رات جگا کے بٹھا دیا۔ تو اس سے معذرت کی اور کہا کہ قرآن پڑھتے ہوئے میرا اس طرف دھیان ہی نہ گیا۔ میں فجر پڑھ کے آؤں گا پھر آپ کے ساتھ بیٹھ کے بات کروں گا۔

اب یہ فجر پڑھنے گئے تو دوستوں نے پوچھا: بتاؤ بھئی! مہمان کو کیسے پایا؟ تو یہ آئیں وائیں کرنے لگے تو انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ تو کیسا مرد ہے تیری رات اس کے ساتھ گزری اور تجھے اپنی بیوی کا پتہ ہی نہیں!

تو انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے تو دو رکعت کی نیت باندھی تھی، قرآن پڑھنے میں مجھے اتنی لذت ملی کہ میرے ذہن سے یہ خیال ہی نکل گیا کہ کوئی میرے انتظار میں بیٹھا ہوا ہے۔ کتنا ان کو مزا آتا ہوگا۔ اور ہمارے اکابرین قرآن مجید واقعی اسی طرح پڑھتے تھے۔

قرآن کے گلشن میں طواف:

آپ کہیں گے یہ تو بہت پہلے وقت کی بات ہے قریب کے زمانے میں بھی ہمارے اکابر ایسے گزرے ہیں جن کو اللہ رب العزت نے قرآن مجید کے ساتھ محبت کا وہ جذبہ عطا کیا تھا۔ ایک مرتبہ ہم حج پہ تھے اور حضرت قاری فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ اسی سال حج پہ تشریف لائے۔ وہ جب طواف کرتے تو ان کے ایک طرف پانچ، دس حافظ ہوتے اور دوسری طرف بھی پانچ، دس حافظ ہوتے تھے اور یہ سارے آٹھ، دس بندے قرآن پڑھ رہے ہوتے اور حضرت نابینا تھے، وہ ان کا قرآن سن رہے ہوتے اور ان کو لقمہ دے رہے ہوتے۔ یہ ان کا طواف ہوتا تھا ماشاء اللہ قرآن کے گلشن میں طواف کیا کرتے تھے۔

ان کی عادت تھی کہ جو ان سے ملنے آتا اس سے قرآن سنتے تھے۔ ایک مرتبہ ڈپٹی کمشنر صاحب ملنے آ گئے۔ حضرت نے ان سے بھی فرمایا کہ مجھے سورۃ اخلاص ہی سنا دو۔

ڈی سی صاحب کو بھی سورۃ اخلاص سنانی پڑ گئی ع

"جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں"

جن کو محبت ہوتی ہے ان کو پھر مزا بھی اسی چیز میں آتا ہے۔

ہر ہر آیت کے آخری لفظ کی تلاوت:

ایک مرتبہ ان کو ایک عالم حافظ صاحب ملے۔ حضرت نے پوچھا: سناؤ! منزل کیسی ہے؟ وہ کہنے لگا: باقی تو ٹھیک ہے لیکن جہاں آیت مکمل ہوتی ہے وہاں کہیں کہیں مجھے متشابہ لگتا ہے۔ جیسے یعلمون، تعلمون

متشابہ لگ جاتا ہے۔ حضرت نے فرمایا: اچھا! یہ جو آخری لفظ ہیں نا میں تمہیں سناتا ہوں۔ وہیں بیٹھے بیٹھے حضرت نے پہلی آیت کا آخری لفظ جیسے العالمین۔ الحمد للہ رب العالمین کا آخری لفظ "العالمین" پھر اگلی آیت "الرحیم" پھر اگلی آیت "الدین" اور الحمد سے لے کر والناس تک آخری آخری لفظ سنا دیا۔ ایسے لگتا تھا جیسے قرآن مجید ہر وقت ان کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ یہ قرآن مجید ان کو یاد تھا۔ محبت، تعلق اتنا ہوتا تھا۔ یہ لوگ عاشق قرآن تھے۔

قاری رحیم بخش پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا عشقِ قرآن:

حضرت قاری رحیم بخش پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ویسے تو پانی پت کے رہنے والے تھے۔ ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے اور پہلے انہوں نے رہائش جھنگ میں رکھی۔ کچھ عرصہ وہاں مقیم رہے۔ لیکن حضرت قاری خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ وہ اس ضلع کو جانتے تھے انہوں نے ان کو اصرار کے ساتھ ملتان بلوایا اور حضرت نے وہاں خیر المدارس میں پڑھانا شروع کیا۔ پھر دیکھیے اللہ نے ان کا کیا فیض پھیلایا۔

آج پورے ملک میں آپ جہاں چلے جائیں آپ کو قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے

ادارے اکثر و بیشتر انہی کے شاگردوں کے ہی نظر آئیں گے۔ تھا ان کو قرآن مجید سے ایسا عشق۔ ان کے عشق قرآن کی چند باتیں آپ کو بھی سنا دیتے ہیں تاکہ آپ کو بھی پتہ چلے کہ ان کے دل میں قرآن مجید کا کتنا عشق تھا۔

جب کلاس میں پڑھانے آتے تو وقت کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ جب وہ کلاس میں داخل ہوتے ان کو دیکھ کر لوگ اپنی گھڑی کا وقت ٹھیک کر لیا کرتے تھے۔ اتنا وقت کی پابندی کرتے۔

......ایک مرتبہ عجیب ہوا۔ بارش تھی اور حضرت سائیکل پر اپنے گھر سے آ رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ سائیکل سلپ ہو گیا۔ جب سائیکل سلپ ہوا تو گر گئے اور ان کو کافی چوٹ آ گئی۔ خون بھی بہنے لگا۔ جہاں گرے تھے بالکل قریب ڈاکٹر صاحب کی دکان تھی، کلینک تھا اور وہ ڈاکٹر حضرت کے بڑے عقیدت مند، محبت والے تھے۔ حضرت نے گھڑی دیکھی۔ کلاس کا وقت شروع ہونے میں چند منٹ باقی رہ گئے تھے۔ اسی حالت میں حضرت اپنی کلاس میں پہنچے اور طلباء کو ان کا سبق دیا جو معاون بچہ تھا اس کو کہا کہ اس کی منزل سن لو اس کو یہ کر دو یہ کر دو۔ سارا کام ذمے لگانے کے بعد پھر واپس اسی کلینک پر آئے اور اب آ کر انہوں نے اپنے زخم کی پٹی کروائی۔ قرآن مجید کے پیریڈ کا ایک منٹ بھی وہ ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔ کہتے تھے یہ قرآن کا حق ہے کیسے اس کو ضائع ہونے دوں!؟ اتنا تو اہتمام ہوتا تھا۔ اللہ اکبر کبیرا!

......ان کے عزیز رشتہ داروں میں سے ایک قاری صاحب تھے وہ کہنے لگے قاری صاحب کے ہاں ایک چھوٹے بچے کی وفات ہو گئی۔ فجر کا وقت تھا حضرت نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ میں تو فجر پڑھنے کے لیے جا رہا ہوں اور اس کے بعد میں قرآن مجید پڑھانے بیٹھ جاؤں گا۔ گیارہ بجے درمیان میں وقفہ ہو گا اس وقت میں علما طلبا کو لے کر آؤں گا اور

اس وقت جنازہ پڑھا کے اس کو دفن کر دوں گا۔

چنانچہ وہ مسجد میں تشریف لے گئے پیچھے اہلیہ صاحبہ نے اس کو نہلا دیا، کفنا دیا۔ حضرت نے کلاس لی پھر جب وقفہ ہوا تو حضرت طلبا کو لے کر تشریف لائے اور پھر قبرستان میں جا کر جنازے کی نماز پڑھی گئی اور اس بچے کو دفنا دیا۔

بیٹی کی رخصتی کا عجیب واقعہ:

ایک مرتبہ شعبان کے مہینے میں آپ کو چھٹیاں ہوئیں تو کراچی تشریف لے گئے۔ وہاں ایک صاحب آپ کے بڑے عقیدت مند تھے۔ اس نے کہا: حضرت! میری طرف سے آپ ٹکٹ لیجیے اور عمرہ کر آئیے۔ اللہ والوں کے دل تو اللہ کے گھر جانے کے لیے بڑا مچلتے ہیں۔ حضرت نے کہا: بہت اچھا! اس نے کہا: آپ جائیں گے تو اہل خانہ کو بھی لے جائیں۔ حضرت خوش ہو گئے۔ چنانچہ حضرت نے ملتان فون کیا اور اہلیہ سے کہا کہ آپ چھوٹے بیٹے کے ساتھ یہاں آ جائیے۔ ہم یہاں سے آگے عمرے کے لیے چلے جائیں گے۔

انہوں نے جواب میں کہا کہ آ تو جاؤں لیکن جو چھوٹی بیٹی ہے وہ جوان العمر ہے۔ نکاح تو اس کا پہلے ہی ہو چکا ہے ابھی رخصتی نہیں ہوئی۔ اس بیٹی کو کہاں چھوڑ کے آؤں؟ تو فرمایا کہ تم آتے ہوئے بیٹی کی رخصتی کرا آؤ۔ بیوی نے کہا کہ رخصتی کیسے کروں؟ حضرت نے فرمایا: جو اس کے شوہر ہیں وہ قاری صاحب رحیم یار خان کے اندر ایک مدرسے میں پڑھاتے ہیں۔ میں ان کو فون کر دیتا ہوں۔ آپ ملتان سے گاڑی میں بیٹھ جائیں ڈبہ نمبر اور سیٹ نمبر مجھے بتا دیں قاری صاحب کو بتا دیں گے۔ تین منٹ کے لیے رحیم یار خان اسٹیشن پہ گاڑی ٹھہرتی ہے اور وہاں پہ آپ اپنی بچی کو الوداع کر دیں۔ رخصت کر دیں۔

چنانچہ ماں چلی اور بیٹی نے اپنا ایک بریف کیس اور جو ضروریات کی چیزیں تھیں وہ

ساتھ لے لیں۔ قاری صاحب اپنے دوستوں کے ساتھ پلیٹ فارم پر آئے ہوئے تھے۔ گاڑی پلیٹ فارم پر رکی، قاری صاحب ڈبے میں آئے اور ساس صاحبہ نے دعا کروا کے بیٹی کو رخصت کر دیا اور پھر اللہ کے گھر کے سفر کے لیے آگے چل پڑے۔ جن لوگوں سے فیوضات جاری ہوتے ہیں ان لوگوں کی زندگیوں کو اگر دیکھیں تو ان کو قرآن مجید کے ساتھ سچی پکی محبت ہوتی ہے۔

تلاوتِ قرآن کا بلا ناغہ معمول:

ہمارے سسرال سے ایک رشتہ دار تھے انہوں نے دارالعلوم دیو بند سے دورہ حدیث کیا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک پارہ کی تلاوت روزانہ کرنی ہے۔ فرمانے لگے کہ آج بیالیس سال گزر گئے ہیں میری تلاوت میں ایک دن کا ناغہ کبھی نہیں ہوا۔ بیالیس سال گزر گئے۔ یہ ہے عشقِ قرآن، یہ ہے قرآن مجید کی محبت۔

نسل در نسل قرآن کا فیض:

ایک مرتبہ ایک صبح مسجد میں کچھ وعظ و نصیحت کرنے کا موقع ملا۔ جو مسجد کے امام خطیب تھے وہ اپنے گھر ناشتے کے لیے لے گئے۔ ناشتے کے دوران وہ کہنے لگے حضرت! میرے والد عاشق قرآن تھے۔ ہم نے انہیں کہا کہ اب تو ہمیں ناشتے میں مزا نہیں آئے گا، ہمیں تو ان کی باتیں سناؤ اس میں مزا زیادہ آئے گا۔ وہ کہنے لگے ٹھیک ہے آپ ناشتہ کریں میں ان کی باتیں سناتا ہوں۔ یہ بات قاری صاحب نے سنائی۔

کہنے لگے کہ میرے والد صاحب کو کسی نے کہہ دیا کہ اگر کوئی شخص روزانہ ایک قرآن مجید مکمل پڑھے اور دو سال وہ یہ معمول جاری رکھے تو قرآن مجید کا فیض اس کی آنے والی نسلوں میں جاری ہو جائے گا۔ والد صاحب نے یہ بات سنی تو انہوں نے پڑھنا شروع کر

دیا۔ سردی بھی، گرمی بھی، بہار بھی، خزاں بھی، صحت بھی، بیماری بھی، غمی بھی سو طرح کے معاملات سفر بھی حضر بھی مگر میرے والد صاحب ایک قرآن مجید کی تلاوت روزانہ کرتے رہے۔ حفاظ کو تو کوئی رکاوٹ نہیں کہ وہ ایک قرآن مجید روزانہ نہ پڑھ سکیں۔ ان کے لیے تو یاد رکھنا اصل مقصد ہے چاہے ایک دن میں دس دفعہ پڑھ لیں۔ خیر! انہوں نے ایک قرآن مجید روزانہ پڑھنا شروع کیا اور پڑھتے پڑھتے دو سال گزر گئے کہنے لگے کہ قرآن مجید میرے والد کی نسل میں اس طرح جاری ہوا کہ آج میرے جتنے بھائی ہیں جتنی بہنیں ہیں قرآن کے حافظ اور حافظات، ان کے آگے جتنی اولاد ہے اور وہ اولاد سات سال کی عمر کو اگر پہنچ گئی ہے تو میرے بھائی بہنوں کی اولاد میں سے کوئی بچہ ایسا نہیں جو قرآن پاک کا حافظ نہ ہو۔ میرے والد صاحب کی نسل سے مادینہ، نرینہ جتنی بھی اولاد ہے، آگے ان کی بھی جتنی اولاد ہے۔ اگر سات سال کی عمر کو پہنچ گئے تو وہ قرآن پاک کے حافظ ہیں۔ یہ ہوتی ہے قرآن کے ساتھ محبت جو پھر بندے کو اٹھا دیتی ہے۔

قرآن کا فیض کیسے جاری ہوتا ہے؟

حضرت قاری رحیم بخش پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جب عمرے پہ گیا تو مکہ مکرمہ میں میرا قیام رہا۔ وہاں جتنے دن میرا قیام رہا میں نے ہر نماز امام کے پیچھے پہلی صف کے اندر تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کی اور آج ہم جاتے ہیں پورے قیام کے دوران پہلی صف مل جائے تو وہی بڑی خوش نصیبی کی بات ہوتی ہے۔ اتنی محبت ہوتی ہے پھر جا کے کہیں قرآن مجید کا فیض جاری ہوا کرتا ہے۔

''حافظ والا'' گاؤں کی وجہ تسمیہ:

قرآن مجید کے عاشقین اس ملک میں بھی بہت تھے۔ ایک مرتبہ ایک قاری صاحب مجھے اپنے گاؤں لے گئے کہ حضرت! پروگرام ہے۔ میں نے کہا: قاری صاحب! آپ

کیوں مجھے گاؤں میں لے جاتے ہیں؟ سفر کی مشقتیں الگ ہیں اور میں بڑے بڑے شہروں میں ٹائم نہیں دے پاتا۔ کہنے لگا: حضرت! آپ نے اس گاؤں میں میرے ساتھ جانا ہے۔ خیر! ان کے ساتھ تعلق تھا۔ چلے گئے وہ گاؤں شجاع آباد سے ذرا آگے ہے۔ کہنے لگے: حضرت! میں اپنے گاؤں کے بارے میں بتاؤں کہ ہمارے گاؤں کا نام ہے ''حافظ والا'' اور یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ اس گاؤں میں کوئی ایک بھی گھر ایسا نہیں جس میں کوئی بچہ، بچی، مرد، عورت ایسا نہیں جو قرآن مجید کا حافظ نہ ہو۔ پورے گاؤں میں کوئی ایک بھی گھر ایسا نہیں ہے۔ الحمدللہ

آج بھی ایسے گاؤں اسی ملک کے اندر موجود ہیں۔

قرآن مجید کو سفارشی بنالیجیے:

قرآن مجید سے محبت کرنے والے ہر دور اور ہر زمانے میں رہے۔ ایک نکتے کی بات عرض کردوں۔ امید ہے کہ آپ اسے دل کے کانوں سے سنیں گے اور یہ بات فائدے کا سبب بھی بنے گی۔

قرآن مجید کے ساتھ محبت کر لیجیے، دوستی کر لیجیے، تعلق جوڑ لیجیے یہ ہمارے گھروں میں مہمان ہے۔

آپ بتائیں اگر آپ کے گھر میں کوئی مہمان آئے اور آپ اس سے ملیں ہی ناں حال ہی نہ پوچھیں کئی دن گزر جائیں، تو مہمان کیا کہے گا؟ مہمان کہے گا اس نے میری بے اکرامی کی۔ ہمارے اندر اللہ کا قرآن روز موجود ہوتا ہے اگر ہمیں تلاوت کیے کئی دن گزر جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ہم نے اللہ کے بھیجے ہوئے اس مہمان کا اکرام تو نہ کیا۔ اکرام تو یہ ہے کہ ہم دن رات اس کی تلاوت کریں۔ صبح وشام اس کی تلاوت کریں۔ جب اس طرح تلاوت کریں گے تو اس کے ساتھ ہمارا تعلق مضبوط ہوگا۔ پھر قرآن مجید سے ہمیں

برکتیں ملیں گی۔

قیامت کے دن نبی علیہ السلام بھی اپنی امت کی سفارش فرمائیں گے اور قرآن مجید بھی اپنے پڑھنے والے کی قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ اگر قیامت کے دن قرآن مجید ہماری سفارش فرمائے تو پھر بخشش میں کیا رکاوٹ ہوگی؟ آج قرآن مجید کے ساتھ وقت گزارنا شروع کیجیے اس کو روز پڑھیے۔

اگر کوئی بندہ چلتا ہوا بھی آپ سے پوچھ لیتا ہے کہ فلاں راستہ کہاں جاتا ہے؟ تو آپ اس کو پانچ منٹ کھڑے ہو کر بتا دیتے ہیں کہ ادھر کو جاتا ہے۔ اجنبی کو بھی کھڑے ہوئے ہم پانچ منٹ میں (بتا دیتے ہیں) گزار دیتے ہیں۔ کئی مرتبہ اللہ کے اس قرآن کے ساتھ چوبیس گھنٹوں میں سے پانچ منٹ نہیں گزارتے۔ کتنے نوجوان ہیں مہینے گزر گئے لیکن قرآن مجید پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

نوسال بعد تلاوت کی توفیق ملی:

ایک طالب علم بیعت ہوئے۔ میں تو اس کو طالب علم ہی کہوں گا۔ کہنے لگے: حضرت! میں قرآن مجید کا حافظ ہوں۔ دورہ حدیث کیے ہوئے مجھے نوسال گزر گئے ہیں؟ کچھ عرصہ پہلے میں بیعت ہوا اور بیعت ہونے کی برکت سے اب نوسالوں کے بعد میں نے قرآن مجید کی تلاوت کی ہے۔ اگر حافظ ہو کر بھی تلاوت کی توفیق نہیں ملتی تو جو عام لوگ ہیں ان کو تو کتنے دن ہو جاتے ہیں توفیق ہی نہیں ہوتی۔ اللہ اکبر کبیرا

عزتیں دینے والی کتاب:

یہ قرآن مجید بھیجا اس لیے گیا ہے کہ انسان کو عزتیں دے۔ اس لیے بھیجا گیا کہ گرے ہوؤں کو اٹھائے۔ بھٹکے ہوؤں کو سیدھا راستہ دکھائے، ذلت میں پڑے ہوؤں کو معاشرے کے اندر عزت کا مقام دلوائے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دور میں مکہ مکرمہ میں پہاڑی کے قریب جا رہے ہیں ایک جگہ آپ رک گئے اور نیچے دیکھنے لگے۔ آپ رکے پوری فوج رک گئی۔ گرمی کا موسم تھا ساتھ والے بندے نے پوچھا: حضرت! خیریت تو ہے آپ کی وجہ سے سارے لوگ کھڑے ہو گئے۔ حضرت نے فرمایا: ہاں اسلام لانے سے پہلے اپنی جوانی میں میں یہاں اپنے جانوروں کو چرانے کے لیے آتا تھا اور مجھے جانور چرانے کا سلیقہ نہیں آتا تھا۔ میرے جانور روز خالی پیٹ جاتے میرا والد خطاب مجھے کوستا تھا، مارتا تھا، ڈانٹتا تھا، کہتا تھا اے عمر! تو بھی کیا زندگی گزارے گا تجھے جانور چرانے نہیں آتے۔

فرمانے لگے! میں آج اس وقت کو یاد کر رہا ہوں جب عمر کو جانور چرانے نہیں آتے تھے اور آج اس وقت کو دیکھ رہا ہوں جب اسلام اور قرآن کے صدقے اللہ نے عمر کو امیر المومنین بنا دیا۔ قرآن دنیا میں آیا ہی گروں کو اٹھانے کے لیے ہے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے تھے:

’’اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا‘‘

’’اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے قوموں کو بلندی عطا فرماتا ہے‘‘

کوئی فرد اس قرآن سے محبت کرے گا اللہ فرد کو عزتیں دیں گے، کوئی قوم محبت کرے گی تو اللہ اس قوم کو عزتیں عطا فرمائیں گے۔

خلافتِ عثمانیہ کی بنیاد:

ایک ترک تھا اس کا نام تھا عثمان۔ نیک تھا، جذبہ اچھا رکھتا تھا۔ اس کو مہمان نوازی کا بڑا شوق تھا۔ جب کہیں مسافر مل جاتا یہ اس کو لا کر کھانا کھلاتا، گھر ٹھہراتا، اگلے دن رخصت کر دیتا۔ جو اس کے گاؤں والے تھے وہ سب ایک ہی فیملی کے لوگ تھے، ایک ہی قبیلہ تھا۔ وہ اجنبی لوگوں کا اپنے گاؤں میں آنا پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے اس کو کہا کہ تم اجنبی

لوگوں کو نہ لایا کرو۔ آخر گاؤں ہے، عورتیں ہیں، بچیاں ہیں ہم نہیں چاہتے کہ کوئی پرایا بندہ یہاں آئے۔ اسکو جب بھی کوئی مہمان ملتا یہ اسکو گھر لے آتا۔ گاؤں والوں نے مل کر مشورہ کیا کہ اس کو منع کر دیں۔ انہوں نے منع کر دیا۔ پھر اسکو مہمان مل گیا اور یہ اس کو لے آیا۔ اب گاؤں والوں نے مشورہ کیا کہ اگر اب یہ گاؤں میں کسی اجنبی کو لایا تو ہم اس کی پٹائی بھی کریں گے اور گاؤں سے بھی نکال دیں گے۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد یہ پھر مہمان کو لے کر آ گیا۔ گاؤں والوں نے مل کر اس نوجوان کی پٹائی بھی کی اور اس کو انہوں نے کہا کہ تم گاؤں سے نکل جاؤ ورنہ تمہیں جان سے مار دیں گے۔ اب یہ بیچارا بڑا پریشان کہ جاؤں تو کہاں جاؤں۔ پریشانی میں پھر اپنے یاد آتے ہیں۔

اس کے شیخ کوئی پانچ سات کلومیٹر کے فاصلے پر ایک دوسرے گاؤں میں رہتے تھے۔ یہ اپنے شیخ کے پاس چلا گیا کہ حضرت! میرے ساتھ تو یہ معاملہ پیش آیا ہے۔ انہوں نے کہا اچھا ایسے ہے کہ تم رات کو آرام کرو۔ صبح اٹھ کر اس بارے میں کچھ سوچیں گے، تجویز کریں گے۔

چنانچہ یہ عثمان مہمان خانے میں سو گیا۔ تہجد میں اٹھا اس نے نماز پڑھی۔ اس کا معمول تھا کہ یہ تہجد پڑھنے کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرتا تھا۔ اس نے ادھر ادھر قرآن مجید ڈھونڈا تو اس کو پتہ چلا کہ رات کو جدھر یہ پاؤں کر کے سویا ہوا تھا اس سمت میں الماری تھی وہاں قرآن پڑا ہوا تھا۔ اوہو! یہ بڑا پریشان ہوا کہ ساری رات اس کی طرف میرے پاؤں تھے۔ میں تو بے ادبی کا مرتکب ہوا۔ چنانچہ اس نے قرآن مجید کو اٹھایا، چوما، اس کو آنکھوں سے لگایا، سینے سے لگایا اور اللہ سے معافیاں مانگنے لگا۔

اللہ! یہ تیرا کلام ہے اور اس کی طرف پاؤں کر کے سویا رہا ہے بے ادبی کا مرتکب ہوا۔ اللہ! میرے گناہ کو معاف کر دے۔ ادھر یہ رو رو کے معافیاں مانگ رہا ہے اور ادھر ان

کے شیخ کو خواب کی حالت میں زیارت ہوئی اور کہا گیا کہ عثمان کو کہو یہاں سے نکلے، ہم اس کو دنیا میں عزتیں عطا فرمائیں گے۔

اسی دوران شیخ کمرے میں آئے۔ انہوں نے دیکھا عثمان قرآن مجید کو ہاتھ میں پکڑے رو رہا ہے۔ پوچھا عثمان! کیا کر رہے ہو؟ کہنے لگا: حضرت! میں بے ادبی کا مرتکب ہوتا رہا، ساری رات قرآن کی جانب پاؤں کر کے لیٹا رہا۔ مجھے پتہ نہیں تھا۔ اب پتہ چلا تو اللہ سے معافیاں مانگ رہا ہوں۔ انہوں نے کہا: عثمان! مجھے اشارہ ہوا ہے کہ تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ تمہیں اللہ تعالیٰ عزتیں دیں گے۔

وہ نوجوان روئے۔ حضرت! گاؤں والوں نے بھی دھکے دے کر نکال دیا۔ اب آپ بھی یہاں سے رخصت کر رہے ہیں۔ شیخ نے کہا: تم یہاں رک نہیں سکتے۔ مجھے اشارہ ہوا ہے، نکلو یہاں سے جاؤ۔ زبردستی بھیج دیا۔

عثمان جب باہر نکلا تو اس کو دس پندرہ نوجوان مل گئے وہ اپنی زندگیاں دین کی خاطر وقف کر چکے تھے اور چاہتے تھے کہ ہمارا کوئی امیر ہو اور ان میں سے کوئی بننے کو تیار نہیں تھا۔ انہوں نے فیصلہ یہ کیا تھا کہ اچھا کل صبح جو بندہ سب سے پہلے شہر سے باہر آئے گا وہ ہمارا امیر ہوگا۔ انہوں نے عثمان کو دیکھا تو کہا: جناب! آپ ہمارے امیر اور ہم مامور آپ ہمیں جو دین کا کام دیں گے ہم کریں گے۔ عثمان نے کہا بہت اچھا میں تو پہلے ہی تیار ہوں۔ چلو ہم چلتے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے ایک طرف کو جانا شروع کر دیا، اب جس گاؤں میں یہ لوگ رکتے دوسرے لوگ دیکھتے کہ دس پندرہ نوجوان ہیں، خوبصورت چہرے، تقویٰ نظر آتا ہے۔ نیکی نظر آتی ہے وہ پوچھتے کہاں جا رہے ہو؟ یہ کہتے بس زندگیاں دین کے لیے وقف کر دی ہیں۔ ہم اللہ کے دین کے لیے جا رہے ہیں تو ہر گاؤں سے پانچ، سات نوجوان ان کے

ساتھ ہو جاتے ۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

وہ تو ایک جماعت بن گئی، کئی سو بلکہ ہزاروں کی۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ فلاں جگہ کافروں کی سرحد ہے اور وہاں سے مسلمانوں کو کئی دفعہ مشکلات پیش آتی ہیں ہم وہاں جاتے ہیں۔ ہم عیسائیوں کو (اگر وہ حملہ کریں گے تو پھر) مزا چکھائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے جہاد کی نیت سے وہاں جانا شروع کر دیا۔

اللہ کی شان کہ جب یہ وہاں سے ابھی کچھ دور چند کلومیٹر کے فاصلے پر تھے تو اس ملک کے جو مخبر تھے انہوں نے دیکھ لیا۔ انہوں نے جا کر بادشاہ کو اطلاع دی۔ جناب! ایک ہزار کے قریب نوجوان ہیں سب بڑے جذبے والے، سب جان دینے والے ہیں اور وہ آرہے ہیں اور آکے ہوسکتا ہے وہ حملہ ہی کر دیں۔ آپ کی فوج ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ اس کا کوئی بندوبست کرلیں۔

عیسائی بادشاہ بوڑھا تھا وہ خود یہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی ایسا معاملہ ہو۔ اس نے پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے ساتھ صلح کرلیں۔ اور اگر آپ چاہتے ہیں تو میں اپنی بیٹی آپ کو نکاح میں پیش کر دیتا ہوں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میں اس وعدے پہ سچا ہوں، پکا ہوں۔ آپ ہمارے ساتھ جنگ نہ کریں، ہم حملہ نہیں کرتے۔ مشورہ کیا گیا۔ نوجوانوں نے کہا کہ آپ اس کو قبول کرلیں۔ چنانچہ بادشاہ کی جو بیٹی تھی وہ مسلمان ہوئی اور عثمان کے نکاح میں آ گئی۔ اب عثمان نے وہاں زندگی گزارنی شروع کر دی۔ اللہ کی شان کہ بادشاہ کی ایک ہی بیٹی تھی اور اولاد نہیں تھی۔ چند دنوں بعد جب بادشاہ مرا تو پیچھے کسی کو اس کا نائب بنانا تھا تو لوگوں کو اس کے داماد سے بہتر بندہ کوئی نہ ملا چنانچہ لوگوں نے عثمان کو بادشاہ

بنادیا۔ عثمان کو جب بادشاہت ملی تو اس نے سوچا کہ میں تو اپنے گھر سے نکلا ہوا، دھتکارا ہوا بندہ تھا۔ مجھے میرے شیخ نے کہا تھا کہ تم نے قرآن کی عزت کی ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے تجھے عزتیں دیں گے۔ لہٰذا آج مجھے اللہ نے یہ شاہی عطا فرمائی۔ میں جو کچھ بنا قرآن کے صدقے بنا۔ میں قرآن کے حکم کو لاگو کروں گا۔ شریعت کے حکم کو لاگو کروں گا۔ چنانچہ عثمان نے شریعت کے لاگو کرنے کا فیصلہ کرلیا حتیٰ کہ عدالت کے اندر پہلے قرآن کو لے جایا جاتا تھا اور لوگ ادب کی وجہ سے کھڑے ہوتے تھے پھر بیٹھتے تھے۔ پھر قرآن کے مطابق فیصلے ہوتے تھے۔ پہلے قرآن مجید کو اٹھا کر لے جاتے پھر مجلس برخاست ہوتی تھی۔ یہ قرآن مجید کے احکام جو لاگو ہوئے تو اس کا نام خلافت عثمانیہ بنا۔ جو کئی سو سال تک اللہ کے حکموں کے مطابق زندگیوں کے گزارنے کا سبب بن گیا۔ ایک نوجوان جو اللہ کے قرآن کا ادب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں خلافت قائم کرنے کا سبب بنا دیتا ہے۔

ایک نکتے کی بات:

یہاں ایک نکتے کی بات عرض کردوں:

جہاں بھی آپ دیکھیں گے کسی کو عزت ملی، ذرا غور کرنا اس کے پیچھے کہیں نہ کہیں آپ کو اس کا قرآن مجید کے ساتھ گہرا تعلق نظر آئے گا۔ یا اس کے پیچھے کسی ایسے بندے کی دعائیں ہوں گی جو عاشق قرآن ہوگا۔ اس کو آپ اچھی طرح دیکھ لیں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عشقِ قرآن:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نمبر لے گئے، اور عشق قرآن مجید میں ان کو دوسرے صحابہ کرام پر عجیب امتیاز حاصل تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جب الزام لگایا گیا تو وہ فرماتی ہیں کہ میں نبی علیہ السلام سے اجازت لے کر والدہ کے گھر گئی۔ میں نے دیکھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ چارپائی پر بیٹھے ہوئے ہیں، قرآن مجید پڑھ

رہے ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور تلاوت کیے جا رہے، وہ عاشق قرآن تھے۔

جب سورۃ النصر نازل ہوئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوش ہو گئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں سے آنسو جاری ہو گئے۔ فرمانے لگے کہ انبیا کرام ایک مقصد کے لیے آتے ہیں۔ جب مقصد پورا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو واپس بلا لیتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ النصر کے نازل ہونے میں مجھے اپنے محبوب کی جدائی کی مہک آ رہی ہے۔ اور واقعی بات وہی نکلی۔ جب نبی علیہ السلام کی وفات ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایک ایسا عجیب حال تھا غم کا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے کہ اگر کوئی کہے گا کہ نبی علیہ السلام فوت ہو گئے تو اسکی گردن اڑا دوں گا، ایسے وقت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سب صحابہ کو ایک جگہ اکٹھا کر کے پھر یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ﴾

صحابہ کہتے ہیں: آیتیں تو پہلے سے نازل ہوئیں تھی لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان سے سن کے ہمیں یوں لگ رہا تھا جیسے اب اللہ کا یہ قرآن نازل ہوا ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا عشق قرآن:

ذرا اور آگے آئیے! ائمہ فقہا میں سے ایک امام ایسے ہیں جن کو کہا جاتا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ باقیوں کو امام کہا جاتا ہے اور ان کو امام اعظم کہا جاتا ہے۔ ان کو یہ عزت کیسے ملی، یہ مقام کیسے ملا؟ اگر آپ غور کریں تو اللہ نے ان کو عشق قرآن کی وجہ سے یہ مقام عطا فرمایا تھا۔ ان کے بارے میں آتا ہے کہ رمضان المبارک میں تریسٹھ قرآن مجید تلاوت کرتے تھے، ایک دن میں اور ایک رات میں (30x2) ساٹھ، اور تین تراویح کی نماز میں تو روزانہ قرآن مجید پڑھنے کی وجہ سے تریسٹھ قرآن مجید ایک رمضان المبارک

میں پڑھتے تھے۔قرآن مجید کے ساتھ ان کو ایسا تعلق تھا۔

آپ نے سنا ہوگا کہ عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے۔ساری ساری رات ان کو اللہ کے قرآن پڑھنے میں گزر جاتی تھی۔

ایک واقعہ لکھا ہے کہ ان کے ہمسائے میں ایک بچہ تھا، وہ اپنے والد کے ساتھ گرمیوں میں چھت پہ سوتا تھا۔ایک دن اپنے والد سے کہنے لگا ابو جی! وہ جو ساتھ والی چھت پر ایک منارا تھا وہ اب نظر نہیں آتا۔کیا وہ گر گیا؟ جب بچے نے یہ پوچھا تو باپ کی آنکھوں سے آنسو آ گئے اور کہنے لگا بیٹا! وہ مینارا نہیں تھا وہ ابوحنیفہ تھے جو ساری رات اللہ کا قرآن پڑھا کرتے تھے، اب وہ فوت ہو گئے تم اس مینارے کو کبھی نہیں دیکھو گے۔اتنا قرآن پڑھتے تھے۔چنانچہ ان کا شاگرد بننے کے لیے قرآن مجید کا حافظ ہونا شرط ہوا کرتا تھا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کی شاگردی اختیار کی۔تھوڑے دنوں بعد حضرت نے پوچھا کہ بھئی قرآن مجید کے حافظ ہو۔کہنے لگے نہیں۔فرمایا: تمہیں پتہ نہیں کہ میرے پاس علم حاصل کرنے کے لیے قرآن مجید کا حافظ ہونا ضروری ہے۔وہ کہنے لگے اچھا حضرت! جاتا ہوں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نوجوان تھے وہ چلے گئے۔ایک ہفتے کے بعد واپس آئے، حضرت نے سوچا کہ ملنے کے لیے آئے ہوں گے پوچھا محمد! کیسے آنا ہوا؟ کہنے لگے: حضرت! ایک ہفتے کے اندر پورے قرآن مجید کو یاد کرنے کے بعد واپس آیا ہوں۔سیدنا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قرآن مجید کے ساتھ یہ عشق تھا جس کی وجہ سے اللہ نے ان کو عزتیں دیں کہ وہ امام اعظم کہلائے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا عشقِ قرآن:

باقی ائمہ کو بھی دیکھیں۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی۔کیوں؟ ان کے

عشق قرآن کی وجہ سے۔خود اپنے حالات میں لکھتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ قافلے کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف چلا۔ہمیں مکہ سے مدینہ طیبہ جاتے ہوئے سولہ دن راستے میں لگے اور میں نے سولہ دن میں سولہ قرآن مجید کو مکمل پڑھ لیا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا عشق قرآن:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا عشق قرآن دیکھیے کہ انہوں نے قرآن مجید کے پیچھے کیا قربانی دی اور کتنی تکلیف برداشت کی۔اور اسی نے ان کو اللہ رب العزت کے ہاں مقبول بنادیا:

آج ائمہ کا فیض پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔اس سے اور ذرا آگے چلیے تا کہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔

خاندانِ ولی اللہ اور عشقِ قرآن:

خاندان ولی اللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انڈیا میں ان کے ذریعے سے حدیث کا علم آیا اور آج جتنے مدارس ہیں ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے علم کا بوٹا لگایا۔ذرا توجہ فرمایئے۔

ان کو جو بھی ترقی ملی قرآن مجید کی محبت کی وجہ سے ملی۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز نے قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھی۔پھر اس سے نیچے ان کے دو بیٹے تھے۔دو بیٹوں نے قرآن مجید کا اردو میں ترجمہ کیا۔ایک نے بامحاورہ ترجمہ کیا اور دوسرے نے تحت اللفظ ترجمہ کیا۔ ان کے ایک بیٹے نے اٹھارہ سال مسجد میں نفلی اعتکاف کیا۔جب قرآن مجید کا ترجمہ مکمل ہوا پھر مسجد سے باہر آئے۔یہ ان کے خاندان میں عشقِ قرآن تھا جس نے ان کو آج علم کے آسمان کا آفتاب و ماہتاب بنادیا۔جس کی وجہ سے آج پورے ملک کے اندر اور قریب

کے ملکوں کے اندر اللہ کے قرآن کا یہ فیض جاری ہے۔ عزتیں ملیں کس سے؟ قرآن مجید سے۔

میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا عشقِ قرآن:

ذرا اور قریب آجائیے۔ علمائے دیوبند کے روحانی پیشوا حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی بیعت دہلی کے ایک عالم مولانا عبدالرحیم سے تھی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں حضرت نے ان کو اجازت وخلافت دے دی۔ اس کے بعد وہ فوت ہو گئے۔ انہوں نے سوچا کہ میری عمر تو بہت چھوٹی ہے اور میں کسی سائے کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس لیے مجھے کسی اور شیخ سے بیعت کرنی چاہیے۔

چنانچہ ان کو محبت تھی حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ انہوں نے چشتیہ سلسلے میں بیعت ثانوی کی اور چشتیہ سلسلہ کے اسباق طے کیے۔ یہ نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ عاشق قرآن تھے۔ حافظ نہیں تھے عاشق تھے۔ پنجابی زبان میں جسے کہتے ہیں ''قل اعوذ بیہ'' کہ قل اعوذ والی سورتیں پڑھیں اور دعائیں منگوائیں۔ یہ ایسے ہی تھے لیکن قرآن سے محبت اتنی تھی کہ سولہ سال میں ایک مرتبہ بھی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی، تقویٰ ایسا تھا۔ یہ ان کی دعائیں تھیں اور ان کا فیض تھا، اللہ نے ان کے شاگرد کو ایسا قبول کیا کہ وہ تمام علماء کے روحانی شیخ بن گئے۔ آج ان کا فیض پوری دنیا میں جاری وساری ہے۔

تو جہاں کسی کو اٹھایا گیا اس کو عزتیں ملیں غور کریں تو اس کے پیچھے یا تو کسی عاشق قرآن کی دعائیں ہوں گی یا پھر وہ بندہ خود عاشق قرآن ہوگا۔

مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کو سعادت کا تاج کیسے ملا؟

ایک بات اور کرتا ہوں ذرا توجہ سے سنیے، کیا؟ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ، ان کو اللہ نے کیا عزت وقبولیت دی۔ آج دنیا کے شاید سو کے قریب یا اس سے زیادہ ملکوں میں ان

کی وجہ سے دین کی دعوت کا کام جاری وساری ہے۔ ان کو اللہ نے یہ سعادت کے تاج پہنائے لیکن کبھی سوچا کہ ان کو یہ سعادت کا تاج ملا کیسے؟ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے والد صاحب بچوں کو قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے اور ان کی زندگی خدمت قرآن میں گزری۔ یہ ان کے عاشق قرآن باپ کی دعا تھی، اللہ نے ان کے بیٹے سے دعوت کا یہ کام لے لیا۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا عشق قرآن:

حضرت مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ قرآن مجید کے ساتھ ان کا عشق اتنا تھا اللہ اکبر کبیرا! آج سب ان کی تفسیر پڑھتے ہیں۔ اللہ نے ان کو شیخ الہند بنا دیا۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق قرآن:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو آج فقیہ وقت کہا جاتا ہے انکو یہ عزتیں کس نے دیں؟ قرآن نے دیں۔ ان کا قرآن مجید کے ساتھ کیسا تعلق تھا؟

ایک مرتبہ ان کو کسی وجہ سے حاکم نے جیل میں ڈال دیا۔ ان کے ساتھ ایک اور قیدی تھا جو قرآن مجید پڑھا ہوا نہیں تھا۔ حضرت نے ان کو قرآن پڑھانا شروع کر دیا۔ کچھ عرصے بعد آرڈر آ گئے کہ ان کو جیل سے نکالنا ہے۔ اب جیل سپرنٹنڈنٹ نے آپ (حضرت) سے آ کر کہا کہ آپ گھر جا سکتے ہیں۔ فرمایا: میں تو گھر نہیں جاؤں گا۔ اس نے پوچھا: کیوں؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے قیدی کو قرآن پڑھانا شروع کیا ہے، ابھی آدھا مکمل ہوا ہے جب تک پورا مکمل نہیں ہوتا میں نہیں جاؤں گا۔ حضرت جیل میں ٹھہرے رہے، قیدی کو قرآن مجید مکمل کروانے کے بعد گھر تشریف لے آئے۔

آپ جہاں بھی دیکھیں گے، جس سے اللہ نے دین کا کام لیا یا عزتیں بخشیں ذرا غور کرنا آپ کو کہیں نہ کہیں اس کے پیچھے اللہ کا قرآن نظر آئے گا۔

امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کا عشقِ قرآن:

امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیان کا ایک عجیب فیض عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ ان کا بیان سننے کے لیے مسلمان، ہندو سب اکٹھے آتے تھے۔ اور انہوں نے دین کا خوب کام کیا لیکن ان کا قرآن مجید کے ساتھ عجیب تعلق تھا۔ قرآن ایسا پڑھتے تھے کہ فرمایا کرتے تھے ''لوگو! تم سید کے بیٹے کا قرآن نہیں سن سکتے''

ایک مرتبہ علی گڑھ کے اندر کسی نے ان کی تقریر رکھوا دی اور علی گڑھ والے ذہنی طور پر ان کے مخالف تھے۔ چنانچہ حضرت وہاں تشریف لے گئے، لوگوں نے منصوبہ یہ بنایا کہ جب ان کو سٹیج پہ بلایا جائے گا، اس وقت سب طلباء انکار کر دیں گے کہ ہم اس کی بات نہیں سننا چاہتے۔ لہٰذا ان کو پریشان ہو کر، ذلیل ہو کر واپس جانا پڑے گا۔ حضرت کو تو معلوم نہیں تھا۔ حضرت وہاں گئے۔ چنانچہ ان کو تقریر کے لیے بلایا گیا۔ طلباء کھڑے ہو گئے کہنے لگے ہم نے اس بندے کی تقریر نہیں سننی۔ ہم نہیں سننا چاہتے۔ انتہائی بدتمیزی کا طوفان کھڑا کر دیا حضرت پہلے تو خاموش رہے پھر فرمایا:

میں اتنے میلوں کا سفر کر کے یہاں آیا ہوں میرے عزیز بچو! اگر آپ مجھے اجازت دو تو میں آپ کو قرآن مجید کا ایک رکوع سنا کے چلا جاؤں۔ اب اس وقت طلباء کے دو گروہ ہو گئے۔ کچھ کہنے لگے ہم نے قرآن بھی نہیں سننا اور کچھ کہنے لگے قرآن سننے میں کیا رکاوٹ ہے کیوں نہیں سننا تم نے؟ لو جی! آدھے بچے جب فیور (حمایت) میں ہو گئے تو وہ غالب آ گئے۔ انہوں نے کہا قرآن کیوں نہیں سننا؟ حضرت! سنائیں قرآن۔ چنانچہ حضرت کو قرآن سنانے کے لیے کہا گیا۔ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے جب قرآن پڑھنا شروع کیا۔ ایسا سوز کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے تھے کہ جب قرآن مجید کا رکوع مکمل کیا تو پورا کا پورا مجمع ایک عجیب جذب کی حالت میں تھا۔ حضرت نے فرمایا: بچو! اگر اجازت

دو تو میں اس رکوع کا ترجمہ بھی سنادوں۔ تو بچوں نے خاموشی اختیار کی، حضرت نے علی گڑھ میں دو گھنٹے کی تقریر فرمائی اور پھر واپس آئے۔ کئی مرتبہ آپ تلاوت کرتے تھے اور ہندو آپ کا قرآن سن کر اسلام قبول کرلیا کرتے تھے۔ یہ ایسا کیوں تھا؟

قرآن سن کر سانپ جھومنے لگا:

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علاقہ چکوال کے ایک آدمی نے بتایا۔ کہنے لگا کہ ایک رات امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ میرے ہاں مہمان ٹھہرے۔ سردیوں کی رات تھی میں نے کہا حضرت چلو آرام کرلیں۔ صبح ان سے ملاقات ہوگی۔ میں نے اٹھ کر تہجد پڑھی اور سوچا کہ میں اٹھ کر جا کر دیکھوں تو سہی آرام کر رہے ہیں کوئی ضرورت تو نہیں؟ میں جب کمرے میں گیا تو حضرت کمرے میں موجود نہیں تھے۔ میں نے کہا میرے مہمان کہاں گئے؟ میں باہر نکلا۔ باہر کچھ اندھیرا تھا کچھ ہلکی ہلکی روشنی ہونے لگ گئی تھی۔ کہنے لگے مجھے دور سے کسی کے قرآن مجید پڑھنے کی آواز آئی۔ کہنے لگے کہ میں آہستہ قدموں پہ چلتا چلتا وہاں گیا۔ جب میں وہاں گیا تو میں نے دیکھا کہ کھلے آسمان کے نیچے ایک چٹان کے اوپر شاہ صاحب بیٹھے ہوئے آنکھیں بند کر کے اللہ کا قرآن پڑھ رہے تھے اور وہ کہتا ہے میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں ایک سانپ حضرت کے سامنے قرآن سن رہا تھا اور جھوم رہا تھا۔ حضرت نے جب تلاوت مکمل کی سانپ اپنی طرف چلا گیا، حضرت اٹھ کے مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے واپس تشریف لے آئے۔ دنیا میں جس کو عزت ملی کس سے ملی؟ اللہ کے قرآن کی وجہ سے ملی اس لیے کہ

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْقُرْآنِ أَقْوَامًا﴾

''اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعے قوموں کو بلندی عطا فرما دیتے ہیں''

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا عشقِ قرآن:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھو! عاشق قرآن تھے۔ انہوں نے کتنا علم کا کام کیا۔ اٹھائیس سو کتابیں انہوں نے لکھیں۔ آج 2800 کتابیں لوگ پوری زندگی میں پڑھتے نہیں۔ انہوں نے اتنی کتابیں لکھ دیں اور بیان القرآن (سبحان اللہ) کیا عجیب تفسیر لکھی۔

حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے طلباء کو منع فرماتے تھے کہ اردو کی تفسیریں مت پڑھا کرو، استعداد کم ہوگی۔ عربی کی پڑھا کرو۔ جب حضرت کے سامنے بیان القرآن کی تفسیر آئی۔ حضرت فرمانے لگے: آج کے بعد میں کسی کو اردو کی تفسیر پڑھنے سے منع نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ اس بیان القرآن میں اتنے علم کو حضرت نے سمو دیا۔

جس کو فضیلت ملی آپ ذرا غور تو کریں آپ کو اس کے پیچھے کہیں نہ کہیں قرآن کی محبت، قرآن کا عشق نظر آئے گا۔ اس قرآن نے اس کو اٹھایا ہوگا اور عزتوں کا تاج پہنایا ہوگا۔

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کا عشقِ قرآن:

ہمارے حضرت پیر غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ مرشد عالم کہلائے جاتے تھے۔ یہ مرشد عالم کیسے بنے؟ قرآن کی محبت کی وجہ سے۔ اتنا عشق تھا ان کو قرآن سے کہ ہم نے دیکھا کہ حضرت تھکے ہوئے آتے تھے اور قرآن سن کر بالکل فریش ہوجاتے۔ فرماتے تھے کہ قرآن سننے سے میری تھکن دور ہو جاتی ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

ایک دفعہ مری میں حضرت کے ساتھ رمضان المبارک میں کچھ وقت گزارنے کا موقع ملا۔ رمضان کا مہینہ تھا اور وہ ایک ایسی رات تھی کہ وہاں مسجد والوں نے باہر ملک سے قُرّاء کو بلایا ہوا تھا۔ اور انہوں نے اپنا قرآن سنانا تھا۔ وہ امام صاحب بتاتے

لگے کہ اس مصلے پر چھتیس سال سے ہم یہ رات گزارتے ہیں اور چھتیس سال میں ایک بھی قاری کو کبھی لقمہ دینے کی بھی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ایسے قاریوں کو بلاتے تھے کہ جن کو قرآن مجید اس طرح یاد ہوتا تھا۔ جس طرح کہ لوگوں کو سورۃ فاتحہ یاد ہوتی ہے۔ ایسے لوگ آتے تھے۔ حضرت بھی وہیں تھے اور حضرت کو شوگر کی بیماری تھی، عمر نوے سال کے قریب تھی۔ حضرت نے مغرب کے بعد افطاری کی، وضو فرمایا اور وضو کر کے مسجد میں تشریف لے آئے۔ عشاء کی نماز ہوئی، تراویح شروع ہوگئی تراویح مکمل ہونے کے بعد قُراء کی اپنی تراویح کچھ رہتی تھیں، دو دو رکعت کر کے چھوڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے تراویح کی نیت کرنی تھی اور پیچھے والوں نے نفل کی نیت کرنی تھی۔ چنانچہ انہوں نے قرآن سنانا شروع کر دیا۔ میں نے پوچھا کہ حضرت! آپ وضو وغیرہ تازہ کرنے کے لیے کمرے میں جائیں گے مغرب کا وضو اور اب تراویح وغیرہ بھی ہوگئی۔ حضرت نے فرمایا نہیں قرآن سنوں گا۔

حضرت نے نیت باندھ لی۔ ساری رات قرآن مجید سنتے رہے۔ حتیٰ کہ سحری سے ایک گھنٹہ پہلے مسجد والوں نے سحری کا انتظام وہیں پر کیا ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت نے سحری بھی وہیں کی۔ اب جب سحری کر لی، اذان ہوگئی تو نماز میں تھوڑا وقفہ تھا۔ میں پھر قریب ہوا اور پوچھا کہ حضرت آپ کمرے میں تشریف لے جائیں گے وضو تازہ کرنا ہوگا؟

سحری کے بعد تو اچھے بھلے بندے کو بھی واش روم استعمال کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جب میں نے کہا کہ حضرت وضو کرنا ہے؟ تو فرمایا کہ میرا وضو کوئی کچا دھاگا ہے! حضرت نے آگے سے یہ الفاظ کہے۔ میں خاموش ہوگیا۔ شوگر کے مریض ہیں تقریباً نوے سال کی عمر ہے اور مغرب کا وضو کیا ہوا اور فرماتے ہیں کہ میرا وضو کوئی کچا دھاگا ہے۔ حضرت نے فجر کی نماز پڑھی اور فجر کی نماز پڑھنے کے بعد درس قرآن میں بیٹھ گئے۔

یااللہ! حضرت نے ایک گھنٹے کا درسِ قرآن دیا، اس کے بعد اشراق کی نماز پڑھی اور اشراق پڑھنے کے بعد آئے اور آ کر نیا وضو کیا۔ لوگ امام اعظم پہ باتیں کرتے تھے کہ وہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے۔ اللہ کے بندو! ہم نے مغرب کے وضو سے اشراق کی نماز پڑھتے ہوئے ایک اللہ والے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ چنانچہ حضرت جب گفتگو فرماتے تھے تو عام گفتگو میں قرآن مجید کی آیتیں بیان کرتے تھے۔ حضرت کے صاحبزادے مولانا عبدالرحمٰن قاسمی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ اباجی پورے دن کی گفتگو میں جتنی آیتیں پڑھتے ہیں اگر میں ان کو اکٹھا کروں تو میرے اندازے میں تین سے چار پارے قرآن مجید کی تلاوت مکمل ہو جاتی ہے۔ اس عشق قرآن کا اللہ نے ان کو کیا اجر دیا کہ آج پوری دنیا میں ہمارے حضرت کا فیض پھیلا ہوا ہے۔

یہ بات ذہن میں رکھیے کہ جس کو بھی اللہ نے اٹھایا اگر آپ دیکھیں تو وہ بندہ یا اس کے پیچھے کوئی عاشق قرآن ہوگا۔ جس کی دعاؤں نے اس کو اٹھا کے، عزتوں کے تاج پہنائے ہوئے ہوں گے۔

اللہ رب العزت ہمیں قرآن مجید کے ساتھ سچی پکی محبت نصیب فرمائے۔ ہماری زندگی کا کوئی دن قرآن مجید کی تلاوت کے بغیر نہ گزرے۔

بھلے ایک صفحہ روز پڑھ لیجیے، سورۃ یسین روز پڑھ لیجیے مگر زندگی کا کوئی دن قرآن مجید کے بغیر نہ گزاریے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قرآن مجید کے ساتھ سچی نسبت عطا فرمائے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
ہم خوار ہوئے ہیں تارکِ قرآن ہوکر

اللہ تعالیٰ ہمیں اس قرآن مجید کے ساتھ پکی سچی محبت عطا فرمائے اور اپنے مقبول

بندوں میں شامل فرمالے اور دنیا و آخرت کی عزتیں نصیب فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ○

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

اسلوبِ بندگی

از افادات

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

اقتباس

ایک راستہ کہ انسان بڑے کی بات نہ مانے اور آگے سے دلیل(Logic) پیش کرنی شروع کر دے، یہ ہے شیطان کا راستہ۔ جو اس راستے پہ چلتا ہے ہمیشہ اس کو شیطان کی طرح ذلت ہی ملتی ہے۔

جب احساس ہو کہ میں نے غلطی کر لی پھر آگے سے حیل حجت نہیں کی جاتی، آگے سے بہانے نہیں بنائے جاتے بلکہ سادہ سی بات ہے کہ مجھ سے غلطی ہوئی آپ مجھے معاف کر دیں۔ یہ ایک ایسی بات ہے، ایسا نکتہ ہے کہ اگر آج ہمارے معاشرے میں لوگوں کو یہ سمجھ آجائے تو گھروں کے جھگڑے، دفتروں کے مسئلے اور کاروباری معاملات بالکل حل ہو جائیں، مگر ہم ایسا نہیں کرتے۔

(حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم)

اسلوبِ بندگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَایَعْلَمُوْنَ○(یوسف:۲۱)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ○وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ○وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اللہ رب العزت نے اس کائنات کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا۔ انسان اللہ رب العزت کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ اس کو اللہ رب العزت نے دنیا میں اپنا نائب، اپنا خلیفہ اور اپنی صفات کا مظہر اتم بنایا۔

مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ:

اس کائنات میں ہر وقت اللہ رب العزت کا حکم جاری وساری ہے۔ مرضی ہر حال میں اس پروردگار کی پوری ہوتی ہے۔

سیدنا آدم علیہ السلام کی مثال:

چنانچہ آپ غور کیجیے۔ سیدنا آدم علیہ السلام چاہتے تھے کہ جنت میں رہیں اور اللہ رب العزت ان کو دنیا میں بھیجنا چاہتے تھے۔ بالآخر نتیجہ کیا نکلا؟ سیدنا آدم علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے۔ مرضی کس کی پوری ہوئی؟ اللہ رب العزت کی۔

سیدنا نوح علیہ السلام کی مثال:

سیدنا نوح علیہ السلام طوفان کی حالت میں کھڑے ہیں، کشتی پر سوار ہیں۔ بیٹا آنکھوں کے سامنے ہے، شفقت پدری اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ بیٹا کشتی میں سوار ہو جائے اور ڈوبنے سے بچ جائے، وہ چاہتے ہیں کہ بیٹا بچ جائے اور اللہ رب العزت چاہتے ہیں کہ وہ ڈوب جائے۔ تو مرضی کس کی پوری ہوئی؟ اللہ رب العزت کی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مثال:

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل کو جب اللہ کے راستے میں قربان کرنے کا ارادہ فرمالیا تو آپ نے اپنے بیٹے کو بتایا:

﴿اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی﴾ (الصافات:۱۰۲)

"اے بیٹے! بیشک میں نے دیکھا کہ تجھے اللہ کے راستے میں قربان کر رہا ہوں تم بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟"

بیٹا ایسا سعادت مند تھا کہ اس نے جواب دیا:

﴿یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ (الصافات:۱۰۲)

"اے میرے ابا جان! آپ کر گزریئے جس کا آپ کو حکم ہوا۔ آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے"

قرآن مجید نے گواہی دی۔

﴿فَلَمَّآ اَسْلَمَا﴾

''جب دونوں نے یہ بات ٹھان لی''

یعنی دونوں اس بات پہ تل گئے، باپ ذبح کرنے پر، بیٹا ذبح ہونے پر۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری بھی تیز کرلی، بیٹے کو بھی لٹادیا، چاہتے ہیں کہ بیٹے کو ذبح کریں اور اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں بیٹا ذبح نہ ہو۔ تو بالآخر مرضی کس کی پوری ہوئی؟ اللہ رب العزت کی۔

سیدنا رسول اللہ ﷺ کی مثال:

ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے شہد نہ کھانے کا ارادہ کرلیا کہ آج کے بعد میں شہد نہیں کھاؤں گا۔ فلاں قسم کی اس میں مہک آتی ہے۔ جیسے ہی آپ نے نہ کھانے کا ارادہ کیا تو اللہ رب العزت کی طرف سے محبوبانہ خطاب آگیا:

﴿يَاۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤاَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ (تحریم:۱)

''اے نبی ﷺ! آپ کیوں اس چیز کو حرام کرتے ہیں جس کو اللہ نے حلال کیا؟''

﴿تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (تحریم:۱)

ان آیات کے بعد نبی علیہ السلام نے دوبارہ شہد کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ تو مرضی کس کی پوری ہوئی؟ اللہ رب العزت کی۔

یہ طے شدہ بات ہے کہ مرضی ہر حال میں اللہ رب العزت کی پوری ہوتی ہے۔ اگر ہم یہ راز سمجھ لیں تو ہمارے لیے بندگی آسان ہوجائے۔ بات کو ماننا، احکام شریعت کے سامنے سر جھکانا ہمارے لیے بہت آسان ہوجائے۔ جب نفس کے اندر عجب ہوتا ہے، تکبر

ہوتا ہے تو پھر انسان حکمِ خدا کے سامنے حجت کرتا ہے:

دیکھیں راستے دو ہیں:

زندگی گزارنے کے دو راستے:

ایک حضرت آدم علیہ السلام کا راستہ ہے اور ایک شیطان ابلیس کا راستہ ہے۔

جب اللہ رب العزت نے حکم دیا:

﴿اُسْجُدُوْا لآدَمْ﴾

''تم حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو''

سب فرشتوں نے سجدے کیے مگر عزازیل نے سجدہ نہ کیا۔ اللہ رب العزت نے پوچھا:

﴿مَا مَنَعَكَ اَنْ لَّا تَسْجُدْ﴾ (ص:۷۵)

''تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا''

اس نے آگے سے دلیل (logic) بیان کی:

﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾ (ص:۷۶)

''میں اس سے بہتر ہوں''

﴿خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ (ص:۷۶)

''مجھے آگ سے پیدا کیا جو بلندی کی طرف مائل ہوتی ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا جس میں عاجزی اور پستی ہوتی ہے۔ لہٰذا میں سجدہ کیسے کرتا''

اب چونکہ حکمِ خدا کے سامنے اس نے حجت بیان کی، کٹ حجتی کی تو اللہ رب العزت کا ارشاد ہوا۔ فرمایا:

﴿فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ﴾ (ص:۷۷)

''نکل جا میرے دربار سے تو مردود ہے''

﴿وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ (ص:۷۸)

''قیامت تک تیرے اوپر میری لعنتیں برستی رہیں گی''

سیدنا آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ تم نے اس درخت کا پھل نہیں کھانا۔ چنانچہ شیطان نے ان کے سامنے قسمیں کھائیں کہ اس کو کھانے سے آپ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔قرآن مجید گواہی دے رہا ہے:

﴿وَقَاسَمَهُمَا﴾ (الاعراف:۲۱)

''اس نے قسمیں کھائیں''

حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں ایک بات آئی کہ جس درخت کے میں قریب تھا اس کا پھل کھانے سے منع کیا ہے مطلقاً اس پھل کو منع نہیں کیا۔ چنانچہ دوسرے درخت کے پھل کو انہوں نے کھا لیا اور گندم کا دانا کھاتے ہوئے ان کے ذہن میں نافرمانی ہرگز نہیں تھی۔قرآن نے گواہی دی۔اللہ تعالیٰ جو سینوں کے بھید جانتے ہیں، فرماتے ہیں:

﴿وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ (طٰہٰ:۱۱۵)

''ہم نے اس کے اندر نافرمانی کا ارادہ نہیں پایا''

یہ ایک بھول تھی۔ جب بھول ہوگئی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا؟ جیسے ہی یہ حکم ہوا حضرت آدم علیہ السلام نے کوئی تفصیل نہیں کی، آگے سے کوئی لوجک بیان نہیں کی۔صرف اتنا کہا:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

(الاعراف:۲۳)

''اے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر آپ ہمیں نہ بخشیں اور ہم پر رحم نہ کریں تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے''

اس غلطی کو تسلیم کرنے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس غلطی کو معاف بھی فرما دیا اور منصب نبوت سے بھی نوازا۔

ایک راستہ کہ انسان بڑے کی بات نہ مانے اور آگے سے دلیل (Logic) پیش کرنی شروع کردے، یہ ہے شیطان کا راستہ۔ جو اس راستے پہ چلتا ہے ہمیشہ اس کو شیطان کی طرح ذلت ہی ملتی ہے۔

جب غلطی کا احساس ہو جائے تو......

جب احساس ہو کہ میں نے غلطی کر لی پھر آگے سے حیل حجت نہیں کی جاتی، آگے سے بہانے نہیں بنائے جاتے بلکہ سادہ سی بات ہے کہ مجھ سے غلطی ہوئی آپ مجھے معاف کردیں۔ یہ ایک ایسی بات ہے، ایسا نکتہ ہے کہ اگر آج ہمارے معاشرے میں لوگوں کو یہ سمجھ آجائے تو گھروں کے جھگڑے، دفتروں کے مسئلے اور کاروباری معاملات بالکل حل ہو جائیں، مگر ہم ایسا نہیں کرتے۔

کٹ حجتی سے بچیں:

بیوی غلطی کرتی ہے دل مان رہا ہوتا ہے کہ میں نے کوتاہی کی مگر خاوند کے سامنے دلیل (Logic) بیان کرتی ہے۔ خاوند جانتا ہے کہ بیوی روز کہتی ہے دیر سے آتے ہو، کوئی نہ کوئی مسئلہ ہے اور وہ جانتا ہے کہ میں کسی کے ساتھ ملوث (Involve) ہوں۔ مگر پھر بیوی کو ڈانٹ رہا ہوتا ہے: خبردار! تم نے کوئی ایسی بات کی تو غلطی ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔

دفتر میں آپ دیکھ لیجیے۔ بڑا کوئی کام کہہ دے تو چھوٹا اس میں راہ فرار اختیار کرنے کے لیے کتنے بہانے ڈھونڈتا ہے۔ آج باپ اولاد کو کوئی بات کہہ دے تو اولاد اس پر عمل نہ کرنے کے بہانے ڈھونڈتی ہے۔ ابو! بھی میری کون سی عمر ہے جو میں ابھی سے نمازیں

پڑھنی شروع کردوں۔ بیوی کو کہہ دیں نماز پڑھو تو وہ آگے سے جواب دیتی ہے: تمہاری بہنیں کون سی نمازیں پڑھتی ہے جو میں نمازیں پڑھوں۔ کبھی جواب ملتا ہے میں نے اپنی قبر میں جانا ہے تم نے اپنی قبر میں جانا ہے یہ سب حیل حجت ہے اس کو کہتے ہیں کٹ حجتی۔ کٹ حجتی انسان کے ذلیل ہونے کا باعث بنتی ہے۔ چنانچہ انسان سے جب بھی کوئی غلطی ہو اور اس کو احساس ہو تو فوراً کہہ دے جی مجھ سے غلطی ہوگئی، آپ مجھے معاف کردیں۔ آپ دیکھیں گے بڑے بڑے مسئلے ان چند چند الفاظ کے بولنے سے حل ہو جائیں گے۔

ماننے کی عادت ڈالیں:

ہمارے اندر دراصل ماننے کی عادت کم ہوتی جارہی ہے۔ ہم منوانا تو چاہتے ہیں، ماننا نہیں چاہتے۔ نبی علیہ السلام نے صحابہ سے بیعت لی: ''اسمعوا واطیعو'' تم جو سنو گے اس کو مانو گے، اطاعت کرو گے'' یہ بات دیکھنے میں تو بہت سادہ نظر آتی ہے، لیکن یہ نقطہ ہے بہت مشکل۔

آج آپ جس کو بھی دین کی بات کریں گے وہ آگے سے کہے گا میں سب کچھ جانتا ہوں۔ بھئی جانتے تو سب ہیں آپ، یہ بتائیں مانتے کتنا ہیں؟ جہاں ماننے کی بات آئے گی وہاں دیکھیں ہمارا حال کتنا پتلا ہے۔ ہم منوانا چاہتے ہیں ماننا نہیں چاہتے۔ یہ عادت ہی ختم ہوتی جارہی ہے۔

دو بھائی ہیں بڑا بھائی باپ بن کے چھوٹے بھائی کو پالتا ہے۔ جب چھوٹا بھائی بڑا ہو جاتا ہے، اپنے پاؤں پہ کھڑا ہو جاتا ہے اسی بھائی کے ساتھ بول چال بند ہو جاتا ہے۔ ماننے کی عادت نہیں رہی۔ حالانکہ جب معاشرے میں مل جل کر رہنا ہو تو بڑے کو بڑا ہونا ہے اور چھوٹے کو چھوٹا ہونا ہے۔

بڑے چھوٹوں پر شفقت کا معاملہ کریں، رعایت کریں۔ چھوٹے بڑوں کی بات

کو مانیں۔ کام بڑا سیدھا اور سادہ چلتا رہے گا۔ مگر آج تو دس سال شادی کو گزر جاتے ہیں۔ میاں بیوی یہ فیصلہ نہیں کر پاتے کہ گھر میں چلتی کس کی ہے؟ خاوند ایک بات کرتا ہے بیوی اس کو ٹالنے کی کوشش کرتی ہے۔ بیوی جائز بات بھی کرتی ہے خاوند نہ ماننے کی بات کرتا ہے۔ دس سال میں یہ فیصلہ نہیں ہو پاتا کہ گھر میں آخر کس کی مرضی چلتی ہے۔ حالانکہ کتنی سادہ سی بات ہے۔

﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ (النساء:۳۴)

''اللہ رب العزت نے مردوں کو گھر کی ذمہ داری سونپ دی، ان کو انچارج بنا دیا''

مگر اس بات کو سمجھنے میں سالوں لگ جاتے ہیں۔

بلکہ ہم نے دیکھا پچیس پچیس سال شادی کی زندگی گزارنے کے بعد عورتیں اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے طلاق لے کے اپنے گھر واپس آتی ہیں۔ آخر کون انہیں سمجھائے گا کہ زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

یہ ایک ایسا عنوان ہے جس کو کھولنا انتہائی ضروری ہے۔ تاکہ ہمیں پتہ چل جائے کہ ہم نے بات سننی ہے اور ماننی ہے۔

اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ (الانفال:۲۱)

''تم ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو کہتے ہیں ہم سنتے ہیں مگر وہ سنتے نہیں''

یعنی بعض لوگ سنتے ہیں مگر حقیقت میں سنتے ہی نہیں۔ یہ سننے کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کسی کسی کو دیتے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ﴾ (الانفال:۲۳)

''اگر اللہ تعالیٰ ان کے اندر خیر جانتے، دیکھتے تو ان کو سننے کی توفیق دے

دیتے''

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اس خوبی کا اللہ تعالیٰ نے تذکرہ کیا فرمایا:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾

''اے ایمان والو! تم تو سنتے ہو لہٰذا تم اس بات کو مانو''

سننا اور بات کو ماننا یا طبیعت ایسی ہونا اسی کو بندگی کہتے ہیں اور اچھے معاشرے کے اندر زندگی گزارنے کا یہی اصول ہے۔

دو اصول:

عجیب بات کہ قرآن نے ہمیں یہ بات سمجھائی تو ہمیں سمجھ نہیں آتی اور کافروں نے اپنے معاشرے میں مادی اعتبار سے ترقی پانے کے لیے اس بات کو سمجھ لیا۔

چنانچہ جب ہم مینجمنٹ کی کتابیں پڑھ رہے تھے تو اس میں لکھا ہوا تھا:

Two rules of management

اچھی مینجمنٹ کے دو اصول ہیں اس میں پہلا اصول کیا تھا؟

R.1 Boss is always right.

بڑا ٹھیک کہتا ہے۔ پھر نیچے دوسرا اصول لکھا تھا:

R.2 If boss is not right then see rule number.

تو کافروں نے اپنے دفاتر، اپنے گھروں کے معاملات کو سیدھا کرنے کے لیے اصول گھڑ لیے۔ ہم ایمان والے ہیں ہمیں اللہ نے فرمایا ہے کہ چھوٹے بڑوں کی اطاعت کریں اور بڑے چھوٹوں پر شفقت کریں۔ اور ہم سے یہ بات سنی ہی نہیں جاتی۔

کیا میاں بیوی کے درمیان یہ فیصلہ کرنا کہ کس کا حکم فائنل ہے یہ بھی کوئی سوچنے والی بات ہے!؟ مگر ہم زندگی گزار دیتے ہیں۔ بنیادی وجہ طبیعت کے اندر انا (میں) کا ہونا،

ماننے کی عادت نہ ہونا ہے۔ لہٰذا بات ماننی مشکل ہوتی ہے۔

حکمِ خدا کی عظمت:

مگر جہاں اللہ رب العزت کا معاملہ آتا ہے تو بندہ بندہ ہے، اللہ اللہ ہے، جب اس کا حکم سامنے آ گیا۔ اب آگے سے لوجک کیسی؟ اور عجیب بات یہ کہ آج کے اس زمانے میں خود تو ماننا نہیں ہوتا، لہٰذا آگے سے پوچھتے ہیں یہ پردے کا حکم کہاں سے آ گیا؟ یہ فلاں حکم کہاں سے آ گیا؟

بھائی! ایمان والے کے لیے اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ یہ حکمِ خدا ہے۔

اس کے بعد ایمان والا تفصیل نہیں مانگتا۔ بس اللہ کا حکم میرے لیے کافی ہے۔

یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کمپنی کا صدر ہو اور وہ اپنی فیکٹری میں صفائی کرنے والے بندے کو کہے کہ اس کو صاف کر دو۔ اور وہ آگے سے پوچھے: صدر صاحب! اس میں دلیل (Logic) کیا ہے؟ تو آپ سوچیں کمپنی نے اس صدر کا کیا ری ایکشن ہوگا؟ ہمارا حال ایسا ہی ہے بلکہ جو اس صفائی کرنے والے کی حیثیت اس مالک کے سامنے ہے ہماری اللہ کے سامنے وہ حیثیت بھی نہیں ہے۔ ہم اللہ کے حکموں کو اس طرح چیلنج کرتے پھر رہے ہیں۔ اس لیے اس بات کی اصلاح ہونا انتہائی ضروری ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم حکمِ خدا کی عظمت اپنے دل میں بٹھائیں۔ چنانچہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

''اے دوست! یہ نہ دیکھو کہ گناہ چھوٹا ہے یا بڑا ہے بلکہ اللہ رب العزت کی عظمت کو سامنے رکھو کہ جس کی تم نافرمانی کر رہے ہو'' اللہ رب العزت کی نافرمانی!!!! اللہ اکبر

ایک بزرگ فرماتے تھے ''اللہ رب العزت نے میرے دل میں یہ بات الہام فرمائی کہ میرے بندوں سے کہہ دو۔ جب یہ گناہ کرنا چاہتے ہیں تو ان تمام دروازوں

کو بند کر دیتے جن سے مخلوق دیکھتی ہے اور اس دروازے کو بند نہیں کرتے جس سے میں پروردگار دیکھتا ہوں۔ کیا اپنی طرف دیکھنے والوں میں سب سے کم درجے کا مجھے سمجھتے ہیں؟ ہم سوچیں تو سہی کہ ہم اللہ رب العزت کے حکم کو توڑ رہے ہوتے ہیں۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے دل میں عظمت الٰہی اور زیادہ بڑھائیں۔

گناہ کیسے چھوٹ سکتے ہیں؟

دیکھیں! آج بندے کو جہاں سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو اس جگہ کے قریب جانے سے گھبراتا ہے۔ کسی کو کہیں کہ بجلی کی تار کو ہاتھ لگاؤ۔ وہ کہے گا جناب بالکل نہیں۔ اس لیے کہ بجلی پہلی غلطی بھی معاف نہیں کیا کرتی۔ جہاں بجلی سے جھٹکا پڑنے کا اندیشہ ہے اس کے قریب ہی نہیں جاتے۔

کسی عورت کو کہو کہ کتنا خوبصورت سانپ ہے! کتنا خوبصورت ڈیزائین اس پر بنا ہوا ہے! ہاتھ لگاؤ۔ کہے گی: توبہ توبہ توبہ!

کیوں ہاتھ نہیں لگاتی؟ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

اگر ہم اللہ رب العزت کے حکموں کو توڑیں گے تو کیا سمجھتے ہیں کہ اللہ رب العزت اگر جلال میں آگئے تو ہمیں نقصان پہنچنے میں کوئی کمی رہے گی۔ یہ عظمت دل میں بیٹھ جائے پھر ہمارے لیے گناہوں کو چھوڑنا آسان ہو جائے گا۔

عزت و ذلت کا پیمانہ:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْعِزَّةَ وَالْوَقَارَ لِمَنْ تَا[illegible]رِیْ"

"اللہ تعالیٰ اس بندے کو عزت اور وقار عطا کرتے ہیں جو اللہ کے حکم کو مانتا [illegible]

''وَجَعْلَ الْعِذِّلَةِ وَالصَّغَارَ لِمَنْ خَالَفَ اَمْرِیْ''

اور جو اللہ کے حکم کو توڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلت اور رسوائی عطا کرتا ہے''

ہم حکمِ خدا کو توڑیں گے تو پھر ہم کہاں جائیں گے؟؟؟

بڑے بڑوں کی رعونت کیسے نکلی؟

کہتے ہیں ''کہ دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر۔'' تو بھئی دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر نہیں چلتا تو دنیا میں رہنا اور دنیا کے بنانے والے سے بیر۔

نتیجہ کیا ہوگا؟ بڑی قومیں اس دنیا میں آئیں جن کو اپنی طاقت کا نشہ تھا، کہتے تھے۔

﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ (حم سجدہ:۱۵)

''کون زیادہ سخت ہے ہم سے طاقت میں''

اور ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ﴾ (الفجر:۸)

''ہم نے ایسے طاقت ور لوگ شہروں میں پھر پیدا نہیں کیے''

لیکن جب انہوں نے حکم خدا کو توڑا اور پھر حکم خدا ان پہ آیا تو قوم عاد پر کیا ہوا؟ اونچے قد تھے، لمبے چوڑے، لحیم شحیم بدن تھے اللہ نے ان پر ہوا کا عذاب بھیجا وہ ہوا اتنی تیز تھی کہ ان کو پٹخ پٹخ کر زمین پر مارتی تھی۔ حتی کہ زمین پر لاشیں یوں بکھری ہوئی تھیں جیسے کھجور کے تنے پڑے ہوئے ہوتے ہیں:

﴿كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ (الحاقۃ:۷)

بڑے بڑے لوگ آئے، نمرود کو اللہ نے وقت کی بادشاہی عطا کی تھی۔ رعونت آ گئی، تکبر آ گیا تھا، خدائی کا دعوی کر بیٹھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک لنگڑے مچھر کو اس کے ناک کے اندر سے دماغ تک پہنچا دیا۔

اب جب وہ دماغ میں جا کے کاٹتا تو تکلیف ہوتی۔ پھر یہ لوگوں سے کہتا کہ ذرا میرے سر پر تھپڑ لگاؤ۔ شروع شروع میں تو لوگ تھپڑ لگاتے پھر لوگ بھی تنگ آ گئے اس نے کہا: اچھا کوئی چیز بنا لو تو انہوں نے جوتے بنا لیے۔ جب لنگڑا مچھر کاٹتا اس کے سر پر جوتے پڑتے اور ہر دور و ہر زمانے میں یہی رہا۔ جس نے حکم خدا کو چیلنج کیا، اللہ تعالیٰ پھر اس کا انجام دنیا میں ہی دکھاتے ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت کے حکم کو مانیں اور اس کے سامنے اپنے سر کو جھکائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ (شوری:۵۵)

''جب ان لوگوں نے ہمارے حکم کو نہ مانا پھر ہم نے ان سے انتقام لیا''

جب اللہ تعالیٰ انتقام لیں تو پھر بندے کا کیا معاملہ ہوگا؟ میرے دوستو! یاد رکھیے جو پروردگار نعمتیں دینا جانتا ہے وہ پروردگار نعمتیں لینا بھی جانتا ہے۔

اس لیے اس ''میں'' کو مٹائیے۔ جب تک میں نہیں مٹے گی تب تک ہمارا کام نہیں سنورے گا۔

اس ''میں'' کو مٹائیے اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی ''میں'' کو مٹائیں۔ یاد رکھیں! جب اللہ تعالیٰ کسی کی ''میں'' کو مٹاتا ہے تو پھر اس کا تماشا دنیا دیکھا کرتی ہے۔

اپنی کوتاہی کو ضرور مانیں:

ہم اپنے اندر عاجزی پیدا کریں اور شریعت کے احکام کو ماننے کی عادت پیدا کریں۔

ہاں اگر اپنے نفس کی خرابی کی وجہ سے نہ مان سکے تو تسلیم تو کریں ناں کہ ہم گنہگار ہیں۔ یہ تو مانیں کہ ہم سے غلطی ہوئی، کوتاہی ہوئی ہمارا نفس بہت خراب ہے۔ ہمیں

نماز پڑھنے کے لیے اٹھنے نہیں دیتا، ہمیں فلاں عمل کرنے کے لیے اٹھنے نہیں دیتا لیکن ہم مانتے ہیں کہ غلطی ہماری ہے۔ اس تسلیم کرنے سے ایمان سلامت رہے گا، گو ہم گنہگار رہوں گے۔

لیکن اگر ہم جواب میں یہ کہہ بیٹھیں کہ پردہ تو آنکھوں کا ہوتا ہے، چہرے کے پردے کا کیا؟ اب ہم نے حکم شریعت کو جو آگے سے چیلنج کیا تو اس میں انسان کئی مرتبہ سرے سے ایمان سے ہی خارج ہو جاتا ہے۔

یہ ایک نازک سا فرق ہے جس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ بڑے سے بڑا بندہ گناہ کرے مگر مانے کہ ہم نے گناہ کیا، قابل معافی ہے۔ لیکن اگر یہ کہہ دے کہ حکم شریعت کا کیا فائدہ، کیا حکمت؟ اتنی سی بات کرنے پہ وہ دائرہ اسلام سے بھی خارج ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہ ایمان بچانے کا معاملہ ہے اس لیے اس کو کھولنے کی انتہائی ضرورت ہے۔

عناصر اربعہ کی طاقت:

ہم اذان میں چار مرتبہ کہتے ہیں اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر...... کیوں؟
اس لیے کہ مخلوق چار طرح کی ہے۔ آگ، پانی، ہوا اور مٹی۔ اب ہر چیز کے اندر اپنی ایک طاقت ہے۔

مٹی کی طاقت:

مٹی کے اندر اپنی ایک طاقت ہے۔ آپ دیکھیں جب رمضان شریف میں زلزلہ آیا زمین ذرا سا ہلی اور چند منٹ میں ہزاروں انسان موت کی نیند میں چلے گئے اور ان کے گھر زمین کے اندر دھنس گئے ذرا سا جھٹکا اتنا خطرناک ہے۔ اللہ اکبر۔

ایک ملک میں زلزلہ آیا اور سمندر کے اندر ایک منٹ کے اندر اتنا نقصان ہوا کہ دنیا اس کو جانتی ہے مجھے ایک بستی کا ایک بندہ ملا، کہنے لگا عجیب بات ہے کہ مجھے اللہ نے

بچا تو لیا مگر میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

جو منظر اس نے میرے سامنے کھولا (بیان کیا) اسکو سن کر اللہ کی طاقت کو دیکھ کر بندہ حیران رہ جاتا ہے۔

ذرا سا پانی کے اندر جھٹکا آجائے تو بندے کو اپنی اوقات کا پتہ چل جاتا ہے۔ سب پلاننگز دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔

ہوا کی طاقت:

دوسری مخلوق ہوا ہے۔ ہوا کے اندر اپنی طاقت ہے، آپ دیکھیں ہوا کے اندر جب سائیکلون (ہوا کے بگولے) آتے ہیں وہ اتنے تیز ہوتے ہیں کہ مکانوں کی چھتوں کو اڑا کر لے جاتے ہیں۔ مجھے ایک مرتبہ ایسے علاقے میں جانے کا موقع ملا تو میرے دوستوں نے پہلے مجھے ہدایات کیں کہ آپ وہاں جارہے ہیں جہاں سائیکلون ہوتے ہیں۔ اگر آپ محسوس کریں تو فوراً آپ گاڑی میں سے نکل کر زمین پر لیٹ جائیں۔ میں نے پوچھا کہ گاڑی میں بیٹھے رہنے میں کیا حرج ہے؟ انہوں نے کہا کہ جب سائیکلون آتے ہیں تو گاڑی کو اٹھا کر کئی سو میل دور پھینک دیا کرتے ہیں۔

چنانچہ امریکہ میں کسی ریاست میں ایک مرتبہ سائیکلون آیا تو ایک بندہ جو گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا پولیس نے چالان کیا۔ کمپیوٹر کے اندر ڈاکومنٹ ہو گیا کہ اتنے بجے اس بندے کا چالان ہوگا۔ اب اس کے بعد جیسے ہی وہ سائیکلون کے اندر داخل ہوا، سائیکلون کا ڈایا میٹر تین سو کلو میٹر تھا۔ چند منٹ میں اس کی گاڑی تین سو کلو میٹر دور پائی گئی۔ وہاں پھر ڈاکومنٹ ہوا کہ اس جگہ ایکسیڈنٹ ہوا یہ گاڑی ملی۔ پتہ چلا کہ سائیکلون نے گاڑی کو اٹھا کر تین سو کلو میٹر دور پھینک دیا۔

ہم نے ایک جگہ اپنی آنکھوں سے ڈائننگ ٹیبل کو ایک درخت کی شاکوں کے اندر

اٹکے ہوئے دیکھا۔ پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگے: ہوا کا طوفان آیا تھا ڈائننگ ٹیبل کو اس نے درخت کی شاخوں پہ جا کر پھینک دیا۔ ہوا کی طاقت کا پتہ چلتا ہے۔

پانی کی طاقت:

پانی کے اندر طاقت ہے۔ چنانچہ جب پانی کا طوفان آتا ہے تو انسان اتنی ترقی کے باوجود اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ پورا کا پورا شہر پانی کی زد میں آجاتا ہے۔ نئے شہر بنانے پڑ جاتے ہیں۔

آگ کی طاقت:

آگ میں طاقت ہے۔ چنانچہ کئی مرتبہ باہر ملکوں میں جنگلوں میں آگ لگتی ہے۔ چھ چھ مہینے نہیں بجھتی۔

چنانچہ مجھے ایک مرتبہ رشیا میں سفر کرنے کا موقع ملا۔ ہم نے ایک جگہ آگ کا ایک شعلہ دیکھا جو کم از کم ایک فرلانگ اونچا ہوگا۔ اتنا اونچا شعلہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ مقامی آدمی نے بتایا کہ یہاں پر آئل ویل کھودا گیا مگر ٹیکنیکل خرابی کی وجہ سے جب اس میں سے گیس نکلنی شروع ہوئی تو وہاں آگ لگ گئی۔ اب نیچے سے گیس آرہی ہے اور اوپر سے یہ اتنا بڑا شعلہ جل رہا ہے۔ اس کو ہم نے کئی سال تک بجھانے کی کوشش کی مگر ہم اس کو بجھا نہیں سکے۔

حتی کہ پوری دنیا میں اناؤنس منٹ کروائی کہ جو کمپنی اس شعلے کو بجھائے گی بعد میں جو تیل نکلے گا آدھا ہم اس کو شیئر دیں گے۔ دنیا کے بڑے ملکوں کی کمپنیاں آئیں مگر انسان عاجز آ گئے۔ آج نو سال گزر گئے ہیں اور یہ شعلہ اسی طرح جل رہا ہے۔ آگ کے اندر طاقت ہے۔

جب ہم چار مرتبہ اللہ اکبر کہتے ہیں تو ہم یہ کہتے ہیں: اے لوگو! زمین اور اس کی مخلوق

سے اگر کوئی غالب ہے تو وہ اللہ کی ذات ہے۔ پھر کہتے ہیں اللہ اکبر پانی اور اس کی مخلوق سے بڑی طاقت اللہ کی ہے۔

اللہ اکبر پھر تیسری مرتبہ کہتے ہیں ہوا اور ہوا کی جتنی مخلوق اور ان کی جتنی طاقت ہے ان سب کے اوپر غالب اللہ کی ذات ہے۔

آخری مرتبہ کہتے ہیں اللہ اکبر: آگ اور اس میں جو طاقت اللہ نے رکھی اس سے بڑی (زیادہ) طاقت اس پروردگار کی ہے۔

اذان میں چار مرتبہ اللہ اکبر کہنا ہمیں سبق دلاتا ہے کہ دیکھ! تمہیں کس عظیم پروردگار کی طرف بلایا جا رہا ہے!؟ اور آج ہم اس اذان کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں۔ پرواہی نہیں ہوتی۔ احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم نے حکم خدا کو توڑا۔ لہٰذا انتہائی ضروری بات ہے کہ ہم اللہ رب العزت کے حکموں کی عظمت اپنے دل میں پیدا کریں۔ جب حکم خدا سامنے آئے بس ماننے کی نیت کرلیں۔

کوتاہی ہو جائے، بھول ہو جائے، نفس درمیان میں کوئی رکاوٹ ڈال دے غلطی کو تسلیم کرلیں، اللہ کے سامنے معافی مانگ لیں۔ اللہ رب العزت معاف کر دینے والے ہیں۔ لیکن اگر ہم تکبر کا مظاہرہ کریں گے تو پھر اللہ رب العزت ایسے بندے کو معاف نہیں کیا کرتے۔ حدیث پاک میں آتا ہے:

چند گناہ ایسے ہیں جن کا گناہ آخرت میں بھی ہوگا مگر اس دنیا میں بھی ہوگا۔

ان میں سے ایک گناہ ہے تکبر فرمایا:

اللہ تعالیٰ متکبر کو اس وقت تک موت نہیں دیتے جب تک دنیا میں اس کو لوگوں کے سامنے ذلیل و رسوا نہیں کرتے۔ اللہ اکبر کبیرا!

ایک عبرت ناک واقعہ:

ہمارے جھنگ کے علاقے میں ایک بڑے زمیندار کی اتنی لینڈ ہولڈنگ تھی کہ اس کی زمین میں تین ریلوے اسٹیشن بنے ہوئے تھے۔ پہلا ریلوے اسٹیشن بھی اس کی زمین میں، دوسرا بھی اس کی زمین میں، تیسرا بھی اس کی زمین میں، اتنا بڑا زمیندار تھا۔

ایک مرتبہ اپنے دوستوں کے ساتھ شہر کے چوک میں کھڑا آئس کریم کھا رہا تھا۔ کسی دوست نے کہہ دیا یار! کاروبار اچھا نہیں بڑا پریشان ہوں۔ تو یہ آگے سے بڑا اتر نگ میں آ کر کہتا ہے یار! تم ہر وقت پریشان رہتے ہو آئے گا کہاں سے اور مجھے دیکھ میں ہر وقت پریشان رہتا ہوں لگاؤں گا کہاں پہ۔ میری تو آنے والی چالیس نسلوں کو پرواہ نہیں۔

یہ عجب کا بول اتنا اللہ کو ناپسند آیا کہ یہ ایک بیماری میں مبتلا ہوا۔ چھ مہینے کے اندر خود اس دنیا سے چلا گیا۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا جس کی عمر سترہ، اٹھارہ سال تھی۔ وہ اکیلا اس کی تمام میراث کا وارث بن گیا۔ اربوں روپے اکاونٹ میں۔ جوانی بھی تھی۔ ایسے لوگوں کے برے دوست بہت جلدی بن جاتے ہیں۔ ایک، دو دوستوں نے اس کو عیاشی کی راہ بتائی۔ اس کے لیے ایک نیا تجربہ تھا۔ اس کو یہ کام بڑا اچھا لگا۔

چنانچہ یہ رات کو نئے نئے مہمان بدلنے لگ گیا۔ کسی کو پچاس ہزار دیا جا رہا ہے، کسی کو ایک لاکھ مل رہا ہے اور ایک سے ایک بہتر ماڈل آ رہا ہے۔

لوگوں نے سمجھایا مگر یہ جوان تھا، آگ کی عمر تھی اس نے سنا ہی نہیں۔ جب اس نے اپنے علاقے میں جی بھر کر برائی کر لی۔ کسی نے کہا ذرا بڑے شہر کا مزہ چکھو۔ بڑے شہر جانا شروع کر دیا۔ کسی نے کہا ذرا باہر کے کلبوں میں جا کر دیکھو۔ چنانچہ اس نے بیرون ملک کے نائٹ کلبوں میں جانا شروع کر دیا۔ شراب شباب کا عادی بن گیا۔

چنانچہ یہ ابھی بائیس، پچیس سال کا تھا کہ بالکل بیماریوں کا مجموعہ بن گیا۔ حتی کہ ایک

ایساوقت آیا کہ نہ مال رہا، نہ جائیداد رہی، نہ صحت رہی۔ ساری کی ساری زمین بک گئی۔ بلکہ ایسا بھی وقت آیا کہ جس گھر میں یہ خود رہتا تھا وہ گھر بھی اس کو بیچنا پڑ گیا۔

چنانچہ جب اس نے گھر بیچا اب نوبت آ گئی لوگوں سے مانگ کر کھانے کی۔ جس چوک میں اس کے باپ نے کھڑے ہو کر کہا تھا میری چالیس نسلوں کو پرواہ نہیں۔ یہ بیٹا اسی چوک میں کھڑے ہو کر اللہ کے نام کی بھیک مانگتا تھا۔

عظمتِ الٰہی کو ہم سامنے رکھیں، کبھی اس کو چیلنج نہ کریں، اپنی اوقات کو پہچانیں۔ جب ہم نے یہ نکتہ سمجھ لیا پھر ہمارے لیے دین پر عمل کرنا بالکل آسان ہو جائے گا۔ ہم کبھی بڑا بول نہیں بولیں گے۔ ہمارے اندر بندگی ہوگی، تواضع ہوگی، خوش اخلاقی ہوگی۔ ہم کسی کے لیے وبالِ جان نہیں بنیں گے راحت جان بنیں گے۔

عطائے شاہی کی قدر:

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی مولانا روم میں عجیب چھوٹے چھوٹے واقعات لکھ کر ان سے بڑے پیارے نتیجے نکالے ہیں۔ بہت سادہ سی باتیں ہیں فرماتے ہیں:

ایک بادشاہ گزرا ہے محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ۔ نیک بادشاہ تھا۔ اس کے پاس ایک غلام تھا، ایک نوکر تھا، خادم تھا ایاز۔ لیکن وہ بادشاہ کا اتنا فیورٹ بن گیا کہ ہر چھوٹے، بڑے کام میں بادشاہ اس سے مشورہ کرتا تھا۔ اب یہ چیز بادشاہ کے دوسرے دوستوں کے لیے ہضم کرنا بہت مشکل تھی۔

ایک دن انہوں نے کہا بادشاہ سلامت! ایک دیہاتی سا بندہ آپ کے پاس آیا ہے اور آپ کی اس کے اوپر عجیب شفقت کی نظر ہے ہم اس سے شکل میں اچھے، عقل میں اچھے ہم سے آپ مشورہ ہی نہیں لیتے، اس کی چلتی ہے۔ آخر کیا وجہ ہے؟ اس سے اتنی محبت کیوں؟ بادشاہ نے کہا: ہاں میں تمہیں کبھی اس کا جواب دوں گا۔ خیر بات آئی گئی ہوگئی۔

ایک دن بادشاہ نے ایک پھل منگوایا جو کڑوا تھا۔بعض پھل کھانے میں کڑوے ہوتے ہیں۔اس نے اس پھل کی قاشیں بنوائی اور جتنے دوست احباب بیٹھے تھے اعتراض کرنے والے سب کو ایک ایک قاش اس نے پکڑادی۔ جب پکڑادی تو جس نے اس قاش کو منہ میں ڈالا فوراً تھوتھو کیا۔بادشاہ سلامت! بہت کڑوا ہے بہت کڑوا۔بادشاہ نے کہا اتنا کڑوا ہے کہ کھایا ہی نہیں جا رہا؟ ہاں

بادشاہ نے ایاز کی طرف دیکھا ایاز کھائے چلا جا رہا ہے تو بادشاہ نے پوچھا: ایاز کیا پھل کی قاش کڑوی نہیں؟ اس نے کہا بادشاہ سلامت! کڑوی تو ہے۔تم مزے سے کھائے جا رہے ہو؟ اس نے کہا بادشاہ سلامت: مجھے ایک خیال آ گیا تھا پوچھا کیا؟ کہنے لگا: مجھے خیال یہ آیا تھا کہ سینکڑوں مرتبہ آپ کے ہاتھوں میں سے میٹھی چیزیں لے کر کھا چکا ہوں اگر آج مجھے کڑوی بھی مل گئی تو مجھے واپس کرتے ہوئے حیا آتی ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر ہمارا بھی معاملہ اس غلام کی طرح ہو جائے کہ جس پروردگار نے اتنی نعمتیں دیں، گھر دیا، گھر والی دی، اولاد دی، کاروبار دیا۔اتنی بے پناہ نعمتیں۔اگر اس کی طرف سے کبھی مشکل بھی آ جائے تو ہم اپنے رب کی شکایتیں کیوں کرتے ہیں؟ کیا ہم اس غلام سے بھی گئے گزرے بن گئے!؟ اتنا بھی لحاظ نہیں کرتے۔

اس لیے اللہ والے ہر حال میں اپنے رب سے راضی ہوتے ہیں۔

لطف سجن دم بہ دم ، قہر سجن گاہ گاہ

ایں وی سجن واہ واہ، اوں وی سجن واہ واہ

اللہ کی طرف سے رحمتیں ہر لمحے اور مشکلات کبھی کبھی۔صحت ہمیشہ بیماری کبھی کبھی، بھوک کبھی کبھی، فاقہ کبھی کبھی۔عزت ہمیشہ ذلت کبھی کبھی۔خوشی ہمیشہ پریشانی کبھی کبھی، زیادہ وقت تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں گزرتا ہے۔

اے میرے آقا! میں ایسے بھی آپ سے راضی، ویسے بھی آپ سے راضی۔

اگر بیوی یہ بات سمجھ لے کہ جو خاوند مجھے اتنا پیار دیتا ہے، اتنی محبت دیتا ہے اگر اس نے غصے میں کوئی بات کر بھی لی تو مجھے خاموش ہونا ہے۔ کہیں نہیں لکھا ہوا کہ ہر بات کا جواب دینا لازم ہوتا ہے۔ کئی مرتبہ خاموشی بہترین جواب ہوتا ہے تو مسئلے ہی ختم ہو جائیں مگر نہیں۔ ابھی ہمیں یہ عظیم صفت حاصل نہیں۔

اپنی اوقات کا خیال:

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حاسدین نے سلطان محمود غزنوی کو شکایت لگائی کہ یہ جو آپ کا لاڈلا غلام ہے اس نے ایک الماری بنائی ہوئی ہے اور اس کے اندر کچھ چھپایا ہوا ہے یہ اس کو تالا لگا کے رکھتا ہے۔ چابی کسی دوسرے بندے کو نہیں دیتا اور روزانہ اس کو کھول کھول کے دیکھتا ہے۔ ہمارا شک ہے کہ اس نے ہیرے، موتی خزانے سے چرائے ہوں گے اور وہاں چھپا کے رکھے ہوں گے۔ اس نے ایاز کو بلایا۔

ایاز! تم نے کوئی الماری بنائی ہوئی ہے؟ جی

تالا لگا کے رکھا ہے؟ جی

کسی کو چابی دیتے ہو؟ جی نہیں

خود روزانہ کھول کے دیکھتے ہو؟ جی ہاں

بادشاہ نے کہا چابی لاؤ۔ ایاز نے چابی دے دی۔ بادشاہ نے وہ چابی ایک بندے کو دی اور کہا کہ جو کچھ اس الماری میں ہے لا کے سب کے سامنے رکھو۔ جب یہ بات حاسدین نے سنی تو وہ بغلیں بجانے لگیں۔ خوشی ہوئی کہ آج اس کا پول کھلے گا۔ آج بادشاہ کو پتہ چلے گا کہ یہ کتنا اندر سے کھوٹا ہے۔ چنانچہ وہ خوش ہو گئے۔ اتنے میں وہ بندہ گیا اور

جب واپس آیا تو اس کے پاس تین چیزیں تھی۔

ایک بوسیدہ سا کرتہ، ایک بوسیدہ سا جوتا، اور ایک بوسیدہ سی چادر

بادشادہ نے کہا: کیا الماری میں یہی کچھ تھا؟ اس نے کہا: بادشاہ سلامت! صرف یہی کچھ تھا۔ بادشاہ نے کہا ایاز! کیا چیزیں اس قابل ہیں کہ تم ان کو تالے میں رکھو اور پھر روزانہ اس کو دیکھو؟

ایاز نے کہا: بادشاہ سلامت! جب میں آپ کے پاس حاضر ہوا تھا اس وقت میں نے یہ کرتہ، پہنا ہوا تھا۔ یہ چادر باندھی ہوئی تھی، یہ جوتا پہنا ہوا تھا۔ میں نے ان کو تالے میں اس لیے رکھا کہ میں روزانہ اپنے آپ کو اپنی اوقات یاد دلاتا ہوں: ایاز! یاد رکھو یہ تمہاری اوقات تھی اور بادشاہ کے تم پر جو احسانات ہیں انکا لحاظ کرنا۔ بادشاہ کا وفادار بن کر رہنا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کاش کہ اس دیہاتی بندے جیسی سمجھ ہمیں بھی نصیب ہو جائے۔

ذرا ہم اپنی اوقات کو تو دیکھیں جب ہم دنیا میں آئے تھے تو ہمارا کیا تھا؟ نہ ہمارے دانت تھے، نہ ہمارے جسم میں طاقت کہ ہم اٹھ کے بیٹھ سکیں، کھڑے ہو سکیں۔ نہ بولنے کی طاقت، نہ عقل پختہ تھی۔ نہ علم تھا، نہ گھر تھا، نہ اولاد تھی، کچھ نہیں تھا آج جو کاریں ہیں، بہاریں ہیں، روٹی ہے، بوٹی ہے اللہ کی قسم یہ اس مالک کی دین ہے۔ سب نعمتیں پروردگار نے ہمیں عطا کیں۔ کہیں جاتے ہیں لوگ اٹھ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ ہمارا ہے؟ نہیں۔ یہ اس مالک کا کرم ہے۔ جب اس اللہ نے ہمیں آج اتنی نعمتیں دیں تو خود کو اپنی اوقات یاد نہ دلائیں؟ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اس اللہ کے حکم کو ماننے کے لیے ہر وقت تیار رہیں۔ اے میرے مولا! تیری اتنی نعمتیں ہیں اور ہم تیرے بندے ہیں ہم ان نعمتوں کا حق بھی ادا نہیں

کر سکتے۔

ہم تو ساری زندگی سجدے میں سر ڈال کر پڑے رہیں تو اللہ! ہم پھر بھی آپ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔

ایاز کے دل میں فرمانِ شاہی کی قدر:

ایک مرتبہ سلطان محمود غزنوی کو خیال آیا کہ جو لوگ اعتراض کرتے ہیں ذرا آج ان کو میں آزماؤں تو سہی کہ میرے ساتھ کتنے Faithful ہیں۔ چنانچہ اس نے خزانے سے ایک ہیرا منگوایا موٹا، قیمتی ہیرا اور ایک ہتھوڑا ہاتھ میں دیا اور اس نے آکر لوگوں کے سامنے کہا دیکھو بھئی! آج میں آپ سب کا ایک امتحان لوں گا۔ امتحان یہ کہ اس نے پہلے بندے کو ہیرا دیا کہ یہ ہیرا لو۔ یہ ہتھوڑی لو اور اسکو توڑو۔ چونکہ اب وہ کہہ چکا تھا کہ یہ ایک ٹیسٹ ہے تو جسکو اس نے دیا اس صاحب نے آگے سے عذر پیش کرنے شروع کر دیے۔ بادشاہ سلامت! ہیرا بڑا قیمتی ہے، یہ خزانے میں ہی اچھا لگتا ہے توڑیں گے تو ضائع ہو جائے گا۔ جب اس نے ایسی باتیں کہیں تو بادشاہ نے خوش ہو کر اس سے ہیرا اور ہتھوڑی لے لی۔ دوسرے کو دی، دوسرے نے بھی یہی بہانہ کیا اور الفاظ کے اندر کر دیا۔ تیسرے کو دیا، چوتھے کو دیا، جتنے حاسدین تھے سب نے ایک ہی جواب دیا کہ اسکو توڑنا نہیں چاہیے نقصان ہو جائے گا۔ بادشاہ خوش ہو گیا۔

پھر اخیر پر بادشاہ نے ہیرا لیا اور ہیرا لے کر ایاز کو دیا اور ہتھوڑی بھی پکڑائی اور کہا: ایاز! اس کو توڑو۔ ایاز نے اسے زمین پر رکھا اور ایک ضرب ہتھوڑے کی لگائی اور اس کو چکنا چور کر دیا۔ جب اتنا قیمتی ہیرا ٹوٹا تو حاسدین اپنے دل میں حیران کہ آج اس کی گت بنے گی۔ آج بادشاہ کو پتہ چلے گا کہ یہ کتنا بے وقوف اور جاہل انسان ہے! بادشاہ بھی حیران تھا اس نے پوچھا: ایاز! تم نے ہیرا توڑ دیا؟ ایاز نے کہا: بادشاہ سلامت!

میرے سامنے دو صورتیں تھیں۔ آپ نے حکم دیا ہیرا توڑو۔ اگر میں ہیرے کو نہ توڑتا تو گویا میں آپ کا حکم توڑ رہا ہوتا۔ میری نظر میں آپ کا حکم ایسے ہزار ہیروں سے قیمتی ہے، میں نے ہیرے کو تو توڑ دیا لیکن آپ کے حکم کو ٹوٹنے سے بچا لیا۔

اگر آج ہمارے اندر اللہ رب العزت کی یہ عظمت پیدا ہو جائے۔ مولا! دنیا کا نقصان تو برداشت کر لیں گے ہم آپ کے حکم کو نہیں توڑ سکتے۔ آپ کی عظمت ہمارے دلوں میں ہے۔ ہم آپ کے بندے ہیں۔ یہ عظمت خدا جتنی دلوں میں آئے گی اللہ تعالیٰ اس کے بدلے عزتوں سے نوازیں گے۔

یہ اس مالک کی عادت مبارکہ ہے کہ جو بندہ اپنے دل میں اللہ رب العزت کی محبت کو پیدا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ اپنی عزتوں سے نوازتے ہیں۔

اس لیے نبی علیہ السلام نے فتح مکہ کے وقت فرمایا تھا:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَه نَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَه''

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ہم احکام شریعت کے سامنے اپنے سر کو جھکانا سیکھیں۔ کٹ حجتی، ہٹ دھرمی، ضد، انا اور پھر شریعت کا مذاق اڑانا یہ چیزیں انسان کو ایمان سے محروم کر دیتی ہیں۔ اللہ اکبر

ہم بندے ہیں اور ہمیں بندگی ہی سجتی ہے۔ اللہ کے سامنے بندے کا ناز نہیں چلتا، نیاز چلتی ہے۔ جو ناز دکھانے کی کوشش کرے گا نقصان اٹھائے گا۔ اللہ رب العزت وہ ذات ہے جس کے سامنے انبیاء تھرتھراتے ہیں۔ اللہ اکبر

بے نیاز پروردگار کا شاہانہ کلام:

نبی علیہ السلام اللہ رب العزت کے محبوب ہیں جن کی وجہ سے اللہ نے کائنات کو بنایا۔ جن کے اوپر اللہ رب العزت نے اپنی نعمتوں کی انتہا کر دی۔ فرمایا:

﴿وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ﴾ (الم نشرح:۴)

''اے میرے محبوب ﷺ! آپ کے ذکر کو ہم بلند کریں گے''

جن کی شان کو اللہ تعالیٰ نے بلند کرنے کا ذکر، اظہار فرمایا۔ وہ نبی علیہ السلام اللہ رب العزت کے سامنے کتنی عاجزی سے اور کتنی بندگی کے ساتھ اللہ رب العزت کی بندگی کرتے تھے۔ اللہ رب العزت ایک موقع پر اپنے محبوب سے محبوبانہ خطاب فرماتے ہیں۔ ایسا خطاب کہ علم اور عمل پر ناز کی جڑ کاٹ کے رکھ دی۔ فرمایا:

''اے میرے پیارے محبوب ﷺ! ہم نے جو آپ کو علم دیا آپ کا کمال نہیں ہمارا کمال ہے''

﴿لَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ﴾ (بنی اسرائیل:۸۶)

''اگر ہم چاہیں (ثقیلہ کا صیغہ ہے، تاکید کا آخری درجہ ہے) ہم نے وحی کے ذریعے آپ کو جو علم دیا ہم اس علم کو آپ سے واپس لے سکتے ہیں''

اگر اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو یہ خطاب فرماتے ہیں تو کیا آج کوئی بندہ اپنے علم پہ ناز کر سکتا ہے!؟ پھر عمل کی جڑ کاٹ کے رکھ دی۔ فرمایا:

اے میرے پیارے محبوب ﷺ!

﴿لَوۡلَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ لَقَدۡ كِدۡتَّ تَرۡكَنُ اِلَیۡهِمۡ شَیۡـًٔا قَلِیۡلًا﴾ (بنی اسرائیل:۷۴)

''اگر ہم آپ کو ثابت قدمی عطا نہ فرماتے آپ ان دشمنوں کی طرف تھوڑا سا مائل ہوتے'' تو کیا ہوتا؟

﴿اِذًا لَّاَذَقۡنٰكَ ضِعۡفَ الۡحَیٰوةِ وَضِعۡفَ الۡمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَیۡنَا نَصِیۡرًا﴾ (بنی اسرائیل:۷۵)

''دگنا زندگی میں عذاب دیتے اور دگنا موت کے وقت دیتے اور آپ کا کوئی

مددگار بھی نہ ہوتا'' اللہ اکبر۔

ان آیتوں کو پڑھ کے دل کانپتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو یہ فرماتے ہیں تو ہم کس کھیت کی گاجر مولی ہیں!! ہم اپنے علم پر ناز کرتے پھریں اور عمل پہ اتراتے پھریں ہم تو بڑے نیک بن گئے اور بڑے اچھے بن گئے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

ازواجِ مطہرات کے لیے پروردگار کا حکم:

نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات کا تعلق ان سے محبت کا تھا۔ اور بیوی کے اندر ناز ہوتا ہے۔ یہ ایک فطری چیز ہے۔ لیکن اللہ رب العزت نے نبی علیہ السلام کی بیوی کے اس ناز کو مٹا کے رکھ دیا۔ فرمایا:

﴿يَانِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعِفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا﴾ (الاحزاب:۳۰)

''اے نبی ﷺ کی بیویو! اگر تم میں سے کوئی واضح فحش برائی کا ارتکاب کرے گی ہم اس کو کئی گنا زیادہ عذاب دیں گے۔ اور یہ کام اللہ کے لیے بہت آسان ہے''

تم کس ناز میں پڑی ہوئی ہو؟ مزاج درست کر کے رکھ دیا، بندگی سکھا دی۔ تو دیکھیے: جب اتنے بڑوں کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو ہم کسی کھاتے میں نہیں۔ ہم اگر ناز کریں گے تو پھر اللہ رب العزت کا کیا معاملہ ہوگا؟ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت کے حکم کو ماننے کی عادت ڈالیں۔ احکام شریعت کے سامنے جھکنا سیکھیں۔ انبیا ڈرتے ہیں۔

چشمِ بصیرت کو کھول کر دیکھیے:

رب کریم کی جب بے نیازی کی نظر اٹھ جاتی ہے۔ بڑے بڑوں کو آزمائشوں میں ڈال دیتی ہے۔ سوچیے! چشمِ بصرت کو کھول کے دیکھیے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے نکلنا دیکھیے

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے کیا خطاب فرمایا؟ ذرا اس پر غور کیجیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہچکچاہٹ پہ غور کیجیے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام پہ آنے والی مصیبت کو دیکھیے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کا نظارا کیجیے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے سر کے اوپر آرے کو چلتا دیکھیے۔

حضرت یحیٰ علیہ السلام کی گردن کو کٹتا دیکھیے۔

حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ کے اندر گرفتار ہوتا دیکھیے۔

یہ کیا ہے؟ یہ اللہ کی بے نیازی کا اظہار ہے۔ جب اتنے مقرب بندوں کو وہ چاہتا ہے آزمائشوں میں ڈال دیتا ہے۔ ہم تو گنہگار بندے ہیں۔

ہمارے پاس فقط ایک راستہ ہے، کیا؟ اپنی غلطیوں کو تسلیم کرنا اور اللہ سے معافی مانگنا۔ موٹی سی بات ہے غلطی ہوگئی، معافی مانگ لی۔ اس ایک چھوٹے سے فقرے میں بڑی عافیت ہے۔ جو اللہ رب العزت کی عظمتوں کو سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اللہ رب العزت کے سامنے بندہ کوئی بات نہیں کر سکتا۔

سیدنا نوح علیہ السلام کو ارشادِ ربانی:

سیدنا نوح علیہ السلام طوفان کی حالت میں اپنی کشتی کے اندر موجود ہیں۔ اللہ رب العزت نے فرما دیا تھا میں تمہیں اور تمہارے اہل کو اس پانی کے سیلاب سے نجات دوں گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ نوح علیہ السلام کو اطمینان تھا۔ آپ علیہ السلام کا بیٹا آپ کے سامنے تھا۔ آپ نے بیٹے کو کہا:

﴿یٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا﴾

''اے بیٹے! ہمارے ساتھ اس کشتی پر سوار ہو جاؤ''

بیٹا آمادہ نہیں ہوا کہنے لگا:

﴿سَاٰوِیْ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَاۗءِ﴾ (ہود:۴۳)

''میں پہاڑ کی چوٹی پہ چڑھ جاؤں گا اس سیلاب سے بچ جاؤں گا''

جیسے یہ بات کہی:

﴿وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ﴾ (ہود:۴۳)

''ایک لہر آئی پانی کی اور حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا ان کی آنکھوں کے سامنے پانی میں غرق ہو گیا''

اب باپ کے دل میں شفقت ہوتی ہے، محبت ہوتی ہے۔ اپنے جوان بیٹے کو آنکھوں کے سامنے غرق ہوتے دیکھا تو ان کا دل بہت مغموم ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اللہ رب العزت کی خدمت میں عرض کی۔ سنیے اور دل کے کانوں سے سنیے۔

﴿وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ﴾ (ہود:۴۵)

''اے اللہ! میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا اور آپ کا وعدہ سچا ہے''

﴿وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ﴾ (ہود:۴۵)

''اور آپ سب حاکموں سے بڑے حاکم ہیں''

جیسے ہی یہ کہا حکم خدا آ گیا:

﴿یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ (ہود:۴۵)

''اے نوح علیہ السلام! بے شک آپ کا بیٹا آپ کے اہل سے نہیں تھا اس

کے عمل خراب تھے۔ پس آپ مجھ سے وہ بات مت پوچھیے جس کا آپ کو علم نہیں''

﴿اِنِّیْ اَعِظُکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِیْنَ﴾ (ہود:۴۶)

''بے شک میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں یہ کہ آپ جاہلوں والی بات مت کریں''

جیسے ہی یہ بات ہوئی حضرت نوح علیہ السلام نے یہ نہیں کہا اللہ آپ کا وعدہ تھا۔ فوراً غلطی کو مانا کیا کہا؟

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَسْئَلَکَ مَالَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ (ہود:۴۷)

''اے اللہ! بے شک میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں یہ کہ میں ایسی بات مانگوں جس کا مجھے علم نہیں''

﴿وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمْنِیْ اَکُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ (ہود:۴۷)

''اگر آپ مجھے معاف نہیں کریں گے اور مجھ پر رحم نہیں کریں گے میں تو خسارہ اٹھانے والا ہوں''

حکمِ خدا، حکمِ خدا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی عظمت کو ہمارے دلوں میں بٹھائے اور اس کی ہمیں پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ○

حقیقت دنیا

دلا غافل نہ ہو یکدم یہ دنیا چھوڑ جانا ہے
باغیچے چھوڑ کر خالی زمین اندر سمانا ہے

ترا نازک بدن بھائی جو لیٹے سیج پھولوں پر
یہ ہوگا ایک دن مردار جو کرموں نے کھانا ہے

اجل کے روز کو کر یاد سامان چلنے کا
مسافر بے وطن ہے تو کہاں تیرا ٹھکانہ ہے

غلط فہمی ہے تیری نہیں آرام اک پل بھی
زمین کے فرش پر سونا جو اینٹوں کا سرہانہ ہے

عزیزا! یاد کر وہ دن جو ملک الموت آئے گا
نہ جاوے ساتھ تیرے کوئی اکیلا تو نے جانا ہے

نہ بیلی ہو سکے بھائی نہ بیٹا باپ تے مائی
تو کیوں پھرتا ہے سودائی عمل نے کام آنا ہے

﴿وَآخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّآخَرَ سَيِّئًا﴾ (التوبۃ:۱۰۲)

اعترافِ قصور

از افادات

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

اعترافِ قصور

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَ آخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ آخَرَ سَيِّئًا (التوبۃ:۱۰۲)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

انسان خطا کا پتلا ہے:

انسان کی فطرت ہے کہ

"اَلْاِنْسَانُ مُرَكَّبٌ مِنَ الْخَطَأِ وَالنِّسْيَانِ"

"انسان خطا اور نسیان کا مرکب ہے"

یعنی یہ بھول کر بھی غلطی کر سکتا ہے اور اپنے جذبات اور حالات سے مجبور ہو کر بھی غلطی کر سکتا ہے۔ یہ دونوں طرح کی غلطیاں کرنا انسان کی فطرت میں سے ہے۔ اس لیے

دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے کہ جو کہے کہ مجھ سے کبھی غلطی نہیں ہوتی۔

معصوم اور محفوظ ہستیاں:

اللہ رب العزت نے انبیائے کرام کو معصوم پیدا فرمایا۔ قدرت کا ایک نظام ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان کی فطرت ایسی پاکیزہ ہوتی ہے کہ ان سے ایسی غلطی سرزد ہی نہیں ہوتی۔ اور جو کاملین اولیاء اللہ ہوتے ہیں وہ محفوظ ہوتے ہیں یعنی وہ پھسلنے بھی لگتے ہیں تو اللہ کی رحمت ان کو سہارا دے دیتی ہے۔ باقی رہ گئے عوام الناس ''میں'' اور ''آپ'' ہم اچھے عمل بھی کر لیتے ہیں اور گناہ بھی کر بیٹھتے ہیں۔ بعض اوقات بات ہی ایسی کر دیتے ہیں کہ اس سے دوسرے کا دل دکھ جاتا ہے۔ کبھی ارادتاً ایسی بات کہہ بیٹھتے ہیں اور کبھی بھول کر۔ تو گویا ہم سے دونوں طرح کے گناہ سرزد ہو رہے ہوتے ہیں۔

اچھے انسان کی پہچان:

اچھا انسان وہ ہے جس کو اپنے گناہوں کا پتہ چل جاتا ہے۔ کئی مرتبہ انسان کی آنکھوں پر ایسی پٹی بندھی ہوتی ہے کہ اپنے ہاتھ سے کام کر رہا ہوتا ہے لیکن اس کی آنکھ نہیں دیکھتی، انسان کا دماغ نہیں سوچتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔

تصوف کا بنیادی نکتہ:

اللہ تعالیٰ جس سے بھی خیر کا ارادہ کر لیں اس کے عیوب اس کے سامنے واضح فرما دیتے ہیں چنانچہ حدیث مبارکہ ہے:

((اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ))

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما دیتے ہیں''

اور آگے فرمایا:

"وَزَهَدَهُ فِي الدُّنْيَا وَبَصَرَهُ عُيُوبَهُ"

"اور دنیا میں اس کو زہد عطا فرمادیتے ہیں اور اس کے عیبوں کا اس کو بصیر بنادیتے ہیں"

اسے فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ میں نے کہاں کہاں کوتاہی کی، کہاں کہاں غلطی کی۔ جب دل کی آنکھیں کام کرنا شروع کرتی ہیں تو انسان کے لیے ان غلطیوں کو سمجھ لینا آسان ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی سے ناراض ہوتے ہیں تو سب سے پہلا کام یہ کرتے ہیں کہ اس بندے کی کوتاہیاں اس کی نظر سے اوجھل کر دیتے ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ میرے اندر تو کوئی عیب نہیں ہے۔ باقی ساری دنیا اس کو عیب دار نظر آتی ہے اور اپنا آپ صاف نظر آنے لگتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے کی نشانی ہے۔ اس کے برعکس جس بندے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں تو اس کے عیوب اس کی نظروں کے سامنے کھول دیتے ہیں۔

اوروں پہ معترض تھے لیکن جو آنکھ کھولی
اپنے ہی دل کو ہم نے گنجِ عیوب پایا

بہادر شاہ ظفر کا کیا اعلیٰ کلام ہے!

نہ تھی اپنی برائیوں کی جب خبر، رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

جب اپنے عیب کھلتے ہیں تو پھر انسان کو دوسرے اچھے نظر آتے ہیں۔ اور یہی تصوف کا بنیادی نکتہ اور مرکز ہے کہ بندہ باقی سارے لوگوں کو اپنے سے بہتر جانے۔

خود پسندی کیسے ختم ہوتی ہے؟

ہمارے مشائخ نے فرمایا: تم اگر کسی دوسرے کے عیوب بیان کرنا چاہو تو پہلے اپنے عیوب پر نظر ڈالو۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب انسان اپنے عیوب کو دیکھتا ہے تو پھر اسکی ''میں'' ختم ہوتی ہے اور اس کی خود پسندی ختم ہو جاتی ہے۔ ورنہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ اسے تھوڑا سا کچھ مل جائے تو وہ اپنے آپ کو کچھ سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔

آپ غور کریں کہ کبھی بغیر تسبیح کے استغفار کرنے بیٹھیں تو ابھی بیس تیس مرتبہ ہی استغفار پڑھا ہو گا کہ بندہ سمجھے گا کہ سو دفعہ ہو گیا ہے۔ لیکن اگر کوئی گپ شپ اڑانے بیٹھیں یا وڈیو گیمز کھیلنے بیٹھیں تو ایک گھنٹہ بیٹھنے کے بعد بھی کہیں گے کہ ابھی پندرہ بیس منٹ ہوئے ہیں۔ تو گناہ کے کام میں ایک گھنٹہ تک مشغول رہنے کے بعد بھی وہ یہ سوچتے ہیں کہ ابھی تھوڑا سا وقت گزرا ہے۔

شکستہ دل کی قدر و منزلت:

جب انسان اپنے عیوب پر نظر ڈالتا ہے تو پھر اسے اپنی اوقات کا پتہ چلتا ہے۔ پھر اس کا دل ٹوٹتا ہے کہ مجھے جیسے ہونا چاہیے تھا میں نہ بن سکا۔ یہ دل کا ٹوٹنا اللہ کی ایک نعمت ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''دنیا میں ہر چیز کی قیمت ٹوٹنے سے گھٹتی ہے سوائے دل کے۔ دل کی قیمت ٹوٹنے سے بڑھ جاتی ہے''۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

جب بندے کا دل ٹوٹتا ہے تو اللہ کو بندے پہ پیار آتا ہے۔

حلیۃ الاولیاء میں ہے:

''قَالَ مُوْسَی عَلَیهِ السَّلَام: یَارَبِّ! اَیْنَ اَبْغِیْكَ؟''

''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! میں آپ کو کہاں ڈھونڈوں؟''

قَالَ اَبْغِنِیْ عِنْدَ الْمُنْکَسِرَةِ قُلُوْبُھُمْ

''فرمایا: تم مجھے ٹوٹے ہوئے دلوں میں ڈھونڈو، میں ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہوں''

توبہ کرنے والے خطا کار کی عظمت:

اب دو صورتیں ہیں:- ایک تو یہ کہ انسان نیکی کرے اور اپنے آپ کو اچھا سمجھے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ انسان گناہ کرے اور اپنے آپ کو پر خطا سمجھے۔

مشائخ کی نظر میں نیکی کر کے اپنے آپ کو اچھا سمجھنے والا برا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے اندر ''میں'' ہوتی ہے۔ اور یہ ''میں'' اللہ کو ناپسند ہے۔ اور گناہ کر کے اپنے آپ کو پر خطا سمجھنے والا یہ اللہ کو زیادہ پیارا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

''اَلْعَاصِیْ خَیْرٌ مِّنَ الْمُدَّعِیْ''

''دعویٰ کرنے والے سے گناہ گار زیادہ بہتر ہوتا ہے''

ایک حدیث مبارکہ ہے:

''خِیَارُکُمْ کُلُّ مُفْتَنٍ تَوَّابٍ''

''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو گناہ میں ملوث ہو اور پھر وہ توبہ کرے''

یعنی گناہ کیا، پھر احساس ندامت ہوا اسکے بعد توبہ کر لی۔ ایسا بندہ زیادہ بہتر ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ:

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ بنی اسرائیل کا ایک نیک آدمی تھا۔

وہ بہت عبادت گزار تھا، حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی کبھی اس طرف کو جاتے تو اس کو سلام فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ علیہ السلام اس کو ملنے کے لیے تشریف لے گئے۔ اس وقت ایک گنہگار آدمی بھی قریب سے گزرا۔ جب وہ قریب سے گزرا تو اس نیک راہب کی اس پر نظر پڑی، اور اس نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور یہ کہا:

به محشر که حاضر شود انجمن

خدایا! تو با او مکن حشر من

''اے اللہ! جب قیامت کے دن سب اکٹھے ہوں گے تو تو مجھے اس گنہگار کے ساتھ اکٹھا نہ کر دینا''

اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمالی۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اے میرے پیارے پیغمبر علیہ السلام! اس نیک راہب کو بتا دیجیے کہ میں نے تیری دعا قبول کر لی۔ تو نے کہا ہے کہ اے اللہ! مجھے آخرت میں اس کے ساتھ اکٹھا نہ کرنا۔ اب میں نے اس گنہگار بندے کی توبہ قبول کر لی ہے، اور میں نے اس کو جنت میں بھیجنے کا فیصلہ کر لیا ہے، اور تو نے چونکہ خود دعا مانگی ہے کہ مجھے اس کے ساتھ اکٹھا نہ کرنا، لہٰذا ب اس نیک آدمی کے ساتھ تجھے جنت میں نہیں بھیجوں گا۔ اللہ اکبر کبیرا!

زاہد غرور داشت سلامت نہ برد راہ

رند ازرہ نیاز بدارالسلام رفت

کئی مرتبہ انسان کا گناہ نیکی میں ترقی کا سبب بن جاتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ اس گناہ کی وجہ سے اللہ رب العزت کے سامنے شرمندہ ہوتا ہے۔

شیطان کے راستے پر چلنے والا:

''میں'' کا لفظ اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے۔اس لیے کہ یہ شیطان کا کام ہے۔ اور جو''میں'' کہتا ہے وہ شیطان کے رستے پر چلنے والا ہوتا ہے۔ ہمارے مشائخ نے تو ''میں'' کے لفظ کو استعمال کرنے سے بھی پرہیز کیا۔تاہم گفتگو میں کبھی کبھی یہ لفظ استعمال کرنا پڑتا ہے۔

لفظِ ''انا'' کی تحقیق:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''مرقاۃ'' میں ''انا'' کے لفظ کی بڑی عجیب تحقیق بیان فرمائی۔ وہ فرماتے ہیں:

☆......اگر انا سے مراد کسی کو خبر دینا ہو تو یہ جائز ہے۔جیسے فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (حم السجدہ:۶)

اس سے مقصود خبر دینا ہے۔

﴿وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ (ص:۸۶)

''انا'' کا لفظ یہاں بھی خبر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ایک حدیث مبارکہ ہے نبی علیہ السلام نے پوچھا:

آج کوئی روزہ دار ہے؟......سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں ہوں

کس نے جنازہ پڑھا؟......سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے

کس نے بیمار کی عیادت کی؟......سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے

پھر نبی علیہ السلام نے یہ باتیں پوچھنے کے بعد فرمایا: جس نے یہ سب کام کیے اس کے لیے جنت کی خوشخبری ہے۔

یہاں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی ''انا'' یعنی ''میں'' کا لفظ استعمال کیا۔ مگر

اسکا مقصد کیا تھا؟ خبر دینا، بتانا۔

☆......اگر جتلانا مقصود ہوتو یہ ناجائز ہے۔ جیسے شیطان نے کہا تھا:

﴿اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ﴾

''میں اس سے بہتر ہوں''

بندے کی ایسی ''میں'' اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت ناپسندیدہ ہے۔

ایک حدیث پاک میں ہے کہ کسی بندے نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ پوچھا: کون؟ اس نے جواب میں کہا: انا ''میں'' نبی علیہ السلام نے نکیر فرمائی، کہ نام بتاؤ: انا سے کیوں جواب دیا؟ تو حدِ فاصل یہ ہوئی کہ جہاں خبر دینا مقصود ہو وہاں انا کا لفظ جائز ہے اور جہاں اپنی اصلیت جتلانا مقصود ہو وہاں ناجائز ہے۔

انا العابد اور انا الزاهد کہنا:

مشائخ کے ہاں انا العابد اور انا الزاهد کہنا حرام ہے۔ یہ طریقہ ابلیس اور فرعون کا ہے۔ کیونکہ فرعون نے کہا تھا: انا ربکم الاعلی اور ابلیس کا کیا حشر ہوا تھا؟ اسکے واقعہ نے اہل اللہ کی راتوں کی نیندیں اڑا کے رکھ دی ہیں کہ اللہ رب العزت ناراض نہ ہو جائیں۔

فنا کی دلیل:

انبیاء کرام کا طریقہ کیا ہے؟ انا الفقیر، انا المذنب، انا عبدك...... اگرچہ یہاں بھی انا کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن یہ انا اصل میں فنا کی دلیل ہے۔

منصور حلاج اور فرعون کے انا کہنے میں فرق:

اب مشائخ نے یہ بھی عجیب بات کی کہ فرعون نے بھی کہا تھا: ''اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى'' اور

منصور حلاج نے بھی کہا تھا: ''اَنَا الْحَقُّ'' یعنی انا کا لفظ تو دونوں نے استعمال کیا۔ ایک قبول ہو گیا اور دوسرا مردود ہو گیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ منصور حلاج نے انا کا لفظ اپنے آپ کو مٹانے کے لیے کہا تھا اور فرعون نے انا کا لفظ اپنے آپ کو جتلانے کے لیے کہا تھا۔

گفت فرعونے انا الحق گشت پست
گفت منصورے انا الحق گشت مست

''فرعون نے انا الحق کہا تھا اور وہ پست ہو گیا اور منصور نے انا الحق کہا تھا اور اللہ کی محبت نے اس کو دیوانہ بنا دیا''

تصوف کا مقصود:

مشائخ ہمیشہ مٹنا سکھاتے ہیں۔ سید سلمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تھا: حضرت! تصوف کا مقصود کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: اپنے کو مٹا دینے کا دوسرا نام تصوف ہے۔

بکری کی ''میں'' بھی نکل گئی:

بکری کو سنیں تو وہ آواز ایسے نکالتی ہے جیسے میں، میں میں کہہ رہی ہو۔ اللہ رب العزت نے اس کی میں مٹانے کا ارادہ فرما لیا۔ تو پھر کیا ہوا؟ سب سے پہلے تو اس کے گلے پر چھری پھروائی۔ پھر اس کی کھال اتروائی۔ اس کے بعد چھریاں چلوا کے اس کی بوٹیاں کروائیں۔ پھر ہڈیاں کٹوائیں۔ جب اچھی طرح ٹکڑے ٹکڑے کروا دیا تو پھر اس کو آگ کے اوپر چڑھوا دیا۔ چنانچہ لوگ بکری کے گوشت کو بھون بھون کے کھاتے ہیں۔

اب پیچھے کیا بچا؟ بکری کے اندر کی آنتیں۔ ہم تو ان کو نکال کے پھینک دیتے ہیں۔ لیکن پہلے زمانے میں روئی دھننے والی ایک مشین ہوتی تھی، اس میں کچے دھاگے کام نہیں

آتے تھے۔ اس لیے اس میں بکری کی آنتوں کو خشک کر کے اسکو باندھا جاتا تھا۔ تو جب اس کو دھوپ کے اندر خشک کر کے باندھا جاتا تھا اور پھر چلانے والا اس کو چلاتا تھا تو اس میں سے توں، توں، توں کی آواز آتی تھی۔

دیکھیں! بکری کی میں نکالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا کیا حال کیا کہ اتنے مجاہدے کے بعد اس میں سے بے اختیار توں، توں، توں کی آواز آتی ہے۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ بھی اپنے اندر سے ''میں'' کو ختم کر کے اپنے اختیار سے کہے! مولا! تو ہی اعلیٰ وارفع ذات ہے، میں تو تیرا ایک ادنی سا بندہ ہوں اور اس کو اپنے اندر کوئی خوبی نظر نہ آئے۔

میں نوں منجھ فقیرا تے نکی کر کے کٹ
کھلے خزانے رب دے تو جویں چاہیں لٹ

''یہ جو ''میں'' ہوتی ہے اس کو خوب پیس دو، جب تو اپنی ''میں'' کو مٹائے گا تو اللہ کے خزانے بہت وسیع ہیں، پھر جتنا تو چاہے گا خزانوں میں سے لے لینا''

''میں'' کے متبادل الفاظ:

ہمارے مشائخ نے اپنی عام گفتگو میں بھی ''میں'' کا لفظ استعمال کرنے سے پرہیز فرمایا۔ وہ اپنی گفتگو میں کیا لفظ بولتے ہیں؟ فقیر...... اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خطاب کر کے فرمایا:

﴿یٰاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ﴾ (فاطر:۱۵)

جب اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو فقیر کہا تو پھر اس لفظ کا استعمال کرنا جائز ہوا۔

وہ اپنے آپ کو عاجز بھی کہتے ہیں۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ جو بندہ اپنے نفس کو کنٹرول نہ کر سکے اس کو عاجز کہتے ہیں۔

اور وہ اپنے آپ کو مسکین بھی کہتے ہیں۔حدیث مبارکہ میں یہ لفظ بھی آیا ہے۔

اس لیے ہمارے مشائخ اپنے بارے میں فقیر، عاجز اور مسکین کے الفاظ استعمال فرماتے ہیں ''میں'' کا لفظ ہی استعمال نہیں کرتے تھے۔زبان سے یہ لفظ نکالنا بھی ناپسند کرتے تھے۔

صفتِ رحیمیت کا ظہور کیسے ہوگا؟

حدیث پاک میں ہے کہ اگر تمام دنیا کے لوگ نیک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو ختم کر کے ایسے لوگوں کو پیدا فرمائے گا جو گناہ کر بیٹھیں اور پھر اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔اس لیے کہ اگر کوئی گنہگار ہی نہیں ہوگا تو اللہ کی صفت رحیمیت اور غفاریت کا ظہور کیسے ہوگا!؟ اس کا ظہور ہی اسی طرح ہوتا ہے کہ انسان اللہ کے سامنے عاجزی کرے، روئے اور معافیاں مانگے۔اللہ تعالیٰ معاف کر کے خوش ہو جاتے ہیں۔

ایک مجذوب کا پُر کیف کلام:

ایک مجذوب تھا۔وہ اکثر یہ شعر پڑھتا تھا:

چہار چیز آوردہ ام شاہا کہ در گنج تو نیست

''میرے پاس چار چیزیں ایسی ہیں کہ اے شہنشاہ حقیقی! وہ تیرے خزانے میں بھی نہیں ہیں''

یہ سن کر لوگ بڑے حیران ہوتے تھے کہ یہ مجذوب دیوانہ کیا کہتا ہے۔چنانچہ ایک بندہ پیچھے پڑ گیا اور اس نے اس سے پوچھا: وہ کونسی چیزیں ہیں جو اللہ رب العزت کے خزانے میں بھی نہیں ہیں۔تو انہوں نے شعر مکمل کیا:

چہار چیز آوردہ ام شاہا کہ در گنج تو نیست

نیستی و حاجت و عذر و گناہ آوردہ ام

''میں فنا ہونے والا ہوں تو فنا ہونے والا نہیں، میں محتاج ہوں تو محتاج نہیں ہے، میں گناہ کر کے عذر پیش کرتا ہوں اور تیرے پاس یہ بھی نہیں ہے''

واقعی! اسی طرح بندگی کرنی چاہیے۔ اور بندے کو بندگی ہی سجتی ہے کہ وہ اپنی کوتاہیوں کا اقرار کر کے اللہ کے سامنے اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔

گناہ، ترقی کا باعث......مگر کیسے؟

مشائخ نے فرمایا:

''رُبَّ ذَنْبٍ یَکُوْنُ لِلْمُوْمِنْ اَنْفَعُ مِنْ کَثِیْرٍمِنَ الطَّاعَاتِ مِنْ وَجَلِهٖ وَاِنَابَتِهٖ''

''کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک گناہ انسان کے لیے زیادہ ترقی کا باعث بن جاتا ہے، اس لیے کہ اسکے دل کے اندر اللہ کا خوف آجاتا ہے اور اللہ کی طرف رجوع آجاتا ہے''

اب اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ بندہ گناہ ہی کرنا شروع کر دے۔ یہ تو ڈھٹائی بن جائے گی۔ اور یہ بھی تکبر ہے کہ انسان گناہ سے پیچھے نہ ہٹے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بتقاضائے بشریت انسان گناہ کر بیٹھتا ہے، گناہ اس کا شعار نہیں تھا، نیکی اس کا طریق تھا، لیکن گناہ سرزد ہو گیا۔ اب اللہ سے معافی مانگے۔

مولانا مونگیری رحمۃ اللہ علیہ اور خوف ورجا:

حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا: حضرت! کیا حال ہے؟ فرمانے لگے:

''جو بندہ خوف اور رجا کے درمیان ہو اس کا حال کیا پوچھنا؟''

خوف اور رجا سے کیا مراد ہے؟ کہ جب اپنے آپ کو دیکھتے ہیں تو خوف آتا ہے کہ پتہ نہیں کیا حال ہوگا؟ اور جب اللہ تعالیٰ کی رحمت کو دیکھتے ہیں تو امید لگ جاتی ہے کہ وہ رحمت فرمادے گا۔

قرآن مجید میں امید افزا آیات:

قرآن مجید میں کچھ آیات ایسی ہیں جن کو ''آیات رجا'' بتایا گیا۔ یعنی ان کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کی امید لگ جاتی ہے۔ مثال کے طور پر:

☆......اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ (الزمر:۵۳)

''اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا''

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ (الزمر:۵۳)

''میرے ان بندوں کو بتادو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا''

یہاں مفسرین نے ایک نکتے کی بات لکھی ہے کہ اگر بچہ غلطی کرے اور باپ غصے میں ہو تو بیوی سے کہتا ہے: اسے کہو کہ یہ چلا جائے۔ یہاں بھی الفاظ یہ بتا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ غصے میں ہیں اور فرما رہے ہیں کہ میرے بندوں کو بتادو، جیسے کوئی اجنبی ہوتا ہے، اپنائیت نظر نہیں آرہی۔ اب جس بندے نے گناہ کیا تھا، اس کے لیے انداز تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ اس کو کہہ دو۔ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ﴾ (الزمر:۵۳)

'میرے بندوں کو بتادو'

اتنے گناہوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اپنا بندہ ہی کہا، اس بات

کو نظر انداز نہ فرمایا۔ اس آیت کو پڑھتے ہیں تو دل کے اندر ایک امید لگ جاتی ہے۔

☆......بعض مشائخ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ امید افزا آیت ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ﴾

''اور وہ لوگ جنہوں نے فحش کام کیے اور اپنی جانوں پہ ظلم کیا، پھر انہوں نے اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی''

﴿وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (ال عمران:۱۳۵)

''اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے گناہوں کو معاف کرنے والا؟''

انہوں نے فرمایا کہ یہ زیادہ امید افزا آیت ہے۔

☆......امام باقر رحمۃ اللہ علیہ جو امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی ہیں، ان سے کسی نے پوچھا: حضرت! قرآن مجید کی سب سے زیادہ امید دلانے والی آیت کون سی ہے؟ حضرت خاندانِ نبوت میں سے تھے، سادات میں سے تھے، فرمانے لگے: سب سے زیادہ امید دلانے والی آیت ہے:

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ (الضحیٰ)

''اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو آپ کا رب اتنا عطا کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے''

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو بس بس کرے گا۔

پھر سوال پوچھنے والے نے امام باقر رحمۃ اللہ علیہ سے دوبارہ عرض کیا: حضرت! یہ آیت امید دلانے والی کیسے ہے؟ تو فرمایا:

اَلَمْ یَرْضِكَ الرَّحْمٰنُ فِی سُوْرَةِ الضُّحٰی
فَحَاشَاكَ اَنْ تَرْضٰی وَفِیْنَا مُعَذَّبٌ

''کیا سورۃ الضحیٰ میں رحمان نے یہ وعدہ نہیں کیا کہ وہ اتنا دے گا کہ آپ کو خوش کر دے گا؟ اے اللہ کے حبیب ﷺ! آپ کی رحمۃ للعالمینی سے یہ بعید ہے کہ ہم پر عذاب ہو رہا ہو اور آپ راضی ہو جائیں''

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرما دیا کہ اے میرے محبوب ﷺ! میں آپ ﷺ کو خوش کر دوں گا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک امتی جہنم میں جا رہا ہو اور اللہ کے حبیب ﷺ راضی ہو جائیں!

اعترافِ قصور......انبیائے کرام کا شعار:

ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کریں اور معافی کے طلب گار رہیں۔ معافی مانگنے میں دیر نہ کریں۔ ہر وقت اپنے پروردگار سے معافی مانگیں۔ اس لیے کہ اپنے جرم کا اعتراف کر لینا، انبیائے کرام کی مبارک سنت ہے۔ ذرا غور کریں:

☆......سیدنا آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ آپ نے شجر ممنوعہ کا پھل کیوں کھایا؟ کیا میں نے منع نہیں کیا تھا، تو آگے سے جواب میں کوئی بہانہ نہ بنایا، بلکہ سیدھی سیدھی بات کہی:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾

(الاعراف:۲۳)

''اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اگر تو ہمیں معاف کرے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے بن جائیں گے''

اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

☆......حضرت نوح علیہ السلام کشتی پر سوار ہیں اور چاہتے ہیں کہ بیٹا بھی سوار ہو جائے، مگر وہ سوار نہیں ہوتا، والد کی آنکھوں کے سامنے ڈوبا۔ تو حضرت نوح علیہ السلام نے اتنا پوچھا: اے پروردگارِ عالم!

﴿اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقّ﴾ (ہود:۴۵)

''میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا اور آپ کے وعدے تو سچے ہیں''

یعنی اے پروردگار! آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں آپ کے اہل کو بچاؤں گا۔ تو اس وقت پروردگارِ عالم کی طرف سے جواب آیا:

﴿اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ﴾ (ہود:۴۶)

''وہ تیرے اہل میں سے نہیں تھا اس لیے کہ اس کے عمل برے تھے''

اور پھر آگے فرمایا:

﴿وَلَا تَسْئَلْنِیْ مَالَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾

''اور جس بات کا آپ کو علم نہیں وہ مجھ سے مت مانگیں''

اور آگے جو فرمایا، وہ پڑھ کر دل کانپ جاتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿اِنِّیْ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِیْنَ﴾ (ہود:۴۵)

''میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ جاہلوں والی بات مت کریں''

اللہ اکبر کبیرا...... یا اللہ! آپ کے وہ پیغمبر جنہوں نے رات دن تیرے دین کی تبلیغ کی، پتھر کھائے اور صرف اتنا پوچھتے ہیں کہ اے پروردگارِ عالم! میرے اہل خانہ کو آپ نے بچانے کا وعدہ فرمایا تھا اور میرا بچہ بھی میرے اہل میں سے تھا تو اس کے جواب میں یہ آیات اتریں۔

جیسے ہی یہ آیات اتریں تو فوراً عرض کیا:

﴿رَبِّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمْنِیْ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ (ھود:۴۷)

''اے پروردگار! بے شک میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں ایسی بات کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں، اگر آپ مجھے معاف نہیں کریں گے اور آپ مجھ پر رحم نہیں کریں گے تو میں خسارہ اٹھانے والا بن جاؤں گا''

اعترافِ قصور اسے کہتے ہیں۔ یہ انبیاء کی شان ہوتی ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی عظمتوں کو جاننے والے ہوتے ہیں۔

☆......حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ رب العزت سے بہت ڈرایا لیکن قوم باز نہ آئی۔ حتی کہ اشارہ ہوگیا کہ عذاب آئے گا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جب عذاب کی خبر سنی تو اپنا علاقہ چھوڑ کر چلے گئے۔ آپ کے چلے جانے کے بعد قوم کو احساس ہوا کہ ہمیں تو اللہ کے نبی علیہ السلام بھی چھوڑ کر چلے گئے۔ اب تو کوئی سہارا بھی نہ تھا۔ عذاب کے کچھ آثار بھی نظر آنے لگے۔ تو انہوں نے اپنے مردوں اور عورتوں کو کھلے میدان میں جمع کرلیا۔ حتی کہ جانوروں کو بھی لے آئے۔ اور جانوروں کے بچے ماؤں سے الگ کردیے اور عورتوں کے بچوں کو بھی ان سے الگ کردیا۔ انسانوں کے بچوں کے رونے کا بھی شور تھا، جانوروں کے بچوں کے رونے کا بھی شور تھا، مردوں اور عورتوں نے بھی آہ و زاری کرنی شروع کردی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے رو رو کر کہا: اے پروردگار! ہمیں تو آپ کے پیغمبر علیہ السلام بھی چھوڑ کر چلے گئے، اب تو تیرے در کے سوا کوئی در نہیں۔ دنیا میں یہی وہ قوم تھی جس پر دنیا میں اللہ کا عذاب آنے لگا اور آتے ہوئے عذاب کو میرے پرودگار نے روک لیا۔

اور ادھر کیا ہوا؟ جب حضرت یونس علیہ السلام کشتی میں بیٹھے تو کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ ایسے لگتا تھا کہ ڈوب ہی جائے گی۔ اس وقت ملاح نے کہا: لگتا ہے کہ کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا ہاں! میں ہوں۔ چنانچہ ان کو دریا میں ڈال دیا گیا۔

جب ان کو دریا میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کو حکم دیا کہ ان کو اپنے پیٹ میں لے لو۔ اندھیروں میں چلے گئے۔ اس اندھیرے میں وہ پروردگار سے دعا کرتے ہیں:

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (الانبیاء:۸۷)

اس کو اعترافِ قصور کہتے ہیں۔

اس پر اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں؟

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الانبیاء:۸۸)

''قیامت تک جو بندہ اپنے قصور کا اعتراف کرتا رہے گا، ہم ایسے ایمان والوں کو اس طرح ڈر اور غم سے نجات عطا فرماتے رہے گے''

☆......اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے امت کو دعا سکھائی:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا))

''اے اللہ میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیے''

ایک اور دعا سکھائی:

((اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، اَنْتَ رَبِّيْ وَاَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاعْتَرَفْتُ بِذُنُوْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيْعًا لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ))

اس دعا میں بھی اعتراف قصور کی تعلیم دی گئی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی:

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جب سالک کے اوپر اپنی حقیقت کھلتی ہے تو اسے اپنی نیکیاں بھی اپنی برائیاں نظر آتی ہیں۔ اس لیے کہ یہ نیکیاں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کے قابل ہیں ہی نہیں۔ پڑھی تو نماز، مگر نماز میں دھیان ہی نہیں تھا، توجہ ہی نہیں تھی نماز کی طرف۔ گویا اپنی پڑھی ہوئی نماز بھی اپنے عیبوں میں سے ایک عیب نظر آتی ہے، ایسی کیفیت ہو جاتی ہے اور انسان دل سے کہہ اٹھتا ہے کہ واقعی میرا کوئی عمل پیش کرنے کے قابل نہیں۔ جب اس کے دل میں یوں اللہ رب العزت کی عظمت پیدا ہوتی ہے تو اس کے دل سے ''میں'' ختم ہو کے رہ جاتی ہے۔

امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ اور خوفِ خدا:

امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں ایک مرتبہ بیت اللہ کے طواف کے لیے گیا تو میں نے ایک بندے کو دیکھا کہ وہ سجدے میں سر رکھ کر رو رہا ہے، دعائیں کر رہا ہے۔ میں نے قریب ہو کر دیکھا تو وہ امام زین العابدین تھے۔ میں نے ان سے کہا: حضرت! آپ تو سادات میں سے ہیں، آپ کو اتنا رونے کی کیا ضرورت؟ آپ کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا:

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ (الاحزاب:۳۳)

یہ سن کر انہوں نے سر اٹھایا اور کہا:

اصمعی! کیا تمہیں پتہ ہے کہ قیامت کا دن وہ دن ہے کہ

﴿فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ﴾ (المومنون:۱۰۱)

''قیامت کے دن نسب کو نہیں دیکھا جائے گا''

یعنی وہاں جواب دینا پڑے گا۔ ہمارے اکابر اتنا ڈرتے تھے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا:

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ دعا میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتے رہے، یا اللہ! بخش دیجیے، بخش دیجیے، معاف کردیجیے، پھر اخیر میں فارسی میں ہی یہ دعا مانگی:

"خداوندا! بخشائے واگر مستوجب عقوبتم مرا روز قیامت نابینا برانگیز قادر روئے نیکاں شرمسار بناشم"

"اے اللہ! مجھے معاف فرمادیجیے، اور اگر میں تیری سزا کا مستحق ہوں تو مجھے قیامت کے دن اندھا کھڑا کردینا تاکہ نیکوں کے سامنے شرمسار نہ ہوں"

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب کلام:

حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ علامہ اقبال کا ایک شعر ایسا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی۔ وہ شعر کیا ہے؟ عجیب کلام کہا:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر

"اے اللہ! تو دو عالم سے غنی ہے، میں فقیر ہوں"

روز محشر عذر ہائے من پذیر

"اے اللہ! قیامت کے دن میرے عملوں کو قبول کرلیجیے گا"

گر تو مے بینی حسابم ناگزیر

"اے اللہ! اگر تو فیصلہ کرلے کہ میرا حساب لینا ضروری ہے"

از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

''اے اللہ! مصطفیٰ کریم کی نگاہوں سے اوجھل میرا حساب لے لینا''

یعنی مجھے ان کے سامنے کی شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرمائیں گے کہ میرا یہ امتی ایسا تھا......!!!

ایک عاجزانہ دعا:

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں بیت اللہ کے دروازے پر گیا۔ وہاں میں نے ایک بندے کو دعا مانگتے ہوئے دیکھا۔

بردر کعبہ سائلے دیدم
کہ ہمی گفت ومی گرستی خوش

وہ کیا دعا کر رہا تھا؟

من نہ گویم کہ طاعتم بپذیر
قلم عفو برگناہم کش

''میں یہ نہیں کہتا کہ میری نیکیوں کو قبول کر لیجیے، بس اتنا کہتا ہوں کہ میرے گناہوں پر قلم پھیر دے''

خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی دعا:

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا کہ آپ کو ہم ایسا بیٹا دیں گے جو مادرزاد ولی ہوگا۔ ولایت کا نور لے کر پیدا ہوگا۔ وہ پوری زندگی کبیرہ گناہ کا مرتکب نہیں ہوگا۔

چنانچہ جب وہ بچہ پیدا ہوا تو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا نام محمد معصوم رکھا۔ یہ اسی الہام کی بنیاد پر نام رکھا تھا۔ یہ بچہ ایسا تھا کہ رمضان المبارک میں دن کے اوقات میں اپنی

ماں کا دودھ نہیں پیا کرتا تھا۔ حتی کہ اس سال عید کے چاند کے بارے میں اختلاف ہو گیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے عید کی نماز پڑھی۔ کسی نے عرض کیا: حضرت! چاند کی تصدیق بھی کی ہے؟ آپ نے بچے کو گھر بھیجا اور فرمایا کہ پوچھ کے آؤ کیا محمد معصوم نے دودھ پیا ہے؟ جواب آیا: ہاں بچے نے دن کے وقت میں دودھ پیا ہے۔ اس وقت حضرت نے فرمایا: پورے رمضان میں میرے اس بچے نے روزے کے اوقات میں دودھ نہیں پیا۔

اس بچے نے نو سال کی عمر میں اپنے والد سے خلافت پائی۔ آپ کے ہزاروں خلفاء اور لاکھوں مریدین تھے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام اور معرفت عطا فرمائی، انہوں نے اپنے لیے ختم کونسا پسند کیا؟

﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (الانبیاء:۸۷)

ان کی دعاؤں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے یہ دعا مانگی:

''اے اللہ! میں اس قابل تو نہیں کہ میں آپ سے جنت کے بڑے رتبے مانگوں، البتہ یہ تمنا ضروری ہے کہ قیامت کے دن بخشش کیے ہوئے گنہگاروں کی قطار میں مجھے بھی شامل فرما دینا''

ایک مسنون دعا:

نبی علیہ السلام نے اپنی امت کو ایک دعا سکھلائی فرمایا:

''اَنَا الْمُقِرُّ مُعْتَرِفٌ بِذَنْبِیْ''

''اے اللہ! میں اقرار کرتا ہوں، میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں''

اس لیے ہم بھی اپنی دعاؤں میں اس دعا کو مانگنا لازم کر لیں کہ اے اللہ! قصوروار ہیں، مگر تیری رحمت کے طلب گار ہیں، آپ مہربانی فرما دیجیے۔

یااللہ! اب رد نہ فرما:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ (التوبۃ:۱۱۱)

''اللہ تعالیٰ نے مومن کی جان اور مال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے''

اس پر کسی نے عجیب شعر کہا:

تو بعلم ازل مرا دیدی
دیدی آنکہ بعیب بخریدی

''اے اللہ! تو ازلی علم کے ساتھ مجھے جانتا ہے اور میرے عیبوں کے جاننے کے باوجود آپ نے اپنے خریدنے کا فیصلہ فرمادیا''۔

تو بعلم آں و من بعیب ہماں
رد مکن آنچہ خود پسندیدی

''تو وہی علم والا ہے اور میں وہی عیبوں والا ہوں اللہ! جیسے تو نے پہلے پسند کیا اسے رد نہ کر دینا''۔

نہ شگوفہ ام نہ برگم نہ ثمر نہ سایہ دارم
ہمہ حیرتم کہ دہقاں بچہ کارکشت مارا

اعترافِ قصور کرنا ہی پڑے گا:

یہ ذہن میں رکھنا کہ ہمیں اعترافِ قصور کرنا ہی پڑے گا، یا تو دنیا میں ہی کر لیں۔ اگر دنیا میں نہیں کریں گے تو پھر آخرت میں تو ضرور کرنا پڑے گا۔ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ یا تو جیتے جی کہہ دیں کہ اللہ! میں اپنے قصوروں کا اعتراف کرتا ہوں، یہ آسان طریقہ ہے۔ ورنہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈالیں گے تو اس وقت جہنم والے فرشتے

پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ تو کہیں گے: ہاں! ڈرانے والا ہمارے پاس آیا تھا:

﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي اَصْحَابِ السَّعِيْرِ﴾ (الملک:۱۰)

''اگر ہم ان کی بات پر کان دھرتے اور ہمارے اندر عقل کی رتی ہوتی تو ہم جہنم والوں میں سے نہ ہوتے''

آگے کیا فرمایا؟

﴿فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحَابِ السَّعِيْرِ﴾ (الملک:۱۱)

''وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے'' تو پتہ چلا کہ گناہوں کا اعتراف تو کرنا ہی پڑے گا، بہتر یہ ہے کہ دنیا میں ہی کر لیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں کہ اے اللہ! میں خطا کار اور گنہگار، اور تو بخشنہار ہے، اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرما دے۔

کبھی طاعتوں کا سرور ہے، کبھی اعترافِ قصور ہے
ہیں فرشتے جس سے بے خبر، وہ حضور میرا حضور ہے
جو ہے اہل عشق کی ابتدا، جو ہے اہل عشق کی انتہا
میں بتاؤں احمد بے نوا، میرا اعترافِ قصور ہے

جب بندہ اعترافِ قصور کرتا ہے تو پھر اس کے دل میں ایک غم لگا ہوتا ہے کسی نے کیا اچھی بات کہی!

کباب سیخ ہیں ہم کروٹیں ہر سو بدلتے ہیں

جیسے سیخ پر کباب ہوتا ہے اور وہ جل رہا ہوتا ہے۔

کباب سیخ ہیں ہم کروٹیں ہر سو بدلتے ہیں
جو جل اٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

مومن کا دنیا میں یہ حال ہوتا ہے کہ ہر رات اپنے رب سے معافی مانگ رہا ہوتا ہے

أُحِبُّ مُنَاجَاةَ الْحَبِيْبِ بِأَوْجُهٍ
وَلٰكِنْ لِسَانُ الْمُذْنِبِيْنَ قَلِيْلٌ

وہ اللہ سے معافیاں بھی مانگتا ہے، مگر کہتا ہے اے اللہ! خطا کار کی زبان چھوٹی ہوتی ہے، وہ بات ہی نہیں کر سکتا۔ لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ سے معافیاں مانگتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ کہنے والے نے کہا۔

كَيْفَ أَدْعُوْكَ وَأَنَا عَاصٍ

''اے اللہ! میں آپ سے کیسے دعائیں مانگوں، میں بڑا گنہگار ہوں''

مگر پھر دوسری بات کہہ دی:

كَيْفَ لَا أَدْعُوْكَ وَأَنْتَ كَرِيْمٌ

''اے اللہ! میں آپ سے کیسے دعا نہ مانگوں، جب کہ آپ اتنے کریم ہیں''

جو قصوروں کو معاف کرنے والا ہو، میں اس سے دعا کیوں نہ مانگوں!

ہمیں چاہیے کہ اس کریم پروردگار سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور اپنے رب کے حضور عرض کریں کہ آنے والی زندگی میں گناہوں سے ہماری حفاظت فرمائیے اور ہمیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرما لیجیے۔ (آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○

ہوا و حرص والا دل بدل دے
میرا غفلت میں ڈوبا دل بدل دے

بدل دے دل کی دنیا دل بدل دے
خدایا فضل فرما دل بدل دے

گنہگاری میں کب تک عمر کاٹوں
بدل دے میرا رستہ دل بدل دے

سنوں میں نام تیرا دھڑکنوں میں
مزہ آ جائے مولیٰ دل بدل دے

کروں قربان اپنی ساری خوشیاں
تو اپنا غم عطا کر دل بدل دے

ہٹا لوں آنکھ اپنی ماسویٰ سے
جیوں میں تیری خاطر دل بدل دے

پڑا ہوں تیرے در پر دل شکستہ
رہوں کیوں دل شکستہ دل بدل دے

ترا ہو جاؤں اتنی آرزو ہے
بس اتنی ہے تمنا دل بدل دے

میری فریاد سن لے میرے مولیٰ
بنا لے اپنا بندہ دل بدل دے

ہوا و حرص والا دل بدل دے
میرا غفلت میں ڈوبا دل بدل دے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿الٓرٰ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ۙ بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ﴾ (ابراہیم:۱)

قرآن مجید اور سائنسی اشارے

از افادات

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

اقتباس

یہ کائنات ایک سجے سجائے محل کی مانند ہے۔ زمین کو اللہ رب العزت نے فرش بنایا۔ فرمایا:

﴿وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ﴾ (الذریت:۴۸)

''اور آسمان کو اللہ رب العزت نے چھت بنایا''

﴿وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا﴾ (الانبیاء:۳۲)

''اور ہم نے آسمان کو تمہارے لیے محفوظ چھت بنا دیا''

اور یہ ایسی چھت ہے کہ جس کے بارے میں فرمایا:

﴿بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ (لقمن:۱۰)

''تم دیکھتے ہو کہ یہ بغیر ستونوں کے ہم نے کھڑی کر دی ہے''

اور واقعی اگر انسان کہیں چھت بناتا ہے تو اسے کہیں نہ کہیں ستون دینے پڑتے ہیں۔ ستونوں (Beams) کے سوا چھت نہیں پڑتی۔ یہ ایسی چھت ہے کہ فرمایا: تم اپنی آنکھوں سے دیکھو، اسے ہم نے بغیر ستونوں کے کھڑا کر دیا۔ اور پھر فرمایا:

﴿اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِ الْكَوَاكِبِ﴾ (الصفت:۱)

''ہم نے تمہاری اس چھت کو زینت دے دی ستاروں کے ذریعے سے''

یعنی ہم نے اسے مزین (Decorate) کر دیا، خوبصورت بنا دیا۔

(حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم)

قرآن مجید اور سائنسی اشارے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الٓرٰ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّھِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ (ابراہیم:۱)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

آب حیات:

قرآن مجید، فرقان حمید کے بارے میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّھِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ﴾ (ابراہیم:۱)

''یہ ایسی کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا تا کہ آپ انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں''

تو معلوم ہوا کہ قرآن مجید، فرقان حمید، اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانے والی کتاب، قعر مذلت میں پڑے ہوؤں کو اوج ثریا پہ پہنچانے والی کتاب، بھولے بھٹکوں کو سیدھا راستہ دکھانے والی کتاب، حتیٰ کہ یہ انسانیت کے لیے آب حیات ہے۔

اس کتاب کا دیکھنا بھی عبادت، چھونا بھی عبادت، پڑھنا بھی عبادت، پڑھانا بھی عبادت، سمجھنا بھی عبادت، سمجھانا بھی عبادت، سننا بھی عبادت، سنانا بھی عبادت، اور اس کتاب پر عمل کرنا، دنیا کی سب سے بڑی عبادت ہے۔

مقناطیسِ رحمت:

آپ نے دیکھا ہوگا کہ لوہے کو کھینچنے کا ایک مقناطیس ہوتا ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی ہو، وہ لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ قرآن مجید، فرقان حمید کو پڑھا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ رب العزت کی رحمتوں کو کھینچنے والا مقناطیس ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (الانفال:۲۰۴)

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم اس کو توجہ سے سنو، خاموش رہو، تاکہ تم پر اللہ کی رحمتیں برسائی جائیں''

تو جہاں قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے، وہاں اللہ رب العزت کی رحمتیں چھم چھم برستی ہیں گویا یہ رحمت خداوندی کو کھینچنے والا مقناطیس ہے۔

یہ ایسی کتاب ہے کہ جس کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ صداقتوں کا مجموعہ ہے اور حقیقتوں سے بھری ہوئی کتاب ہے کائنات کی انتہائی حقیقتوں

(Ultimate relities of the universe)

کو اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں اکٹھا فرما دیا۔

قرآن مجید اور سائنسی اشارے:

قرآن مجید کتاب ہدایت ہے جو بندے کو سیدھا راستہ دکھانے کی راہنمائی کرتی ہے۔ تاہم یہ اللہ رب العزت کا کلام ہے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ جس شعبے سے بھی تعلق رکھنے والا بندہ ہو، جب وہ اس کی تلاوت کرتا ہے تو اس کو اپنے شعبہ سے متعلقہ کچھ اسرار و رموز اور نکات ملتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کتاب میں کتنے سائنسی اشارات بھی موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿سَنُرِيهِمْ ايٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾ (حم سجدہ:۵۳)

''ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں اور انفس میں۔ حتیٰ کہ ان پر حق کھل کر بالکل واضح ہو جائے گا''

آفاق کہتے ہیں انسان کے باہر کے جہاں کو، اور انفس کہتے ہیں انسان کے اندر کے جہاں کو۔ چنانچہ اگر آج ہم چاروں طرف دیکھیں تو قدرت کی کتنی نشانیاں ہیں جن کو ہم اپنی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں۔

قرآن مجید وہ کتاب ہے جس نے آنکھوں کو بند کرنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ آنکھیں کھول کر دیکھنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

الم تر ''کیا تو نے دیکھا؟''

الم تروا ''کیا تم لوگوں نے دیکھا؟''

کتنی آیتیں ہیں جو متوجہ کر رہی ہیں کہ تم ذرا دیکھو تو سہی اور پھر اپنی عقل سلیم سے اس کو اینالائز تو کرو، تمہیں حق اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آئے گا۔

چنانچہ آیئے! قرآن مجید کی اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آج ہم قرآن مجید کی

چند آیتوں پر غور کریں۔

کائنات......ایک سجا ہوا محل:

یہ کائنات ایک سجے سجائے محل کی مانند ہے۔ زمین کو اللہ رب العزت نے فرش بنایا۔ فرمایا:

﴿وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ﴾ (الذریت:۴۸)

''اور آسمان کو اللہ رب العزت نے چھت بنایا''

﴿وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا﴾ (الانبیاء:۳۲)

''اور ہم نے آسمان کو تمہارے لیے محفوظ چھت بنا دیا''

اور یہ ایسی چھت ہے کہ جس کے بارے میں فرمایا:

﴿بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ (لقمن:۱۰)

''تم دیکھتے ہو کہ یہ بغیر ستونوں کے ہم نے کھڑی کر دی ہے''

اور واقعی اگر انسان کہیں چھت بناتا ہے تو اسے کہیں نہ کہیں ستون دینے پڑتے ہیں۔ ستونوں (Beams) کے سوا چھت نہیں پڑتی۔ یہ ایسی چھت ہے کہ فرمایا: تم اپنی آنکھوں سے دیکھو، اسے ہم نے بغیر ستونوں کے کھڑا کر دیا۔ اور پھر فرمایا:

﴿اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨ الْكَوَاكِبِ﴾ (الصفت:۱)

''ہم نے تمہاری اس چھت کو زینت دے دی ستاروں کے ذریعے سے''

یعنی ہم نے اسے مزین (Decorate) کر دیا، خوبصورت بنا دیا۔

دل بھرتا ہی نہیں:

اللہ کی شان! علما نے لکھا ہے کہ چند ایسی چیزیں ہیں جن کو دیکھنے سے بندے کا دل نہیں بھرتا مثال کے طور پر:

قرآن مجید اور سائنسی اشارے:

قرآن مجید کتاب ہدایت ہے جو بندے کو سیدھا راستہ دکھانے کی راہنمائی کرتی ہے۔تاہم یہ اللہ رب العزت کا کلام ہے۔دیکھا یہ گیا ہے کہ جس شعبے سے بھی تعلق رکھنے والا بندہ ہو، جب وہ اس کی تلاوت کرتا ہے تو اس کو اپنے شعبہ سے متعلقہ کچھ اسرار و رموز اور نکات ملتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کتاب میں کتنے سائنسی اشارات بھی موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾ (حم سجدہ:۵۳)

''ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں اور انفس میں۔حتی کہ ان پر حق کھل کر بالکل واضح ہو جائے گا''

آفاق کہتے ہیں انسان کے باہر کے جہاں کو، اور انفس کہتے ہیں انسان کے اندر کے جہاں کو۔ چنانچہ اگر آج ہم چاروں طرف دیکھیں تو قدرت کی کتنی نشانیاں ہیں جن کو ہم اپنی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں۔

قرآن مجید وہ کتاب ہے جس نے آنکھوں کو بند کرنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ آنکھیں کھول کر دیکھنے کا حکم دیا ہے۔چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

الم تر ''کیا تو نے دیکھا؟''

الم تروا ''کیا تم لوگوں نے دیکھا؟''

کتنی آیتیں ہیں جو متوجہ کر رہی ہیں کہ تم ذرا دیکھو تو سہی اور پھر اپنی عقل سلیم سے اس کو اینالائز تو کرو، تمہیں حق اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آئے گا۔

چنانچہ آیئے! قرآن مجید کی اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آج ہم قرآن مجید کی

آسمان کو دیکھنے سے کبھی دل نہیں بھرتا۔ آپ روز دیکھیں، آپ کو روز ایک نئی کشش (Attraction) نظر آئے گی۔ ساری عمر آپ آسمان کو دیکھتے رہیں، ہر دن آپ انجوائے کریں گے، آپ کبھی اکتاہٹ محسوس نہیں کریں گے، تو اللہ تعالیٰ نے اس میں انسان کے لیے جاذبیت رکھ دی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿مَاتَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ﴾ (الملک:۳)

''اگر تم اس میں سے کوئی نقص ڈھونڈ سکتے ہو تو تم میری بنائی ہوئی چھت کو دیکھو اور اس میں سے تم کوئی نقص ڈھونڈ کر دکھاؤ''

لیکن

﴿فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ﴾ (الملک:۳)

''تم اگر دیکھو گے تو تمہاری نگاہ ناکام واپس لوٹے گی تمہیں اس میں کوئی نقص نظر نہیں آئے گا۔''

﴿ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ كَرَّتَيۡنِ﴾ (الملک:۴)

فرمایا: چلو! تمہیں ایک بار عیب نظر نہیں آیا تو دوسری دفعہ دیکھ لو، تم اس میں سے عیب ڈھونڈ ہی نہیں سکتے۔

دیکھیے! اللہ رب العزت نے انسان کے لیے یہ کیسا محل بنایا۔ کہنے والے کسی شاعر نے کہا:

کھیتیاں سرسبز ہیں تیری غذا کے واسطے
چاند سورج اور ستارے ہیں ضیا کے واسطے
بحر و بر، شمس و قمر ما و شما کے واسطے
یہ جہاں تیرے لیے اور تو خدا کے واسطے

فرمایا:

((اِنَّ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَاَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ))

''اس دنیا کو ہم نے تمہارے لیے بنایا اور تمہیں اللہ نے آخرت کے لیے بنایا''

اپنی ذات کی عبادت کے لیے، معرفت اور پہچان کے لیے بنایا۔

جہاں پانی......وہاں زندگانی:

آپ قرآن مجید کی چند آیتوں پر غور کیجیے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے جدید سائنس کی بنیاد ہی نہیں تھی، ابھی پہیہ دریافت نہیں ہوا تھا، ڈائنمو نہیں بنا تھا۔ اس وقت قرآن مجید ایک حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے، کہتا ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ﴾ (الانبیاء:۳۰)

''اور ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندگی بخشی''

اب دیکھیں کہ یہ تو مالک الملک کا کلام یہیں سے ثابت ہو رہا ہے۔ کتنے اعتماد (Confidence) سے بات کی جا رہی ہے کہ ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندگی بخشی۔ اور آج کی سائنس کی دنیا اتنی تحقیق (Research) اور ترقی (Development) کے بعد یہ بات کہتی ہے: جہاں پانی ہوگا، وہی نشو نما (Growth) ہوگی اور وہی لائف (زندگی) ہوگی۔

چنانچہ پچھلے دنوں مریخ پر تحقیق (Research) کے لیے جو مشن بھیجے گئے تو سائنس دانوں نے مریخ کے اوپر اندازہ لگانے کے لیے جو پوائنٹ بنایا، وہ یہ تھا کہ پانی ہے یا نہیں۔ اگر پانی مل گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں زندگی (Life) یقیناً ہو سکتی ہے۔ دیکھیں! ایک بات چودہ سو سال پہلے کی گئی اور وہ چودہ سو سال پہلے کی بات آج کی سائنس کی دنیا تسلیم کرتے ہوئے کہتی ہے:

’’جہاں پانی ہوگا، وہیں زندگی (Life) ہوگی‘‘

زمین کا توازن (Balancing of Earth):

اب آگے دیکھیے! قرآن مجید نے فرمایا:

﴿وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا﴾ (النباء:۷)

’’اور ہم نے تمہارے لیے ان پہاڑوں کو میخیں بنا دیا‘‘

اوتاد اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کو قابو کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر: اگر خیمہ لگا ہو تو خیمے کے رسے کو جس کھونٹے کے ساتھ باندھتے ہیں اور وہ اس خیمے کو ہولڈ کرتا ہے، اس کو اوتاد کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم نے ان پہاڑوں کو تمہارے لیے اوتاد بنایا، تاکہ یہ زمین حرکت نہ کر سکے اور تمہارے لیے بالکل پرسکون رہے۔

ایک سائنس کے طالب علم ہونے کے ناتے ہم نے انجینئرنگ کے دوران یہ پڑھا تھا کہ اگر ایک میٹر قطر (Diameter) کا کوئی پہیہ ہو اور اس کے کسی ایک طرف ایک گرام کا کوئی فرق ہو تو وہ ایک گرام کا فرق ایک ٹن کا فائنل تھرسٹ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ گاڑی چلاتے ہیں تو معمولی سے فرق کی وجہ سے آپ کا پہیہ اس طرح وائبریٹ کر رہا ہوتا ہے، لوگ بیٹھتے ہی کہتے ہیں: یار! اس میں توازن نہیں ہے، توازن کراؤ۔ اتنا چھوٹا سا وزن (Weight) وزن اور گاڑی کی سپیڈ 120 میل فی گھنٹہ ہو تو وہ اس کے اندر اتنی ارتعاش (Vibration) پیدا کر دیتی ہے۔ اور ہماری زمین کا محیط (Cirumference) تقریباً 24000 میل بنتا ہے اور اس کی سپیڈ ایک ہزار میل فی گھنٹہ ہے۔ تبھی تو چوبیس گھنٹے میں دن مکمل ہو جاتا ہے۔ یہ زمین 1000 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی ہے، اس کے اوپر کتنے پہاڑ ہیں، کتنے دباؤ (Depressions)

ہیں، کہیں سمندر ہے، کہیں صحرا ہے، کہیں ہم کثیر المنزلہ عمارتیں Multi-Storey buildings بناتے ہیں۔ میرے مولا! آپ نے اس زمین کو کتنا مکمل متوازن (Perfect balanced) کیا کہ ہمیں اس کے چلنے کا پتہ ہی نہیں چل رہا۔ آج ہم زمین پر بیٹھے ہیں تو ہمیں پتہ بھی نہیں چل رہا کہ زمین چل بھی رہی ہے یا نہیں چل رہی۔ اس پروردگار نے کتنی کامل توازن (Perfect balancing) کی ہے اور پھر قرآن مجید میں فرما دیا:

﴿وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا﴾

اب یہ زمین حرکت نہیں کر سکتی کہ تمہارے لیے رہنا دشوار ہو جائے۔ تم اس کے اوپر پرسکون زندگی گزار سکتے ہو۔

چاند اور سورج کے لیے تذکیر و تانیث کے صیغے:

چاند کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَالْقَمَرَ بَازِغًا﴾ (الانعام:۷۷)

یہاں مذکر کا صیغہ استعمال ہوا۔

اور ایک جگہ پر سورج کا تذکرہ آتا ہے جس کے بارے میں قرآن مجید نے کہا:

﴿فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً﴾ (الانعام:۷۸)

یہاں مؤنث کا صیغہ استعمال ہوا۔

گویا چاند کے مذکر (Male) ہونے کا تذکرہ ہے اور سورج کے لیے مونث (Female) ہونے کا تذکرہ ہے۔ پرانے وقتوں کے طلبا کے اندر ایک سوال اکثر اٹھایا جاتا تھا کہ بڑی چیز کے لیے تو عام طور پر مذکر Male کا صیغہ استعمال ہوتا ہے اور چھوٹی چیز کے لیے مؤنث Female کا صیغہ استعمال ہوتا ہے، تو لوگوں کے لیے اس کو

وضاحت سے بیان کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔

اللہ کی شان دیکھیے! آج سائنس نے حقیقتوں سے پردہ اٹھایا، تب جا کر یہ بات نظر آئی کہ چاند اور سورج کے درمیان وہی رشتہ ہے جو ایک بیٹے اور اس کی ماں کے اندر ہوتا ہے۔ بیٹا، ماں سے دودھ لیتا ہے اور وہ زندہ رہتا ہے۔ اسی طرح چاند، سورج سے روشنی لیتا ہے اور وہ چمکتا نظر آتا ہے، اور جس دن وہ سورج سے اوٹ میں ہو اس دن بے نور ہوتا ہے، نظر ہی نہیں آتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید نے ایک صیغہ استعمال کرنے میں بھی ایسا کمال دکھایا کہ آج یہ راز ہمارے سامنے کھل رہا ہے۔

قارون کے دھنستے رہنے کا سائنسی ثبوت:

قرآن مجید میں ایک جگہ تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قارون کو زمین میں دھنسا دیا چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ﴾ (القصص:۸۱)

''پس ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا''

مفسرین نے لکھا ہے کہ قیامت تک وہ دھنستا رہے گا اور کبھی بھی زمین سے باہر نہیں نکل سکے گا۔

ایک طالب علم ہونے کے ناتے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا تھا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ وہ اگر زمین میں مسلسل دھنستا رہے تو اس کے باوجود وہ کبھی زمین سے باہر نہیں نکل سکے گا؟

لیکن جب ہم ایف ایس سی میں پڑھتے تھے تو فزکس کے اندر ایک سوال آیا، اس سوال نے اس راز کو کھول دیا۔

پیپر میں سوال یہ دیا گیا کہ اگر ایک آدمی کے پاس اتنی بڑی ڈرل ہو کہ وہ پوری زمین

میں سوراخ کردے اور پھر زمین کے اس سوراخ کے اندر ایک روپیہ ڈال دے تو حساب کر کے بتاؤ کہ وہ زمین کے دوسرے سرے سے باہر کب آئے گا؟

ہم نے قوانینِ حرکت (Laws of motion) نئے نئے پڑھے تھے۔ اس لیے ہم نے نیوٹن کے قوانینِ حرکت (Laws of motion) کو استعمال کر کے اس کا جواب نکالنا شروع کر دیا۔ اتنا فاصلہ ہے اور اتنی سپیڈ سے جا رہا ہے تو یہ کب نکلے گا؟ کسی نے جواب نکالا: اتنے عرصے کے بعد، کسی نے جواب نکالا: اتنے عرصے کے بعد۔

دراصل اس کا جواب یہ تھا کہ زمین کے اس سوراخ میں ڈالا ہوا سکہ کبھی بھی باہر نہیں نکلے گا۔ ہم بڑے حیران ہوئے۔ ہم ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھے۔ چنانچہ ہم نے کہا: کیوں نہیں نکلے گا؟

پھر انہوں نے بات سمجھائی: دیکھو! جب اوپر سے اس کو ڈالیں گے تو زمین کے مرکز (Center) میں مقناطیس (Magnetism) ہے جس کو کشش ثقل (Gravitational force) کہتے ہیں، تو اس کا ایکسلریشن بڑھے گا، سپیڈ بڑھتی جائے گی اور جب یہ مرکز تک پہنچے گا تو یہ زیادہ ترین سپیڈ سے نیچے گر رہا ہوگا لیکن جیسے ہی Center سے آگے نکلے گا تو وہی طاقت (Force) اس کے خلاف کام کرنا شروع کر دے گی، اس کو کھینچنا شروع کر دے گی۔ اس طرح اس کی سپیڈ گھٹتی رہے گی۔ اور ابھی اس زمین سے نیچے گرے گا نہیں کہ اس کو Center پھر اوپر کو کھینچنا شروع کر دے گا۔ تو یہ شاقول (pendulum) کی طرح ساری زندگی زمین کے اس سوراخ کے اندر رہے گا۔ کبھی بھی باہر نہیں نکل سکے گا۔

اس سوال کے بعد بات سمجھ میں آ گئی کہ یہ جو قرآن نے چودہ سو سال پہلے کہہ دیا کہ ہم نے اس کو زمین میں دھنسا دیا، اب وہ زمین سے کبھی بھی باہر نہیں نکل سکے گا، یہ بالکل

حقیقت پر مبنی بات ہے۔

حقیقت کب کھلتی ہے؟

یہ باتیں بظاہر چھوٹی نظر آتی ہیں لیکن اگر ان میں غور کریں تو حقیقتیں کھلتی ہیں۔ اس لیے کسی کہنے والے نے کہا:

If you want to know God, go in the detail.

''اگر تم اللہ کو ڈھونڈنا چاہتے ہو تو ذرا باریکی میں جاؤ''

یعنی تمہیں موٹی موٹی باتیں سوچنے سے بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔ جب تم ذرا تفصیل میں جاؤ گے تو تمہارا دل کہہ اٹھے گا کہ واقعی اس کے پیچھے اس کے بنانے والے کی قدرت ہے۔

ایک فرانسیسی کیپٹن کا قبولِ اسلام:

ایک فرانسیسی آدمی، جہاز کے کیپٹن تھے، انہوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کا انٹرویو چھپا، جو مجھے پڑھنے کا موقع ملا۔ اس سے کسی نے پوچھا: تم ایک جہاز کے کیپٹن تھے، پڑھے لکھے، تجربہ کار، جہاں دیدہ بندے تھے، تم مسلمان کیسے ہوئے؟

اس نے جواب میں کہا: جب میں ریٹائر ہوا تو ایک دوست سے ملا۔ اس کے ساتھ میری ہیلو ہائے (سلام دعا) تھی۔ اس نے مجھے ایک کتاب دی اور کہا کہ آج کل آپ فارغ ہیں، اس کو پڑھیں۔ میں نے اس کتاب کو پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کتاب کے اندر ایک جگہ پر سمندر (Ocean) کے متعلق بیان تھا۔

میری ساری زندگی سمندر (Ocean) میں گزری تھی اور میں ہمیشہ کروز میں ہی ہوتا تھا۔ اور جتنا سمندر کو قریب سے میں نے دیکھا تھا، عام بندے نے تو اتنا دیکھا ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے مجھے اس کتاب میں سمندر (Ocean) کے بیان کی وجہ سے کچھ زیادہ

دلچسپی محسوس ہوئی۔

وہ کہنے لگا: مجھے اپنی زندگی Life میں ایک دفعہ تجربہ ہوا کہ جب کبھی آسمان ابر آلود ہوتا ہے اور اس وقت سمندر (Ocean) میں مدو جزر (High Tide) کا وقت ہوتا ہے، لہریں خوب اچھلتی ہیں، اس وقت سمندر (Ocean) کے پانی کے اندر visibility (رویت) زیرو ہو جاتی ہے۔ آپ پانی کے اندر جائیں تو اندر جاتے ہی visibility (رویت) ہو جائے گی، آپ اپنا ہاتھ بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔ میں نے اتنا کامل اندھیرا کبھی نہیں دیکھا۔ جو میں نے سمندر (Ocean) کے اندر دیکھا۔

وہ کہنے لگا: میں وہ کتاب پڑھ رہا تھا۔ اس کتاب میں ایک جگہ تذکرہ تھا کہ ان کافروں کے دلوں کے اندر اندھیرا ہے۔ کیسا اندھیرا؟

﴿فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ﴾ (النور:۴۰)

کہ جب اوپر بادل ہوں اور مدو جزر (High Tide) کے اوپر ٹائیڈ پڑ رہی ہو، اس وقت سمندر کے اندر جتنا اندھیرا ہوتا ہے، اس سے بھی بڑھ کر اندھیرا ان کافروں کے دلوں کے اندر ہے۔

وہ کہنے لگا: میں نے جب اپنی لائف کے اس تجربے کو دیکھا تو میں بہت حیران ہوا، پھر میں نے سوچا کہ مسلمانوں کے پیغمبر علیہ السلام کو سمندر میں سفر کرنے کا تجربہ ہوا ہوگا اور پھر انہوں نے یہ بات لکھ دی ہوگی۔ پھر میں نے ان کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ لیکن ایک عجیب بات میرے سامنے آئی کہ مسلمانوں کے پیغمبر علیہ السلام نے پوری زندگی میں سمندر (Ocean) کا کبھی سفر ہی نہیں کیا۔ چنانچہ کہنے لگا: اگر یہ الفاظ اس بندے کی زبان سے نکلے ہیں جس نے زندگی میں کبھی سمندر کا سفر ہی نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ اللہ کا کلام تھا جو ان کی زبان پر جاری ہو گیا تھا...... سبحان اللہ۔ اس بات

پر ایک فرانسیسی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

واقعہ معراج کا سائنسی ثبوت:

نبی علیہ السلام کی معراج کا واقعہ قرآن مجید میں ہے۔ لیکن جب ہم سائنس پڑھتے تھے اس زمانے میں اس پر لوگ بہت زیادہ اعتراض (Objaction) کرتے تھے۔ خاص طور پر جو سائنس پڑھے ہوئے تھے، وہ ہمارے سامنے یہ بات کرتے تھے۔ ان کے سامنے ہمیں بات کرنا ذرا مشکل نظر آتا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ کیسے تھوڑی دیر کے اندر وہ آسمان پر بھی چلے گئے، واپس بھی آ گئے اور ٹائم بھی ریلیکس نہیں ہوا، وضو کا پانی بھی چل رہا تھا، بستر بھی گرم تھا، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

ہم اس بات کو سائنس کی رو سے واضح نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن جب خود ہم نے سائنس کے اندر نظریہ اضافت (Theory of Relativity) پڑھا تو پھر بات سمجھ میں آئی۔ یہ تھیوری آئن سٹائن کی ہے۔ آئن سٹائن وہ سائنس دان ہے کہ آج کی سائنس کی دنیا میں اس کی اس طرح عزت کی جاتی ہے جیسے دین کے میدان میں کسی پیغمبر علیہ السلام کی عزت کی جاتی ہے۔ اس نے نظریہ اضافت (Theory of Relativity) پیش کیا۔

اس نے اس نظریے میں وقت کے پھیلنے (Time dilation) کا تصور دیا۔ وہ تصور یہ تھا کہ اگر ایک (Frame of reference) ہو تو اس فریم آف ریفرنس کے اندر وقت گزرنے کا اپنا ایک معیار ہے۔ ایک اور فریم آف ریفرنس ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے اندر وقت اور زیادہ تیزی کے ساتھ گزر رہا ہو، یا دیر کے ساتھ گزر رہا ہو۔ چنانچہ یہ Relative Time ہے۔ پھر بات سمجھ میں آئی کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فرشتے یہاں آتے ہیں:

﴿ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ﴾
''کہ قیامت کا دن ایک ایسا دن ہے کہ دنیا کے پچاس ہزار سالوں کے برابر وہ دن ہے''

ہم نے کہا: یہ Relative Time کا تصور کوئی نیا تو نہیں ہے۔ یہ تو چودہ سو سال پہلے کہہ دیا کہ دنیا کے پچاس ہزار سال گزریں گے اور آخرت کے حساب سے ایک دن گزرے گا۔

ہمیں اس بات پر حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی ہوئی کہ یہ تصور تو دین سے نکلا۔ شریعت نے دیا، قرآن نے دیا۔ لیکن اگلا سوال ذہن میں آیا کہ جنت میں لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں وقت ایک جیسا رہے گا۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ تو پھر اسی نظریہ اضافت (Theory of Relativity) نے اس بات کو بھی ثابت کر دیا۔

واقعہ معراج کے اندر دو طرح کی سواریوں کا تذکرہ ہے۔ ایک سواری کا تذکرہ مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں کیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى﴾ (بنی اسرائیل:۱)

''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو لے گئی مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک''

اس سفر کے لیے حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے براق کو بھیجا۔ یہ براق کا لفظ برق سے ہے۔ اور برق کہتے ہیں، بجلی کو۔ گویا بجلی کی طرح تیز رفتاری سے چلنے والی یہ سواری تھی۔ یہ دنیا کا افقی (Horizental) سفر براق کے ذریعے کیا گیا۔

نبی علیہ السلام فرماتے ہیں: وہاں پر میں نے انبیاء کی امامت کرائی اور پھر میرے لیے ایک دوسری سواری کو لایا گیا، جس کا نام رفرف تھا۔ ہم نے جب رفرف کی تحقیق کی تو

پتہ چلا کہ یہ وہ سواری ہوتی ہے جو انسان کو اونچائی کی طرف لے کر جاتی ہے۔ اس کو آج کے زمانے میں لفٹ (Elivater) کہتے ہیں...... یہ لفٹ ایسی سواری ہے کہ آپ اس میں بیٹھ جائیں تو وہ آپ کو سوویں منزل پر پہنچا دے گی۔ تو شریعت نے براق کا لفظ افقی (Horizental) سفر کے لیے استعمال کیا اور جہاں عمودی (Vertical) سفر کرنا تھا، آسمان کی طرف، اس کے لیے رفرف سواری کو بھیجا گیا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ٹائم کیسے تھم گیا؟ اسکا جواب یہ ہے کہ نظریہ اضافت (Theory of relativity) میں ایک ہے، وقت کا پھیلاؤ Time dilation) یہ وقت کے پھیلاؤ کا تصور اس طرح ہے کہ اگر فریم آف ریفرنس کی سپیڈ، Speed of light کے برابر ہو تو ٹائم ہمیشہ ایک رہے گا۔ تبدیل نہیں ہوگا۔ اگر یہ سپیڈ کم ہو تو جواب مثبت (Positive) آئے گا اور مستقل رہے گا۔ یعنی ٹائم آگے کو حرکت کرتا رہے گا۔ اور اگر فریم آف ریفرنس کی سپیڈ، Speed of light سے زیادہ ہو تو جواب منفی (Negative) آئے گا۔ اس طرح انسان کا ماضی آنا شروع ہو جائے گا۔ گویا معلوم یہ ہوا کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کے اعمال نامے دکھانے ہوں گے تو ہوسکتا ہے کہ فریم آف ریفرنس کی سپیڈ ذرا تیز کر کے دکھا دیں، ری پلے کر کے، کہ اے میرے بندے! تم دیکھو! تم نے اپنی زندگی ایسے گزاری۔ آج کل ٹی وی کے اوپر بھی ایک کھلاڑی (Player) اگر اچھا شارٹ کھیلتا ہے تو اس کو ری پلے کر کے دکھاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ری پلے کرنے کا ایک نظام ہے۔ کہ ہر بندے کو ہم اس کی زندگی دکھائیں گے اور وہ نہ نہیں کر سکے گا۔ وہ انکار نہیں کر سکے گا کہ میں نے یہ کام نہیں کیا۔ اس کو ماننا ہی پڑے گا۔

پھر فرمایا کہ جنت میں ایک جیسا وقت رہے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہاں فریم آف ریفرنس

کی سپیڈ، روشنی کی رفتار (Speed of light) کے برابر ہو، جس کی وجہ سے ہمیشہ حال رہے گا، اور وہاں پر ٹائم آگے بڑھے گا ہی نہیں۔

نبی علیہ السلام جب معراج کے سفر پر تشریف لے گئے تو اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو اتنے وقت میں واپس بھی پہنچا دیا کہ وضو کا پانی بھی چل رہا تھا اور بستر بھی گرم تھا۔ ہوسکتا ہے کہ آگے کا سفر ایک ایسے Frame of reference میں ہو کہ یہاں پر ابھی ٹائم گزرا ہی نہ ہو اور وہ وہاں سے سفر کر کے ہی واپس آگئے ہوں۔

ہمارے ہاں دیہاتوں میں لوگ فجر کی اذانوں سے بھی پہلے اٹھتے ہیں اور وہ ہل چلانے کے لیے اپنی زمینوں میں چلے جاتے ہیں۔ منہ اندھیرے ہی چلے جاتے ہیں۔ اور وہ نو دس بجے تک ہل چلاتے ہیں کیونکہ وہ بہت محنت مشقت کا کام ہوتا ہے۔ وہ دوپہر کی گرمی سے پہلے پہلے اپنے کام سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ نو دس بجے تک ان کو خوب پسینہ آیا ہوتا ہے، اور خوب تھک چکے ہوتے ہیں۔ اس وقت ان کا جی چاہتا ہے کہ کوئی ناشتہ لائے اور ہم کچھ کھائیں پئیں۔ تو ہم نے دیکھا کہ ان کی بیویاں ان کا ناشتہ تیار کر کے اور لسی ساتھ لے کر اپنے خاوندوں کے پاس جاتی ہیں، تا کہ وہاں کھیت میں ان کو ناشتہ کروا سکیں۔ چنانچہ وہ جیسے ہی اپنی بیوی کو آتے دیکھتے ہیں تو وہ وہیں ہل روک دیتے ہیں۔ وہ پہلے ناشتہ کرتے ہیں اور بعد میں کوئی کام کرتے ہیں۔

اس پر کسی شاعر نے ایک عجیب مضمون باندھا۔ وہ کہتا ہے:

''پیا لونگ دا جدوں لشکارا تے ہالیاں نے ہل روک لئے''

یعنی جب بیوی کے لونگ (ناک کے زیور) کا لشکارا پڑتا ہے تو ہل چلانے والا اپنے ہل کو روک لیتا ہے۔

ہمیں بھی کچھ یونہی لگتا ہے کہ جب محبوب ﷺ کے آنے کا وقت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے

بھی کائنات کے نظام کو اسی جگہ روک دیا تھا۔ ملاقات کے بعد جب واپس آئیں گے تو جہاں پہ ٹائم تھا وہیں سے آگے چلائیں گے۔ تو آج واقعۂ معراج کو Explain (وضاحت) کرنا بہت آسان ہے۔

رؤیت ہلال اور سائنس کی بے بسی:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ﴾ (البقرہ:۱۸۹)

''اے میرے پیارے حبیب ﷺ یہ آپ سے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ یہ انسانوں کے اوقات کے لیے ہے''

دین اسلام نے تقریبات کو چاند کے ساتھ منتھی کیا اور روزانہ کی عبادت کو سورج کے ساتھ منتھی کیا۔ مثال کے طور پر: روزانہ پانچ نمازیں پڑھتے ہیں، مگر حوالہ کیا ہے؟ سورج۔ سورج نکلنے سے پہلے فجر پڑھ لو، سورج کے زوال کے بعد ظہر پڑھ لو، جب سورج اتنا ہو کہ سایہ دوگنا ہو جائے تو تم عصر پڑھ لو، جب سورج غروب ہو جائے تو مغرب پڑھ لو اور جب سورج اتنا نیچے چلا جائے کہ ستارے جھٹکنے لگیں تو تم عشاء پڑھ لو۔ یہاں آپ غور کریں کہ پانچ وقت کی نمازوں کا تعلق سورج کے ساتھ ہے۔ لیکن جو سال کی تقریبات ہیں ان کا تعلق چاند کے ساتھ ہے۔ چنانچہ محرم کا مہینہ، ربیع الاول کا مہینہ، رمضان کا مہینہ، ذوالحجہ کا مہینہ، شوال کا مہینہ، ان سب مہینوں کا تعلق چاند سے ہے۔

اب چاند کا جو مہینہ ہوتا ہے وہ کبھی انتیس دن کا اور کبھی تیس دن کا ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمیشہ یہ مسئلہ ہی رہتا ہے کہ یہ مہینہ کتنے دنوں کا ہوگا؟ لہٰذا ہر مہینے کے آخر پر چاند دیکھنے والی رؤیت ہلال کمیٹی بیٹھتی ہے اور وہ دیکھ کر فیصلہ کرتی ہے کہ چاند نظر آیا ہے یا نہیں آیا۔

یہاں پر ہم نے اکثر کافروں کو یہ اعتراض (Objection) کرتے ہوئے دیکھا کہ تم

کیا قمری (Lunar) کیلنڈر کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔ ہم شمسی (Solar) کیلنڈر کے مطابق چلتے ہیں اور ہر چیز اپنی جگہ پر ٹھیک رہتی ہے۔ تم مسلمان قمری (Lunar) کیلنڈر کے پیچھے ہو، تمہیں تمہارا چاند نظر ہی نہیں آتا۔ تمہیں تو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ رمضان کب شروع ہوگا اور کب نہیں ہوگا؟

مسئلہ کیسے بنا؟ ہم لوگ باہر ایک ملک میں مقیم تھے۔ وہاں پر سکول کے اندر مسلمان بچوں کی چھٹی کا مسئلہ آ گیا، کہ عید کی چھٹی اس دن ہو یا اگلے دن ہو...... صاف ظاہر ہے کہ جب تک چاند نظر نہ آئے، پہلے کوئی نہیں بتا سکتا۔ تو سکول کی انتظامیہ کہتی تھی کہ یہ کیا مسئلہ ہے، دنیا چاند پر پہنچ گئی ہے اور تمہیں چاند نظر ہی نہیں آتا! تم ہمیں ایک مہینہ پہلے بتایا کرو۔ ہم نے کہا: ہم ایک مہینہ پہلے کیسے بتائیں، ہم تو چاند کو دیکھ کر بتائیں گے۔

اب یہاں پر ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا کہ جی سائنسی اعداد و شمار Scientific Colculation) موجود ہیں، تم ان سائنسی اعداد و شمار Scientific Colculation کو سامنے رکھ کر فیصلہ کر لو کہ فلاں دن چاند نظر آئے گا۔ لیکن ہم کہتے: نہیں، نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ

”تم چاند کو دیکھو تو تم روزہ رکھنا شروع کر دو اور جب چاند کو دیکھو تو افطار کرو (یعنی عید مناؤ)“

گویا نبی علیہ السلام نے ایک اصول دے دیا۔ اس پر بڑا اعتراض (Objection) ہوتا تھا۔ کافر لوگ تو سو فیصد اس پر اعتراض کرتے تھے اور کئی مسلمان جو ذرا ڈھیلے ڈھیلے عقیدے والے تھے، وہ بھی کہتے: مولوی صاحب! تم کیا چاند دیکھ کر عید مناتے ہو، تم عید کا اعلان کر دو، اور یہ تقریبات تو ہونی بھی Solar (شمسی) کیلنڈر

سے چاہییں، واقعی Lunar (قمری) کیلنڈر کا آج کے زمانے میں کیا فائدہ ہے؟ بڑا Objection کرتے تھے۔

اس وقت ان کو سمجھانا ہمارے لیے مشکل ہوتا تھا، لیکن آج کے زمانے میں سائنسی تحقیق کے بعد ہمارے لیے ان کو سمجھانا نسبتاً آسان ہو گیا ہے۔

ایک دن مجھے خیال آیا کہ واشنگٹن کے اندر ایک خلائی عجائب گھر Space Museum ہے۔ آپ اس Space Museum میں جائیں تو آپ کو وہاں حیران کن حد تک Scintifice research نظر آئے گی۔ میں جب بھی وہاں جاتا تھا تو میرے دس بارہ گھنٹے وہیں گزر جاتے تھے۔ لیکن میں اس کو کبھی بھی پورا نہیں دیکھ سکا۔ ہمیشہ کچھ حصہ دیکھ کر پھر واپس آتا تھا۔

وہاں مجھے ایک دن پتہ چلا کہ یہاں پر ایک ایسا شعبہ (Section) ہے کہ جس میں انہوں نے اپنا ایک چینل لیا ہوا ہے اور اس چینل پر وہ ہر وقت نشر (Broadcat) کر رہے ہوتے ہیں کہ ''خلا میں کیا ہو رہا ہے؟'' What's happening in space?

وہ ہر وقت یہی خبریں دے رہے ہوتے ہیں۔ ان کا کام ہی یہی ہے کہ خلا میں جو ہو رہا ہے انہوں نے ہر وقت اس کے بارے میں خبریں دینی ہیں۔

اس وقت مجھے خیال آیا کہ جب یہ خلا کے بارے میں خبریں دیتے ہیں تو پھر چاند کی خبریں بھی تو ان کے پاس ہونی چاہییں۔ چنانچہ میں نے ان کا نمبر نوٹ کیا اور گھر آ کر میں نے ان کو فون کیا۔ میں نے کہا: جی! میں اس جگہ رہتا ہوں اور مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ اس جگہ پر چاند کب نظر آئے گا؟

انہوں نے کہا: جی! مسلمان جس کو چاند کہتے ہیں اس کو ہم کریسٹ (Crest) کہتے ہیں اور جس کو ہم نیا چاند (New moon) کہتے ہیں وہ بالکل Blac ہوتا ہے

اور وہ نظر ہی نہیں آتا۔ یہ ہمارے نیا چاند (New moon) کی ایک سائنسی اصطلاح (Scientific Term) ہے اور جو مسلمانوں کے نزدیک New Moom ہے وہ Crescent ہے، جس کو ہلال کہتے ہیں۔ اس ہلال کے نظر آنے کے بارے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ امکانات (Chances) ہیں، یقین سے نہیں کہہ سکتے۔ میں نے کہا: جی! مجھے تو یقین سے بتاؤ۔

پھر انہوں نے کہا: اگر آپ صحیح معلومات لینا چاہتے ہیں تو آپ ہماری بحریہ کا تحقیقاتی ادارہ (Naval observatory) کے اندر فون کریں، وہ لوگ آپ کو صحیح گائیڈ کریں گے، کیونکہ ان کے پاس سپر کمپیوٹر ہے۔

یہ سن کر مجھے حیرت ہوئی کہ چاند کے ساتھ بحریہ کا تحقیقاتی ادارہ (Naval observatory) کا کیا تعلق ہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ حقیقت میں جو نیوی والے ہوتی ہیں انہوں نے Ocean (سمندر) کے اندر سفر کرنا ہوتا ہے اور اوشن کے اندر جو High Tide (مدوجزر) ہوتی ہے اس کا تعلق چاند کے ساتھ ہے۔ جب چاند تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کا ہوتا ہے تو سمندر کے اندر طوفان ہوتا ہے۔ چنانچہ سمندر میں سفر کرنے والے ان تاریخوں میں سفر کرنے سے پرہیز کرتے ہیں کیونکہ High Tide کے وقت ڈوبنے کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔

Naval observatory والوں کا دعویٰ ہے:

We trace each inch of the trajectory of moon.

میں نے وہاں فون کیا۔ میں نے ان سے کہا: میں یہاں سپرنگ فیلڈ Spring Field میں رہتا ہوں اور مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ ہمیں چاند کی کریسٹ یہاں پر کب نظر آئے گی؟ وہاں سے ایک خاتون نے بتایا کہ میں آپ کو کمپیوٹر سے معلوم کر کے بتا دیتی

ہوں۔ پھر اس نے مجھے بتایا کہ امکانات (Chances) ہیں، یقینی بات نہیں ہے۔

اب میں نے اس سے سوال کرنا شروع کر دیے۔ میں نے کہا: کیا بات ہے کہ ہم تو چاند کے اوپر قدم رکھ چکے ہیں...... اس لیے کہ میں وہاں پہ تھا اور وہیں کا ایک باشندہ بن کر بات کر رہا تھا...... میں نے کہا: ہم تو چاند پر قدم رکھ چکے ہیں اور آپ کہتی ہیں کہ ہم چاند کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔

پھر اس نے مجھ سے پوچھا: کیا آپ کا کچھ سائنسی پس منظر Scientific Back-ground ہے؟ میں نے کہا: ہاں ہے۔ اس نے کہا: کیا آپ میری بات سمجھ لیں گے؟ میں نے کہا: ہاں سمجھ لوں گا آپ بات کریں، اب اس نے بات کو کھول کر بتایا۔ وہ کہنے لگی:

ہم جو چاند کی لکیر (Trajectory) کو تلاش کرتے ہیں تو ہم آنکھوں سے دیکھ کر نہیں کرتے کوئی دوربین ایسی نہیں ہے کہ ہم چاند کو دیکھ کر فیصلہ کریں۔ بلکہ ہمارے پاس ایک ریاضیاتی خاکہ (Mathmatical Model) بنا ہوا ہے۔ اس ماڈل میں حساب (Calculation) کر کے ہمیں پتہ چل جاتا ہے کہ چاند اس وقت کہاں پہ ہے۔ بالکل صحیح پتہ چل جاتا ہے۔

یہ سن کر میں نے کہا: پھر آپ اعداد و شمار (Calculations) کر کے مجھے بتائیں۔ وہ کہنے لگی: بات یہ ہے کہ کل اعداد و شمار (Calculations) میں چھ ہزار متغیرات (Variables) ہیں اور ایک متغیر (Variable) کے بدلنے سے فائنل رزلٹ بدل سکتا ہے۔ اس لیے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ہاں! اتنا کہہ سکتی ہوں کہ امکانات Chances ہیں، دیکھ کر پتہ چلے گا۔

جب اس نے یہ بات کہی تو میں نے کہا: الحمدللہ! نبی علیہ السلام نے چودہ سو سال

پہلے فرمادیا تھا: اے میری امت! اگر تم رمضان کے روزے رکھنا چاہتے ہو تو

صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ

''تم چاند کو دیکھو تو تم روزہ رکھنا شروع کر دو اور جب چاند کو دیکھو تو افطار کرو (یعنی عید مناؤ)''

آج سائنس کی دنیا بھی اسی کو تسلیم کرتی ہے۔

ڈارون کی تھیوری:

جب ہم سائنس پڑھتے تھے اس زمانے میں ڈارون کی تھیوری پوری دنیا کے اندر مانی جاتا تھا۔ دنیا پر تقریباً چار سو سال ایسے گزریں ہیں کہ سائنس کی دنیا میں ڈارون کی تھیوری کا راج رہا ہے۔

ڈارون کی تھیوری کیا تھی؟ ڈارون کی تھیوری یہ تھی کہ'' سب کچھ خود بخود پیدا ہوگیا ہے۔'' چنانچہ وہ کہتے تھے کہ پہلے پانی تھا، پھر پانی سے Fish (مچھلی) بنی، پھر Fish سے فلاں بنا، پھر فلاں سے فلاں، کرتے کراتے پھر بندر بنا، پھر چمپنزی بنا، پھر چمپنزی سے انسان بن گیا۔ یعنی بندر سے انسان بن گیا۔ یہ ان کا Final result (حتمی نتیجہ) تھا اور لوگ اسی کو تسلیم بھی کرتے تھے۔ لیکن ان پر اعتراضات بھی ہوتے تھے۔

ان پر ایک اعتراض (Objection) تو یہ ہوتا تھا کہ جناب! یہ بتائیے کہ چمپنزی بننے میں تو اتنے لاکھوں سال لگے اور چمپنزی سے انسان بننے میں آپ کہتے ہیں کہ تھوڑی سے سال لگے۔ حالانکہ اس کے اور انسان کے درمیان دماغ کا فرق ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بندر کی دم کے ختم ہونے میں ہزاروں سال لگے۔ بھئی! دم کے ختم ہونے میں تو ہزاروں سال لگے، جسم کے بال ختم ہونے میں ہزاروں سال لگے، اور چمپنزی کے اندر

انسانوں والا دماغ چند ہی سالوں میں آ گیا۔ یعنی جسم کا جو سب سے زیادہ پیچیدہ عضو ہے، جس کو ہم دماغ کہتے ہیں، اس دماغ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ بہت تھوڑے سے عرصے میں بن گیا۔ جب اعتراض (Objection) کیا گیا کہ یہ کیسے ہو گیا، دم کے ختم ہونے میں تو اتنا ٹائم لگا اور دماغ بننے میں اتنا تھوڑا سا ٹائم لگا۔ تو سائنس نے یہاں پر اپنی غلطی ماننے کے بجائے مسنگ لنک (Missing link) کی ایک اصطلاح استعمال کی۔ یعنی اس میں ایسے ایسے تبدیلیاں ہوئیں اور یہاں پر ایک مسنگ لنک ہے جو سمجھ میں نہیں آتا، اس کے بعد انسان بن گیا۔ ہم نے کہا: واقعی! تمہارا لنک چونکہ مس ہے نا، اس لیے تمہیں مسنگ لنک (Missing Link) کا سہارا لینا پڑ رہا ہے، اور تم یہ کہتے ہو کہ ہم ایک مسنگ لنک کی وجہ سے اس کی وضاحت نہیں کر سکتے۔

ڈارون کی تھیوری کا رد...... جینیٹک انجینئرنگ سے:

لیکن جب جینیٹک انجینئرنگ آئی تو اس نے آ کر تو پتا ہی صاف کر دیا۔ جینیٹک انجینئرنگ نے کہا: دیکھو! اگر تم یہ مانو کہ بہت سارے چمپنزی تھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ لاکھوں انسان ایک ہی وقت میں بن گئے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ جو تخلیق کا سلسلہ ہے یہ ایک بندے سے شروع ہوا اور وہ بندہ بھی وہ جو مرد تھا۔ عورت سے تخلیق کا سلسلہ شروع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اگر کوئی بندہ یہ دعویٰ کرے کہ سب سے پہلے عورت تھی اور عورت سے یہ سلسلہ آگے چلا، جینیٹک انجینئرنگ نے کہا کہ عورت سے یہ سلسلہ چل ہی نہیں سکتا۔

عورت سے یہ سلسلہ آگے کیوں نہیں چل سکتا؟ انہوں نے کہا: مرد اور عورت دونوں میں کروموسومز (Cromosomes) ہوتے ہیں۔ دونوں کے کروموسومز کی کل تعداد 46 ہوتی ہے۔ یعنی مرد کے اندر بھی 23 اور عورت کے اندر بھی 23۔ مرد کے

اندر XY کروموسومز ہوتے ہیں۔ اور عورت کے اندر XX کروموسومز ہوتے ہیں۔ جب یہ آپس میں ملاپ کرنا چاہتے ہیں ہیں، جوڑا (Bond) بنانا چاہتے تو XY الگ الگ ہوجاتے ہیں اور دو بن جاتے ہیں۔ اسی طرح XX بھی الگ الگ ہوجاتے ہیں۔ اس طرح یہ چار گروپ بن جاتے ہیں۔ اب ان چار یونٹس میں سے کسی دو نے ایک جوڑا (Bond) بنانا ہوتا ہے۔ اگر X نے X کے ساتھ جوڑا (Bond) بنالیا تو بیٹی آ گئی اور اگر X نے Y کے ساتھ جوڑا (Bond) بنالیا تو بیٹا ہوگیا۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ سب سے پہلے عورت تھی تو عورت کے اندر تو XX کروموسومز ہوتے ہیں۔ Y والا کروموسوم تو X سے نہیں بن سکتا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ XY والے کروموسومز سے ایسی عورت بنے جس میں X X کروموسومز ہوں۔ کیونکہ بنیادی طور پر X تو موجود ہے نا۔

اس بات کی بنیاد پر انہوں نے کہا کہ انسان کی تخلیق ایک بندے سے ہوئی اور وہ بھی مرد سے ہوئی۔ پھر مرد سے عورت پیدا ہوئی۔ اس کے بعد مرد اور عورت کے ملاپ سے آگے تعداد بڑھتی چلی گئی۔

جب جینیٹک انجینئرنگ نے یہ فائنل کیا اور پھر ہم نے قرآن مجید میں غور کیا تو اس میں سے ایک آیت نظر آئی...... سنیے اور ذرا دل کے کانوں سے سنیے...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً﴾ (سورۃ آیۃ ا رکوع ۲ پارہ نمبر ۴)

”اے انسانو! ڈرو اپنے پروردگار سے جس نے تمہیں ایک جی سے پیدا کیا، اور اس ایک میں سے اس کے جوڑے کو (یعنی بیوی کو) بنایا اور پھر ان دنوں

کے ذریعے سے اللہ نے مردوں اور عورتوں کو پوری دنیا میں پھیلا دیا''

آج سائنس کی دنیا اس چیز کو تسلیم کرتی ہے اور خود کافر آج ڈارون کی تھیوری کو ریجیکٹ (رد) کرتے ہیں۔ چنانچہ آج آپ یورپ، امریکہ میں چلے جائیے۔ وہاں کے لکھے پڑھے پروفیسر وغیرہ کہیں گے کہ ڈارون کی تھیوری ٹھیک نہیں تھی۔ واقعی! جینیٹک انجینئرنگ نے حقیقت سے پردہ ہٹا دیا اور جب پردہ ہٹایا تو یہ وہی بات تھی جو چودہ سو سال پہلے قرآن مجید نے بتا دی تھی۔ اللہ اکبر کبیراً

ایک کمیونسٹ کا اعتراض اور اس کا جواب:

جس دور میں ہم یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں اس دور میں سوشلزم، کمیونزم کا بڑا ہی نعرہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کوئی کہتا تھا: ایشیا سرخ ہے۔ کوئی کہتا تھا: ایشیا سبز ہے۔ یہی باتیں چلتی رہتی تھیں۔ واقعی لوگ یہی کہتے تھے کہ کمیونزم آیا، آیا، آیا لوگوں کو ڈر لگتا تھا کہ کمیونزم کب آئے گا؟

اس زمانے میں یونیورسٹی کے بہت سے لڑکے دہریے بن گئے اور وہ کہتے تھے: ہم اس بات پر یقین نہیں کرتے کہ خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ بلکہ وہ تو الٹا یہ کہتے تھے: انسان نے خدا کے تصور کو پیدا کر لیا ہے۔ وہ اس قسم کی باتیں کرتے تھے۔ ہم بھی وہیں یونیورسٹی کے اندر ہی رہتے تھے۔

ایک دن ایک ایسا لڑکا جو اس گروپ کا بڑا تھا، میرے پاس آیا۔ وہ مجھے کہنے لگا: میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ آپ کلاس میں پوزیشن لیتے ہیں اور ایک ہونہار طالب علم (Shining Student) ہیں۔ یعنی ایک سمجھدار مولوی ہیں۔ آپ میری بات کو سمجھیں گے۔ میں نے کہا: جی! بات کیجیے۔

وہ کہنے لگا: یہ کیا بات ہوئی کہ ایک مسلمان اگر کوئی نیکی کرے تو اس کو اس کا

اجر آخرت میں جا کر ملے گا اور اگر کوئی کافر نیکی کرے تو کہتے ہیں کہ دنیا میں تو اجر ملے گا لیکن آخرت میں کوئی اجر نہیں ملے گا۔ یہ تو ناانصافی ہے۔ حالانکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ دین اسلام عدل وانصاف کا دین (Religion of justice) ہے۔

......دیکھیں! کافر بھی تو کئی نیکیاں کرتے ہیں نا، جیسے کسی غریب کی مدد کی، کسی کا دکھ بانٹا، تو جو بھی یہ نیکی کے کام کرے اس کو اجر تو ملنا چاہیے۔ مگر قرآن مجید نے ان کے بارے میں تصور یہ دیا ہے کہ ان کو اجر تو ملے گا لیکن اسی دنیا میں ملے گا، آخرت میں ان کو کوئی اجر نہیں ملے گا...... اس کو اس پر اعتراض تھا۔ وہ کہنے لگا کہ یہ کیسا انصاف ہے کہ مسلمان کو تو آخرت میں اجر ملے گا اور کافر کو بالکل ہی نہیں ملے گا۔

میں نے کہا: آپ ذرا اس بات پر غور کریں کہ دو سٹوڈنٹ ہیں وہ دونوں سٹوڈنٹ استاد کو کہتے ہیں: آپ نے ہمیں اعداد لکھنے سکھائے ہیں۔ ہم سے آپ کچھ اعداد لکھوائیں۔ پھر استاد کہتا ہے: اچھا بھئی! لکھو۔ ان میں سے ایک سٹوڈنٹ 1 کا ہندسہ لکھتا ہے اور اس کے بعد اس کی دائیں طرف تین صفریں لگا دیتا ہے۔ اس کے اعداد کو دیکھ کر استاد کہتا ہے: ہاں جی! اعداد کی قدر (Value) ہے ایک ہزار۔ اور دوسرا سٹوڈنٹ 1 کا ہندسہ لکھنا تو بھول جاتا ہے اور وہ ویسے ہی تین مرتبہ زیرو لکھ دیتا ہے۔ تو اس کی کیا قدر (Value) بنی؟ صفر (Zero) بنی۔ اب ایک جیسی سیاہی خرچ ہوئی، ایک جیسے اعداد لکھے گئے اور ایک جیسا ٹائم خرچ ہوا۔ ہم کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک کی ویلیو ہے اور دوسرے کے لکھے ہوئے کی قدر (Value) صفر ہے۔ بھئی! ہم ایسا کیوں کہتے ہیں؟

اس نے جواب دیا: اس نے پہلے 1 کا عدد لکھ دیا تھا۔ اور 1 لکھنے کی وجہ سے ہر زیرو کے لکھنے سے اس کی قدر (Value) بڑھتی چلی گئی۔

میں نے کہا: بس! بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ یہ 1 جو ہے، یہی اللہ پر ایمان ہے۔ جو

بندہ کلمہ پڑھ کے اللہ پر ایمان لے آیا، اب اگر وہ اعمال کی زیرو لگاتا جائے گا تو اسکا وزن (weight) بڑھتا چلا جائے گا اور جو بندہ اللہ پر ایمان ہی نہیں لایا، گویا وہ ایک کا ہندسہ لکھنا ہی بھول گیا۔ اب وہ نیکیوں کی جتنی بھی زیرو لگاتا چلا جائے گا، اس کا جواب کیا نکلے گا؟ زیرو۔

ایک سائنسی جواب:

خیر! وہ تو مطمئن ہو گیا، لیکن بعد میں ہمیں اس کا جواب ملا۔ وہ جواب یہ ملا کہ قرآن مجید نے کہا ہے کہ کافروں کے عملوں کو ہم قیامت کے دن پیش کریں گے، لیکن

﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ (آیۃ:۱۰۵ رکوع:۳ پارہ ۱۶)

''ان کا قیامت کے دن کوئی وزن ہی نہیں ہوگا''

تو پھر ہمیں یہ بات سمجھ میں آئی کہ وزن کا فارمولا ہے:

W=MxG.

یعنی اگر کمیت (Mass) کو کشش ثقل (Gravitational Force) کے ساتھ ضرب دیں تو جو جواب آتا ہے وہ ویٹ (وزن) کہلاتا ہے۔

اب ایک آدمی ہے۔ اس کا دنیا کے اندر وزن ہے، 90 کلوگرام، اسی بندے کو اگر آپ چاند پر پہنچا دیں تو وہاں پر اس کا وزن فرض کریں 70 کلوگرام ہوگا۔ وہی بندہ ہے، بھئی! 70 کلوگرام وزن کیوں؟ کہیں گے کہ چاند کی کشش ثقل Gravitational Force) زمین سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے کم ہے، لہٰذا اس کا وزن کم ہے۔ اگر آپ اسی بندے کو مریخ پہ پہنچا دیں تو اس کا وزن 90 کلوگرام کے بجائے فرض کریں 160 کلوگرام ہو جائے گا۔ بھئی! اس کی کیا وجہ ہے؟ جی! اس لیے کہ مریخ زمین سے بڑا ہے اس لیے اس کی کشش ثقل (Gravitational Force) زمین سے زیادہ ہے۔ پھر

اگر آپ اسی بندے کو خلا میں پہنچادیں تو اس کا وزن زیرو ہو جائے گا۔ کیوں بھئی! وزن زیرو کیوں ہو جائے گا؟ کہیں گے کہ وہاں پر چونکہ کوئی کشش ثقل(Gravitational Force) ہی نہیں ہے، اس لیے زیرو کے ساتھ جتنی مرضی Mass کو ضرب دیں، جواب کیا نکلے گا؟ جواب زیرو نکلے گا۔

تو اب یہ بات سمجھ میں آئی کہ کمیت(mass)انسان کے اعمال کی مانند ہیں اور یہ کشش ثقل(Gravitational Force)عشق الٰہی کی مانند ہے، اللہ پہ ایمان لانے کی مانند ہے۔ چنانچہ اگر کسی بندے نے عشق الٰہی کی وجہ سے اللہ کے وجود کو تسلیم کرلیا، اس کو اپنا رب مان لیا تو گویا اس کی کچھ نہ کچھ ویلیو ہے اور جب قدر(Value) کو mass کے ساتھ ضرب دیں گے تو کچھ نہ کچھ اسکا جواب ضرور نکلے گا۔ جبکہ کافر کیا کرتا ہے؟ وہ تو خدا کو مانتا ہی نہیں۔ اس طرح اس کی Force Gravitational (کشش ثقل) زیرو ہوگی۔ اب آپ زیرو کو جس سے مرضی ضرب دیتے پھریں، جواب کیا نکلے گا؟ زیرو، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے چودہ سو سال پہلے کہہ دیا:

﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ (ایۃ:۱۰۵ رکوع:۱۲ پارہ ۱۶)

''ان کے عملوں کا قیامت کے دن کوئی وزن ہی نہیں ہوگا''

اب بات سمجھ میں آ گئی کہ ہاں بات تو ٹھیک ہے۔

دماغ کے بارے میں نئی تحقیق:

ایک مرتبہ میں میڈیکل کا ایک پیپر پڑھ رہا تھا۔ اس میں میں نے ایک عجیب بات پڑھی۔ اس میں لکھا تھا کہ انسان کے جسم کی جو شکل ہے بالکل اسی طرح کی شکل اسکے دماغ کے اندر بھی بنی ہوئی ہے، لیکن ایک مختلف انداز سے۔ ہمارے ہاتھ یہاں بڑے ہیں، اور میموری کے اندر اس کی جو جگہ متعین کی گئی وہ اسی طرح ہے مگر سائز میں چھوٹے ہیں۔

پاؤں بھی چھوٹے ہیں۔ زبان بھی چھوٹی ہے، لیکن جو دماغ (Mind) میں جگہ متعین کی گئی ہے وہ کئی گنا ہے۔ آگے لکھا ہوا تھا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ دماغ کسی کو جتنی بھی ہدایات (Instructions) بھیجتا ہے، اسکے حساب سے اس کو جگہ کی ضرورت تھی۔ اب ٹانگوں کو تو اوپر اٹھنا ہے اور جانا ہے، اٹھنا ہے جانا ہے۔ اسکا سادہ سا کام تھا اس لیے اس کو تھوڑی سی جگہ کی ضرورت تھی۔ جب کہ ہماری زبان سب سے زیادہ پیچیدہ عضو ہے۔ اب جب ہم تیزی میں بول رہے ہوتے ہیں تو ہم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے کہ کبھی زبان کا سرا لگ رہا ہوتا ہے، کبھی سائیڈ لگ رہی ہوتی ہے، کبھی اوپر کبھی نیچے۔ اس کو دماغ کو جو ہدایات (Instructions) دینی پڑ رہی ہوتی ہیں وہ بہت زیادہ ہوتی ہیں، لہٰذا اسکے لیے دماغ کے اندر بہت بڑی جگہ متعین کر دی گئی۔

آگے ایک بات اور لکھی ہوئی تھی۔ لکھا ہوا تھا کہ انسان کے دماغ کے اندر مختلف اعضاء کو کنٹرول کرنے کی جو جگہ ہے اس کو سائنس نے دریافت کر لیا ہے۔ مثال کے طور پر جو ہماری بائیں طرف (Left Side) کے اعضاء ہیں، ان کو انسان کی دماغ کی رائٹ سائیڈ سے سگنل جاتے ہیں اور جو دائیں طرف (Right Side) کے آرگنز ہیں ان کو سگنل Left Side سے جاتے ہیں۔

اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ انسان کی بینائی کا کنٹرول سر کے پیچھے کی طرف ہے۔ اس لیے اگر خدانخواستہ کوئی بچہ الٹا گرے تو اس کی بینائی اچانک چلی جاتی ہے یا کسی وجہ سے بندہ پیچھے سے ایک زوردار تھپڑ لگائے یا کوئی چیز مارے تو اس بچے کی بینائی چلے جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ Memory (یادداشت) کا تعلق سر کے پچھلے حصے کے ساتھ ہے۔

نماز کے ذریعے روحانی علاج کا سائنسی ثبوت:

ایک بات تو بہت ہی عجیب لکھی ہوئی تھی۔ لکھا ہوا تھا کہ انسان کے اندر جو جذبات سے متعلقہ (Emotional) چیزیں ہوتی ہیں، جن کا تعلق حسد کے ساتھ، بغض کے ساتھ، شہوت کے ساتھ، مکر کے ساتھ ہوتا ہے، ان تمام چیزوں کا کنٹرول سنٹر انسان کے سر کی سامنے کی طرف (Front side) پر یعنی پیشانی میں ہے۔

میں نے جب یہ بات پڑھی تو مجھے خیال آیا۔ یااللہ! اگر یہی پیشانی انسان کی انا اور تکبر کا باعث بنتی ہیں تو آپ نے سجدے میں اسی پیشانی کو ہی تو زمین پر ٹکانے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی فرمادیا کہ تم سجدہ کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ:

﴿ وَاقْتَرِبْ ﴾ ''تم میرے قریب ہو جاؤ گے''

واہ میرے اللہ! جو اپنی انا کو مٹا دیتا ہے، آپ اس بندے کو اپنا بنا لیتے ہیں۔ سائنس تو اس کو آج کھول کر بیان کر رہی ہے جبکہ شریعت نے چودہ سو سال پہلے کہہ دیا تھا کہ اگر خدا کے قریب ہونا ہے تو اپنی پیشانی کو اللہ کے سامنے رکھ دو۔

مخلوقاتِ عالم اور تسبیح خداوندی:

قرآن مجید میں ایک آیت ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾

(آیہ نمبر ۴۴ رکوع: ۵ پارہ نمبر ۱۵)

''اور جو کوئی بھی چیز ہے وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے، لیکن تم اس کی تسبیح کو سمجھ ہی نہیں سکتے''

جب میں نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی تو طالب علم ہونے کے ناتے دل میں خیال آیا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں: ''وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ'' جو بھی کوئی

چیز ہے یعنی دنیا کی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کر رہی ہے۔ مثلاً مٹی ذکر کر رہی ہے، پتے ذکر کر رہے ہیں، ہوا ذکر کرتی ہے، کپڑا ذکر کرتا ہے۔ یہ تو ماننے والی باتیں ہیں۔ لیکن کافر تو اللہ کا ذکر نہیں کرتا۔ حالانکہ دنیا میں تو اربوں کے حساب سے کافر بھی ہیں۔ اسی طرح جانور کیسے ذکر کرتے ہوں گے؟ تو ذہن میں سوال پیدا ہونا شروع ہو گئے کہ قرآن کیسے کہتا ہے کہ ہر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے؟

مجھے ایک مرتبہ امریکہ میں ویسٹ ورجینیا میں سفر کرنے کا موقع ملا۔ وہاں ہمارے پاکستان سے کم از کم چالیس پچاس ڈاکٹر رہتے ہیں اور وہاں ان کی ایک کمیونٹی بنی ہوئی ہے۔ ان کا اس عاجز کے ساتھ بیعت کا تعلق بھی تھا۔ وہ مجھے اکثر اپنے ہاں بلاتے تھے اور میں بھی وہاں جاتا تھا اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

ان میں سے ہمارے ایک دوست جو لاہور ہی کے ہیں اور وہ وہاں پر ایک بڑے ماہر امراض دل (Heard Specialist) ہیں۔ وہ مجھے ایک دن کہنے لگے: حضرت! آپ میرے ساتھ میرے کلینک پہ آئیں، میں آپ کو ایکو کارڈیوگراف کروں گا۔ میں نے پوچھا: ایکو کارڈیوگراف کیا چیز ہوتی ہے؟ کہنے لگے: اس سے آپ کے دل کی ساری حالت کا پتہ چل جائے گا، کتنا پمپ کر رہا ہے؟ والوز کی کنڈیشن کیا ہے؟ درمیان میں لیکیج ہے یا نہیں؟ اس سے ہر چیز کا پتہ چل جاتا ہے۔ اور میں آپ سے دعا بھی کروالوں گا۔ میں نے کہا: بہت اچھا۔

لو جی! ہم ان کے کلینک پر چلے گئے۔ انہوں نے سب سے پہلے تو دعا کرائی۔ پھر مجھے کہنے لگے: جی! آپ یہاں آجائیں۔ انہوں نے مجھے لٹا دیا۔ وہاں ایک بڑی ہی عجیب سی مشین تھی۔ انہوں نے اس سے میرا ایکو کارڈیوگراف کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے سکرین میرے سامنے کر دی۔ اب میرا ایکو کارڈیوگراف ہو بھی رہا ہے اور میں دیکھ بھی

رہا ہوں۔ اور واقعی اس میں ایک ایک چیز کا پتہ چل رہا تھا۔

وہ مجھے کہنے لگے: حضرت! میں آپ کو آپ کے دل کی آواز سناؤں؟ میں نے کہا: سنائیں۔ تو انہوں نے اس کی آواز (Volume) کو تھوڑا سا بڑھایا۔ اب Volume (آواز) بڑھانے سے وہ آواز مجھے صاف سنائی دینے لگی۔ وہ آواز کے بارے میں بتانے لگے کہ یہ "لب ڈب" کی طرح سنائی دیتی ہے۔ "لب ڈب، لب ڈب، لب ڈب" دراصل دل خون کو کھینچ بھی رہا ہوتا ہے اور ڈیلیور بھی کر رہا ہوتا ہے، کھینچ بھی رہا ہوتا ہے اور ڈیلیور بھی کر رہا ہوتا ہے۔ تو دل کی اس آواز کو ڈاکٹروں نے "لب ڈب" کا نام دیا۔

جب انہوں نے مجھے یہ کہا کہ یہ لب ڈب کی آواز ہے تو میں نے ذرا غور کر کے کہا: میں نہیں مانتا کہ یہ لب ڈب کی آواز ہے۔ وہ کہنے لگے: کیوں؟ میں نے کہا: ذرا غور سے سنیں۔ یہ مجھے لب ڈب کی آواز محسوس نہیں ہو رہی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا: اور کیا محسوس ہو رہی ہے؟ میں نے کہا: میں جتنا اس کو قریب سے سننے کی کوشش کرتا ہوں، یہ تو مجھے "رب رب، رب رب" کی آواز محسوس ہوتی ہے۔ اب ڈاکٹر صاحب نے بھی اس پر غور کیا اور میں نے بھی کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کہنے لگے: حضرت! اللہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ یہ واقعی لب ڈب کے بجائے "رب رب" کی آواز ہی اس پر صادق آتی ہے۔

یہ سن کر میں نے کہا: ڈاکٹر صاحب! مجھے ایک مسئلہ سمجھ میں آ گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا: وہ کیا؟ میں نے کہا: اگر بندے کے دل کی آواز ہر وقت "رب رب، رب رب" پکار رہی ہے اس حقیقت کو قرآن مجید نے تو چودہ سو سال پہلے بتا دیا تھا کہ

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ (آیۃ:۴۴ رکوع:۵ پارہ:۱۵)

''اور جو کوئی بھی چیز ہے وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے، لیکن تم اس کی تسبیح کو سمجھ ہی نہیں سکتے''

دنیا میں جو بھی مخلوق ہے، اسکا دل چل رہا ہے اور رب رب کا نعرہ لگا رہا ہے۔ اگر ہم تھوڑا سا غور کریں تو آج ہمارے لیے حقیقت کو سمجھنا آسان ہے۔

قرآن مجید سمجھنے کے دو درجے:

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن مجید کے ساتھ سچی محبت نصیب فرمائے تا کہ ہم اس کو سمجھ کر پڑھیں اور اپنی زندگی میں اس کو لاگو کر سکیں۔

قرآن مجید سمجھنے کے دو درجے (Levels) ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک درجہ (Level) تو ہے علما کا۔ اس تک پہنچنے کے لیے تو اسپیشلائزیشن کرنی پڑے گی (تمام علوم پر عبور حاصل کرنا پڑے گا)۔ آٹھ دس سال پڑھیں گے، پھر سترہ علوم پر محنت ہوگی، تب جا کے ہمیں قرآن مجید کی حقیقت سمجھ میں آئے گی اور ہم اس میں سے مسائل اخذ کر سکیں گے۔ اور ایک ہے عام بندے کا لیول۔ وہ اتنا ہی ہوتا چاہیے کہ اگر امام قرأت کر رہا ہے تو بس بندے کو پیچھے کھڑے ہوئے یہ پتہ چلے کہ یہاں جنت کا تذکرہ ہے اور یہاں جہنم کا تذکرہ ہے، یہاں اللہ نے اس بات کا حکم دیا ہے اور یہاں اس نے اس چیز سے منع کیا ہے۔ یعنی انسان کو موٹا موٹا پتہ چلتا جائے کہ حکم کیا جا رہا ہے۔ یہ عوام الناس کا درجہ (Level) کہلاتا ہے اور اس کو سمجھنا بہت آسان ہے۔

وہ کیسے؟...... ذرا توجہ فرمائیے گا، بات بہت قیمتی ہے...... آج کے زمانے میں پورے قرآن مجید کے الفاظ کو گنا جا چکا ہے۔ قرآن مجید کی آیات 6666 ہیں اور پورے قرآن مجید کے الفاظ 84000 سے کچھ زیادہ ہیں۔ لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر الفاظ وہ ہیں جو قرآن مجید میں بار بار آتے چلے گئے۔ مثال کے طور پر: اقیموا الصلاۃ، یہ

سات سو مرتبہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ یاایھا الذین امنو، یہ 86 مرتبہ آیا ہے، لیکن لفظ تو ایک ہی ہے نا۔ تو جس کو ایک جگہ پر معنی کا پتہ چل گیا اس کو سب جگہوں پر معنی کا پتہ چل گیا۔

اب اس سے بھی زیادہ عجیب بات سنیں کہ وہ مختلف الفاظ جو قرآن مجید میں استعمال ہوئے، ان کو بھی گنا جا چکا ہے ان کی تعداد صرف 2000 ہے۔ یعنی صرف 2000 مختلف الفاظ کے ساتھ پورے قرآن مجید کی گفتگو ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم 2000 الفاظ کے معانی پڑھ لیں تو ہمارے لیے قرآن مجید کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

اس میں ایک اور لطف کی بات بھی ہے: جو لوگ اردو زبان بولتے ہیں، ان کے لیے اور بھی آسانی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کے 500 الفاظ اردو زبان میں استعمال ہوتے ہیں، مثلاً: قبر، حشر، روح، بدن، قلم، کتاب، عرش، کرسی، تقوی، زہد، توکل، جن، انسان، جنت، جہنم۔

ان 2000 الفاظ میں سے 500 الفاظ اردو زبان میں استعمال ہوتے ہیں۔ باقی کتنے رہ گئے؟ باقی 1500 الفاظ رہ گئے ہیں۔ تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم ساری زندگی میں قرآن مجید کے 1500 الفاظ کے معانی بھی نہ سیکھ سکے۔ اگر ہم سے یہ سوال کر لیا گیا کہ تم ڈاکٹر تھے، انجینئر تھے، منیجر تھے، بزنس مین تھے، تمہیں ہم نے ٹریلین آف برین سیلز جو دیے تھے، تم ان سے بزنس پلاننگ کرتے تھے، تم اپنا کام خوب اچھی طرح کرنا جانتے تھے۔ کیا میری کتاب کے صرف 1500 الفاظ کو سمجھنے کے لیے بھی تمہارے پاس فرصت نہیں تھی؟ تو ہم کیا جواب دیں گے؟ اگر ہم روزانہ ایک نماز کے بعد ایک لفظ کا ترجمہ پڑھیں تو ایک دن میں پانچ لفظوں کا ترجمہ ہو جائے گا۔ اس طرح ہم قرآن مجید کا یہ لیول آف انڈرسٹینڈنگ (سمجھنے کا درجہ) حاصل کر سکتے ہیں۔ اب بتائیں کہ کیا کوئی بندہ کل یہ کہہ سکے گا کہ مجھے فرصت نہیں ملی تھی؟

ہمیں چاہیے کہ ہم قریب میں کسی عالم سے مدد (Help) لے کر اس کو استاد بنا کر قرآن مجید کو سیکھنا شروع کر دیں۔ کیونکہ استاد کے ذریعے انسان غلطیوں سے بچ جاتا ہے اور بغیر استاد کے انسان کی بنیاد ہی نہیں ہوتی۔ بہر حال! ہم چند مہینوں میں قرآن مجید کا فرسٹ لیول آف انڈرسٹینڈ نگ (سمجھنے کا پہلا درجہ) حاصل کرلیں گے۔ پھر اگر قرآن مجید کی تلاوت ہو رہی ہو گی تو ہمیں پتہ چل رہا ہو گا کہ اللہ کا فرمان ہم سے کیا کہہ رہا ہے؟

قرآن مجید کی تاثیر:

رہ گئی بات قرآن مجید کی تاثیر کی، اس کی ایک مثال سن لیجیے۔ ایک دیہاتی لڑکا تھا۔ وہ کہیں جا رہا تھا۔ اس نے راستے میں ایک کارتوس پڑا ہوا دیکھا۔ اس کے لیے وہ نئی چیز تھی۔ اس نے اس کو اٹھا لیا۔ جیب میں ڈالا۔ پھر آگے ایک بڑے دیہاتی بندے سے ملا۔ اسے کہنے لگا: بڑے میاں! یہ کیا چیز ہے؟ اس نے کہا: ارے! یہ کارتوس ہے۔ پوچھا: کیا مطلب؟ اس نے کہا: یہ اتنی خطرناک چیز ہے کہ اگر یہ شیر کو مارو تو یہ اس کو مار دے گی، ہاتھی کو مارو تو یہ اس کو بھی گرا دے گی۔ اس نے کہا: اچھا! یہ اتنی خطرناک چیز ہے۔ اس لڑکے نے اس کارتوس کو پھر جیب میں ڈال لیا اور وہ اپنے کام میں لگ گیا۔

اللہ کی شان! دوسرے دن شام کو گھر آ رہا تھا کہ ایک چھوٹا سا کتا اس کے پیچھے لگ گیا۔ اب یہ آگے اور کتا پیچھے۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے پتہ چلا کہ کتا تو قریب آ رہا ہے، تو وہ گھبرا گیا۔ اس وقت اسے یاد آیا کہ میرے پاس تو وہ کارتوس ہے۔ لہٰذا اس نے وہ کارتوس جیب سے نکالا اور زور سے کتے کو دے مارا۔ کتے کو وہ کارتوس ٹانگ پہ لگا تو سہی، لیکن بجائے گرنے مرنے کے وہ کتا اور اس کے اوپر چڑھ دوڑا۔ اس بے چارے نے بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی۔

وہ سیدھا اسی بندے کے پاس جا پہنچا۔ اس سے کہنے لگا: بڑے میاں! آپ نے

مجھے فرسٹ مس گائیڈ کیا۔اس نے پوچھا: کیوں؟ کہنے لگا: اس لیے کہ آپ نے کہا تھا کہ یہ ایسی چیز ہے جو شیر کو بھی مار دیتی ہے اور ہاتھی کو بھی مار دیتی ہے، جبکہ اس نے تو کتے کے ایک چھوٹے سے بچے کو بھی نہ مارا۔ بڑے میاں نے کہا: تجھے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے، اصل بات یہ ہے کہ ایک چیز بندوق ہوتی ہے۔اس کے اندر جب یہ کارتوس ڈالتے ہیں اور پھر چلاتے ہیں تو اس وقت اس کارتوس کی طاقت ظاہر ہوتی ہے۔اس سے پہلے ظاہر نہیں ہوتی۔

بالکل اسی طرح ہمارا یہ چھ فٹ کا جسم ایک بندوق کی مانند ہے اور یہ اللہ کا قرآن اس طاقت کے بنے ہوئے ایک کارتوس کی مانند ہے۔جب جسم کی اس بندوق (Gun) کے اندر اس کارتوس کو فٹ کریں گے اور پھر تہجد میں اٹھ کر دو رکعت نفل پڑھ کے اللہ کے سامنے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں گے تو اس قرآن کی طاقت پھر ہمارے سامنے ظاہر ہوگی۔تب پتہ چلے گا کہ اللہ رب العزت قرآن پڑھنے والے کی دعاؤں کو کیسے قبول فرماتے ہیں؟

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن مجید کے ساتھ سچی پکی محبت عطا فرمائے۔آمین ثم آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○